فاضل بریلوی
اور
امورِ بدعت

[illegible]

رضا پبلی کیشنز ۰ لاہور

فاضلِ بریلوی

اور

امورِ بدعت

سید محمد فاروق القادری ایم اے

رضا پبلی کیشنز ۰ لاہور

بیاد

امام اہل سنت مجدد دین وملت نائب غوث اعظم

امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

کتاب ---------------- فاضل بریلوی اور امور بدعت

مصنف ---------------- سید محمد فاروق القادری ایم اے

صفحات ---------------- 276

طباعت ---------------- چہارم

تعداد ---------------- گیارہ سو

تاریخ اشاعت ---------- جمادی الأولیٰ ١٤٣٠ھ، مئی 2009ء

اہتمام ---------------- میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی

پروف ریڈنگ ---------- محمد ریاض ہمایوں۔ عطاء الرحمٰن قادری

کمپوزنگ ------------- المصطفیٰ کمپوزنگ سنٹر، لاہور

سرورق ---------------- صوفی خورشید عالم مخمور

قیمت ---------------- [redacted] روپے

ناشر

رضا پبلیکیشنز۔ لاہور

مَیں یہ کتاب اپنے دیرینہ کرم فرما اور محسن، حکیم الملت

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری

کے نام معنون کرتا ہوں،

جو ــــــــــــ سلف صالحین کے مسلک

اعتدال اور مشربِ عشق و محبت

کے امین اور خاموش مبلغ ہیں

اور جن کی علم دوستی اور

معارف پروری سینکڑوں نوجوانوں

کو بے مقصد زندگی سے نکال

کر تحقیق و تجسس اور نوشت و

خواند کی علمی دنیا میں لے آئی

ہے۔

شاہ آباد شریف
گڑھی اختیار خاں بہاولپور

سید محمد فاروق القادری ایم اے
۲۴ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مصطفیٰ ﷺ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

وُہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وُہ بات اُن کو بہت ناگوار گزری ہے!

"شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع، شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا، طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے، شریعت ہی پر طریقت کا دارو مدار ہے، شریعت ہی اصلِ کار اور محک و معیار ہے، شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے، اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ تعالی کی راہ سے دور پڑے گا، طریقت اس راہ کا روشن ٹکڑا ہے، اس کا اس سے جدا ہونا محال و ناسزا ہے، طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے، شریعتِ مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے، جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی اور زندقہ ہے"۔

(مقال العرفاء، فاضل بریلوی)

"دل میں کیا، برملا فحش گالیاں دیتے ہیں، بعض خبثاء تو مغلظات سے بھرے ہوئے بیرنگ خطوط بھیجتے ہیں، پھر ایک نہیں اللہ اعلم کتنے آتے ہیں، مجھے اس کی پرواہ نہیں، اس سے زیادہ میری ذات پر حملہ کریں، میں تو شکر کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے مجھے دین حق کی سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے، گالیاں دیتے، برا بھلا کہتے ہیں اتنی دیر اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی توہین و تنقیص سے باز رہتے ہیں، ادھر سے کبھی اس کے جواب کا وہم بھی نہیں ہوتا اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت ان کی عزت پر نثار ہی ہونے کے لئے ہے بلکہ ان پر نثار ہونا ہی عزت ہے۔ قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا أَذًى كَثِيْرًا﴾ "اور بیشک ضرور تم اگلے کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ برا سنو گے۔" بڑے بڑے ائمہ مجتہدین و صحابہ و تابعین تو مخالفین کے سب و شتم سے بچے نہیں، یہ در کنار، جب اللہ واحد قہار اور اس کے پیارے حبیب و محبوب احمد مختار ﷺ کی شان گھٹانا چاہی، انہیں عیب لگائے تو اور کوئی کس گنتی میں ہے"۔

(الملفوظ، فاضل بریلوی)

"ہزار ہزار بار حاشاللہ! میں ہر گز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا جب کیا ان سے کوئی ملاپ تھا اب رنجش ہو گئی! جب ان سے جائیداد کی کوئی شرکت نہ تھی اب پیدا ہو گئی! حاشاللہ! مسلمانوں کا علاقہ محبت و عداوت صرف محبت و عداوت خدا اور رسول ہے، جب تک ان دشنام دِہوں سے دشنام صادر نہ ہوئی یا اللہ ورسول کی جناب میں ان کی دشنام نہ دیکھی نہ سنی تھی اس وقت تک کلمہ گوئی کا پاس لازم تھا، غایت احتیاط سے کام لیا حتی کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح ان پر کفر لازم تھا مگر احتیاطاً ان کا ساتھ نہ دیا اور متکلمین عظام کا مسلک اختیار کیا، جب صاف صریح انکار ضروریات دین و دشنام دہی رب العالمین و سید المرسلین ﷺ آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ اکابر ائمہ دین کی تصریحات سن چکے"۔

(فاضل بریلوی)

"امام مذہب حنفی سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں :

"أيما رجل مسلم سب رسول الله ﷺ أو كذبه أو عابه أو تنقصه فقد كفر بالله و بانت من إمراته".

" جو شخص مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کو دشنام دے یا حضور کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے یا حضور کو کسی طرح کا عیب لگائے، یا کسی وجہ سے حضور کی شان گھٹائے، وہ یقیناً کافر اور خدا کا منکر ہو گیا اور اس کی جورو اس کے نکاح سے نکل گئی"۔

دیکھو! کیسی صاف تصریح ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی تنقیص شان کرنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے، اس کی جورو نکاح سے نکل جاتی ہے، کیا مسلمان اہل قبلہ نہیں ہوتا یا اہل کلمہ نہیں ہوتا؟ سب کچھ ہوتا ہے مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کے ساتھ نہ قبلہ قبول نہ کلمہ مقبول، والعیاذ باللہ رب العالمین"۔

(حسام الحرمین، فاضل بریلوی)

فہرست مضامین

☆☆☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

شخصیات کے بارے میں ہماری محبت و عقیدت یا نفرت و عداوت عام طور سے حقائق پر نہیں بلکہ بچپن میں ذہن میں ڈالی گئی اور سنی سنائی باتوں پر مبنی ہوتی ہے، مسلمان، بالخصوص بر صغیر کے مسلمان من حیث القوم (الا ماشاء اللہ) حقیقت پسندی، علمی و تاریخی منصف مزاجی اور دوست دشمن کی خوبیوں، خرابیوں کو ایک ہی عینک سے دیکھنے کی بنیادی خوبی عرصے سے کھو چکے ہیں، ہمارے ہاں معیار یہ رہ گیا ہے کہ اگر کسی من پسند شخصیت نے کوئی بات کر دی ہے تو اس کو صحیح، درست اور مبنی بر صداقت قرار دینے کے لیے ہم کتاب و سنت کے مفہوم و مطلب کو بھی بگاڑ دینے سے نہیں چوکتے۔ اس کے بر عکس جسے ہم پسند نہیں کرتے (خیال رہے کہ ہماری پسند و ناپسند کا بھی کوئی ایک معیار نہیں ہے) اس کی خوبی بھی ہمیں عیب نظر آتی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس مرض کا شکار زیادہ تر علماء کا طبقہ ہے جس طبقے کو اس معاملے میں سب سے زیادہ معقولیت کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا وہ خود اس کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جو رات دن دوسروں کو شخصیت پرستی کا الزام دیتے ہیں وہ خود اس کے سب سے زیادہ گرفتار ہیں۔

راقم السطور نے دینی تعلیم زیادہ تر دیوبندی مکتب فکر کے مدارس میں حاصل کی ہے، دوران تعلیم رات دن جو کچھ ہمیں بتایا جاتا تھا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب ایک میلاد خواں قسم کے نیم خواندہ مولوی تھے جنہوں نے دنیا بھر کی بدعات کو جائز قرار دے دیا۔ اور مشرکانہ عقائد کا دروازہ کھول

دیا۔ گویا بر صغیر کے مسلمانوں میں اعتقادی و عملی لحاظ سے جو گمراہی اور خامی پائی جاتی ہے اس کے ذمہ دار فاضل بریلوی ہی ہیں، لطف یہ کہ طفل مکتب سے لے کر ذمہ دار اور نامور علماء کی زبان تک سے ایک ہی بات سننے میں آتی تھی۔ بچپن میں ذہن ہر چیز کا گہرا تاثر لیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ راقم کو کئی برس تک فاضل بریلوی کی کتابیں پڑھنے یا ان کے بارے میں کچھ جاننے کا خیال نہ آیا بلکہ طبیعت میں ان کے نام سے ایک قسم کی اجنبیت اور بیگانگی رہی۔ یہاں تک کہ مدارس میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں اعلیٰ تعلیم کی خاطر پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔ اے کی کلاس میں باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے شامل ہوا۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ ہمارے قدیم مدارس میں صرف و نحو یا منطق و معانی کی جو تعلیم دی جاتی ہے یونیورسٹی یا جدید کالجز اس سے محروم ہیں مگر میں اس حقیقت کا برملا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یونیورسٹی یا کالجز میں ایک ذہین طالب علم کو آزادیٔ فکر، معقولیت، بلندیٔ خیال اور جدید دنیا کی فکر و سوچ کے زاویوں سے جو آگاہی نصیب ہوتی ہے ہمارے قدیم مدارس کے طلبہ کو ان کی ہوا بھی نہیں لگتی، یہی وجہ ہے کہ عمر کا خاصا حصہ صرف کرنے اور سینکڑوں کتابیں ازبر کر لینے کے باوجود عام طور پر ہمارے قدیم مدارس کے طلبہ میں حکیمانہ ژرف نگاہی اور مجتہدانہ غور و فکر کا فقدان ہوتا ہے۔ ان کا علم اور فکر وقت کی رفتار سے بہت پیچھے ہے۔ ان میں مطابقت پیدا کرنا ان حالات میں ناممکن ہے۔

گزشتہ تیس سالوں میں ان مدارس کی کارکردگی مایوس کن حد تک گر گئی ہے۔ ہمیں صرف مساجد کے لیے ائمہ اور خطباء کی ہی ضرورت نہیں، ہمیں تو ایسے جید اور بالغ نظر علماء کی ضرورت ہے جو وقت کے تقاضوں اور مسائل سے گھری ہوئی دنیا کو اسلام کی حقیقی انقلابی روح کی روشنی عطا کریں، یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران راقم کو جدید دنیا کے علماء اور سکالرز سے ملنے اور وسیع کتب خانے دیکھنے کی سہولتیں میسر آگئیں۔ علماء اور مفکرین کی صحبت میں بیٹھنے اور مطالعے کے شوق و لگن کا جذبہ خاندانی طور پر وراثت میں ملا تھا، حسن اتفاق سے اس دوران حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری ایسی جامع الصفات شخصیت کی رفاقت بھی میسر آگئی۔ حکیم صاحب ایسے

لوگ روز، روز پیدا نہیں ہوتے۔ قدرت نے ان کے پیکر میں علم و فضل، خلوص و محبت ، معارف پروری، دوست نوازی، چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور انہیں بڑا بنانے کی جو خوبیاں ودیعت فرمائی ہیں وہ بہت کم ایک شخصیت میں جمع ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سادگی، درویش منشی اور شریعت و سنت کی پابندی نے ان کی زندگی میں حسن پیدا کر دیا ہے۔ لاہور میں آپ کا مطب مختلف الخیال علماء، فضلاء، شعراء اور سکالرز کا بڑا مرکز ہے۔

آپ نے مجھے مشورہ دیا کہ میں ایم۔ اے میں اپنا مقالہ مکاتب دیوبند و بریلی کے اختلافات کے موضوع پر لکھوں۔ چنانچہ میں نے اسی عنوان پر اپنا تحقیقی مقالہ لکھا جو ایم اے کے ایک پرچے کے طور پر پیش ہوا اور اسلامک بورڈ آف سٹڈیز نے اسے پسند کیا۔ اس تحقیقی مقالے کے دوران مجھے فاضل بریلوی اور ان کے مخالفین کو تفصیل سے پڑھنے کا موقع ملا۔ برصغیر کی اس مظلوم اور ستمِ تاریخ عبقری شخصیت کو جونہی میں نے خود ان کی سینکڑوں تصانیف کی روشنی میں پڑھنا شروع کیا مجھے یہ موضوع انتہائی دلچسپ معلوم ہوا۔ جہاں فاضل بریلوی کے خلاف شرک و بدعت کے الزامات بے سروپا افسانے معلوم ہوئے وہاں یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی کہ فاضل بریلوی اپنے علمی قد و قامت میں اپنے تمام معاصرین اور مخالفین سے کہیں بلند و بالا ہیں، وہ علم کا ایک ایسا سمندر ہیں جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ مسائل کی جو تحقیق و تدقیق اور باریک بینی اور لطافت ہمیں ان کے ہاں ملتی ہے وہ دور دور تک نظر نہیں آتی، مختلف اور متنوع علوم و فنون میں حیرت انگیز ماہرانہ صلاحیت جس طرح ان کی ذات میں جمع ہو گئی تھی وہ محض فضل ایزدی ہے، تفسیر و حدیث، فقہ، منطق، معانی اور کلام وغیرہا میں مہارت ہمارے قدیم علماء کا طرۂ امتیاز رہی ہے مگر جفر، نجوم، ریاضی، ہیئت، تاریخ، شعر و شاعری ایسے علوم سے انہیں زیادہ دلچسپی نہیں رہی لیکن فاضل بریلوی ہر علم میں تجدیدی مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔ اس کے باوصف انہیں جس طرح متعارف کرایا جا رہا ہے وہ ان کی شخصیت کے ساتھ تاریخی ناانصافی کے مترادف ہے۔ قارئین کو حیرت ہو گی کہ ان کے اس تعارف میں بیگانوں کے ساتھ ساتھ اپنے بھی برابر کے شریک

ہیں، وہ نئی نسل کو ان کی شخصیت، علم و فضل اور خدمات کا کماحقہ تعارف کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ دوسری طرف علم و فضل میں بھی وہ پورے طور پر ان کی جانشینی کا حق ادا نہیں کر سکے۔

یہ درست ہے کہ فاضل بریلوی آج بھی برصغیر کی غالب مسلم اکثریت کے پیشوا ہیں مگر اس میں ان کے عقیدتمندوں سے زیادہ خود ان کی ذات کی کشش اور خدمات کا دخل ہے۔ مخالفین نے ان کے خلاف بدنامی کی مہم اس لئے چلائی کہ وہ اصل مسئلے سے عوام کی توجہ ہٹانا چاہتے تھے، فاضل بریلوی نے آنحضور ﷺ کی ذات گرامی سے متعلق جن عبارات پر گرفت کی تھی وہ اس قدر صحیح، جائز اور درست تھی کہ اس کا جواب آج تک ہو سکا اور نہ ہو سکتا ہے، فاضل بریلوی کو نظر انداز کر کے برصغیر میں مسلم اتحاد کا خواب کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ ضرورت ہے کہ ان کے موقف پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیا جائے۔ ہم نے اس کتاب میں ان کا وکیل صفائی بننے کی بجائے صرف حقیقت حال کی طرف ملک کے پڑھے لکھے طبقے کو توجہ دلانے کی کوشش کی ہے۔ فاضل بریلوی نہ کسی بدعت کے مجوز و مؤید ہیں اور نہ کسی غیر شرعی امر کے قائل۔ ہم نے ان کی سینکڑوں کتابوں سے ایسے تمام امور کی نشاندہی کی ہے جن کے بارے میں بدعت کا شائبہ ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم مسلک اہل سنت سے گریز یا فرار کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ فاضل بریلوی کا مسلک کتاب و سنت پر مبنی اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں بالکل بے غبار ہے۔ وہ ایک سچے عاشق رسول، متبع سنت، بالغ نظر عالم دین اور نامور فقیہ تھے۔

اس کے ساتھ میں ملک کے پڑھے لکھے طبقے سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کے مندرجات کو پڑھیں اور ملک کی اکثریت کے اس مقتداء کے بارے میں اپنے نظریات کا جائزہ لیں اور عند اللہ یہ فیصلہ کریں کہ اگر ان خیالات کا حامل بھی بدعتی ہے تو پھر صحیح مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ اس کتاب سے میرا مقصد یہ ہے کہ امت مسلمہ اسلام اور ہادی اسلام ﷺ کو نقطہ اتحاد قرار دے کر اتفاق و اتحاد کی طرف قدم بڑھائے۔ ہم نے تفصیلی مسائل اور عالمانہ بحثوں سے اجتناب کیا ہے تاکہ عام آدمی بھی

اس کتاب کے مضامین سے فائدہ اٹھا سکے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ملت اسلامیہ کے اتفاق واتحاد کے سلسلے میں ایک حقیر کوشش کے طور پر منظور و مقبول فرمائے۔

ناشکر گزاری ہوگی اگر میں اس موقع پر اپنے خصوصی احباب جناب میاں زبیر احمد صاحب علوی گنج بخشی قادری ضیائی اور جناب صاحبزادہ میاں محمد سلیم حماد صاحب سجادہ نشینان حضرت داتا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کروں جن کا تعاون اس کتاب کی تکمیل میں مجھے برابر حاصل رہا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

سید محمد فاروق القادری
آستانہ عالیہ شاہ آباد شریف گڑھی اختیار خاں
بہاول پور۔۔۔ ۵ مارچ ۱۹۸۱ء

آئینۂ احوال

ہمارے ہاں ایک عرصے سے ہر شعبۂ حیات میں کچھ درجہ بندیاں قائم ہیں۔ کس نے قائم کی ہیں اور کس لئے قائم کی ہیں؟ اس تحقیق میں پڑنے کی روایت ہی موجود نہیں۔ نہ صرف عوام بلکہ اچھے اچھے پڑھے لکھے حضرات بھی اپنے طور پر کچھ تعینات دل و دماغ میں پہلے سے اتار لیتے ہیں۔ پھر ان کی حفاظت کے لئے ہر وقت وہ عقلی و نقلی استدلالات کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔ یہ جاننے کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کی جاتی کہ پہلے اپنے ذہن میں خیال یا نظریے کی صحت و عدم صحت کو اچھی طرح پرکھ لیا جائے۔ ہماری اس تمہید کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس مسئلے پر غور کیجئے جو ایک نزاع مسلسل کی صورت اختیار کر چکا ہے اور وہ ہے دین سے متعلق پائے جانے والے اختلافات کی خلیج، ہماری کوشش ہے کہ ہر شخص، شخصیت پرستی یا دھڑہ بندی کے دام ہمرنگ زمین سے اپنے آپ کو آزاد کر کے عقل و خرد اور حقائق کی روشنی میں حق و صداقت کی تلاش کرے اور کسی چیز کے لہ و ما علیہ کو جانے بغیر اس کے بارے میں کوئی سا فتویٰ صادر نہ کرے۔

بر صغیر میں دیوبندیت و بریلویت کے نام پر باہمی اختلافات کو ہوا دے کر جس بہت بڑی قد آور علمی شخصیت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کو ان کی راست دینی و علمی خدمات کے باوصف موجد و مؤید بدعات قرار دے کر اڑانے کی کوشش جاری ہے، یہ صریح علمی و تاریخی نا انصافی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ فاضل بریلوی کے معتقدات و نظریات کو ان کی سینکڑوں تصانیف پر پھیلی ہوئی تحریروں میں سے نکال کر ابنائے ملت کے سامنے رکھ دیں اور انہیں دعوت دیں کہ وہ آگے بڑھ کر ان نظریات و

ومعتقدات کو شریعت مطہرہ کے کڑے اصولوں کی کسوٹی پر پرکھیں۔

جن لوگوں نے اختلافات کی خلیج کو صرف اس لیے وسیع کیا کہ ان کے کسی بزرگ یا استاد نے اس کی بسم اللہ کی تھی ان کے پیش نظر کبھی بھی اسلام کی صداقتیں اور اصول وفروع نہیں رہے۔ اسلام کا منبع بریلی ہے نہ دیوبند، ہمیں دیکھنا تو یہ ہے کہ کس نے کہاں تک اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دین کو پھیلانے اور اس پر عمل کرنے میں جدوجہد کی۔ ہم نے فاضل بریلوی کے معتقدات ونظریات سے معمور عرصۂ قرطاس پیش کر دیا ہے۔ قارئین اپنی صوابدید سے اس کے ایک ایک لفظ کو شریعت کے پیمانے سے ماپتے چلے جائیں، اگر کہیں بھی انہیں کتاب وسنت کے حدود سے باہر ان کی کوئی تحریر دکھائی دے تو برملا کہہ دیں کہ انہوں نے بدعت پھیلائی اور اگر ایسی بات نہیں ہے تو پھر علمی دیانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دھڑے بندیوں کے طلسم سے نکل کر یہ اعلان کریں کہ انہیں جو کچھ بتایا جاتا رہا وہ تحقیق و مطالعہ کے بغیر فقط تعصب کی رو میں بہہ کر ایک شخصیت کے سحر انگیز اثر کو ختم کرنے کے لیے کہا جاتا رہا۔ جہاں تک دین اسلام کا تعلق ہے اس کے اصول وفروع واضح ہیں۔

آج کی دنیا پر ایک نگاہ ڈالئے! طرح طرح کے نظام رائج ہیں، بظاہر ہر نظام نسانیت کے روحانی وجسمانی دکھوں کا مداوا کرنے کا داعی ہے اور یہ تمام نظام ایک عرصۂ دراز سے رائج ہیں۔ نتائج پر نظر ڈالیے تو تمام کا بھرم کھلتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے زیر اثر افراد بحیثیت مجموعی ان سے غیر مطمئن دکھائی دیتے ہیں، استحصال کو ختم کرتے کرتے سب استحصالی ہو گئے، اور انسانیت کی آنکھ میں پھر کسی واضح، مکمل اور جسم وروح کے تمام تقاضے پورے کرنے والے نظام زندگی کے انتظار کا رنگ جھلک رہا ہے کوئی اور قوم مانے نہ مانے مگر ہم مسلمانوں کا پختہ عقیدہ ہے کہ وہ نظام کامل جس کا انتظار ہے اسلام ہے اور یہ ہماری کوتاہی ہے کہ چودہ سو برس میں ہم نے ایک آدھ بار کے بعد پھر سے صدق دل سے متحد ہو کر اس آفاقی وعالمگیر نظامِ انسانیت کو نافذ کر کے چشم انسانیت کا انتظار ختم نہیں کیا، یہ تو نہیں ہوا البتہ ہم نے یہ ضرور کیا کہ اگر اپنے ہی بھائی بندوں میں سے کسی کا قامت نکلتا ہوا دکھائی دیا تو اس پر آری رکھ دی تاکہ تفرقہ پھیلے

اور اسلام اپنے نفاذ کے لئے متبحر اور باعمل عظیم علماء کے وجود سے محروم ہو جائے، ہم نے رجال کو حق پر پرکھنے کی بجائے حق کو رجال پر پرکھنے کا غیر معقول طریقہ اختیار کر رکھا ہے، تقلید جامد، اندھی عقیدت اور تعصب کی فضا نے حقائق سے ہماری آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ ہمارا معیار حق صرف اپنے کسی استاد یا شیخ کا فرمودہ بن کر رہ گیا ہے۔ دوسری طرف یہ المیہ ہے کہ عرصۂ دراز سے ہمیں دین کے کچھ لفظوں اور اصطلاحوں سے بیزار کر دیا گیا ہے اور ہم ہیں کہ آنکھیں بند کر کے اس پر عمل پیرا ہیں۔ مثلاً فتویٰ، مولوی، ملا، پیر اور کئی دوسرے دینی الفاظ زیادہ نام نہاد جدت پسند تو لفظ اللہ، رسول، مسجد اور قرآن سے بیزاری کو بھی فیشن کا حصہ سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی بدکردار شخص کسی دینی لقب، لفظ یا اصطلاح کا غلاف اوڑھ لے تو کیا ہمارے پاس قرآن و سنت کا معیار موجود نہیں ہے کہ ہم اس کو بے نقاب کر کے اصل و نقل میں تمیز کر سکیں۔ اس طرح سے ہم اپنے لئے اور اپنے دین کے لیے تو کچھ نہیں کر رہے بلکہ خود ان لوگوں اور طرز ہائے زندگی کے لئے راستہ ہموار کر رہے ہیں جن کے آتے ہی نہ ہم رہیں گے اور نہ دین کی کوئی بات۔

اس کے ساتھ ساتھ کچھ علماء کا اپنا رویہ بعض حالات میں سراسر غیر علمی اور غیر منصفانہ نظر آتا ہے مثلاً وہ اپنے علاوہ کسی اور انسان کے فکر اور نظریے کو سننے کے روادار نہیں ہوتے اور ہر انسانی سوچ کو ضائع کر دینے میں مستعدی دکھاتے ہیں، دوسروں کی اچھی بات کو بھی اچھا نہ کہنا آخر کہاں کی دانشمندی ہے، اسلام تو اچھائی کی تلاش مسلسل کا دین ہے۔ ہر دانش مندی اور بھری ہماری ہی متاع گم گشتہ ہے۔

اتحاد اور اختلاف دو متضاد چیزیں ہیں۔ اگر اختلاف رہے تو اتحاد ناممکن اور اتحاد رہے تو اختلاف کا وجود معدوم لیکن خیال رہے کہ مذہب کے ہر معاملے میں اتحاد، اتحاد کی تبلیغ صرف اسی صورت میں روا رکھی جا سکتی ہے جب کہ مذہب کو ہندومت یا ویدانت کی طرح ہر قسم کے خیالات و نظریات کا مجموعہ اور ملغوبہ تسلیم کر لیا جائے۔ اس کے برعکس اگر اس کے کچھ اٹل اور غیر متبدل اصول ہیں تو ان کے بارے میں نرمی یا رعایت اتحاد و اتفاق نہیں، بلکہ مداہنت اور اپنے نظریات و عقائد سے عدم اخلاص کا

نتیجہ ہے، مذہبی معاملات میں اختلافات کا نام سن کر چیں جبیں ہونے والے حضرات مہذب دنیا کے سیاسی، عمرانی، اقتصادی اور فنی باہم دگر مخالف و متضاد نظریات باہم دگر دست و گریباں اقوام سے کیوں آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ آخر یہ برائی انہیں صرف مذہبی دنیا ہی میں کیوں کھٹکتی ہے؟ ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ دین میں نفرت، تعصب اور درشتی کا کوئی دخل نہیں لیکن اختلافات کا پیدا نہ ہونا یہ ایک ایسا غیر فطری مطالبہ ہے جسے عملی دنیا میں کروڑوں انسانوں کے لیے ایک لمحے کے لیے بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں! ان اختلافات کو اپنی حدود میں رکھتے ہوئے وسیع بنیادوں پر اتحاد و اتفاق کا پلیٹ فارم مہیا کیا جائے۔

فاضل بریلوی کے احوال و واقعات زندگی اور آپ کی تصانیف پر تحقیقی نظر کے بعد جب ہم ان کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والی تحریروں سے گزرے ہیں تو خدا شاہد ہے کہ بحیثیت طالب علم کے ہمارے دل و دماغ کو شدید صدمہ پہنچا، بر صغیر کا ایک ایسا عالم دین جس نے علوم دینیہ پر سینکڑوں مبسوط اور محققانہ تصانیف کا ذخیرہ ملت اسلامیہ کو عطا فرمایا جس کی زندگی عشق رسول ﷺ، توحید حق اور اتباع سنت کا پیکر تھی کیونکر اس بدنامی کا مستحق ٹھہرا۔

قارئین حقیقت پسندی سے اس کتاب کا مطالعہ کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ غلطی کیا ہے؟ اور وہ کہاں ہے؟ ہم دور نہیں جاتے اپنے ہی ارد گرد میں رہتے ہوئے اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اکثر لوگ جب بھی کسی کو اپنے مسلک کی شخصیت یا مکتب فکر کا مخالف دیکھتے ہیں تو فوراً اٹھ لے کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ یہ معلوم کرنے کی قطعاً کوشش نہیں کرتے کہ اس مخالفت کے اسباب کیا ہیں اور کیا واقعی ان کی گنجائش تو موجود نہیں ہے؟ اس سے بھی عجیب تر بات یہ کہ ایک عمل جسے برا سمجھتے ہوئے دوسروں پر الزام تراشی اور انہیں مطعون کرنے کا سلسلہ جاری ہو اگر اتفاق سے اپنے ہاں نکل آئے تو اس کے لئے سینکڑوں تاویلات اور محمل نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس کتاب میں آپ کو کئی ایسے شواہد ملیں گے کہ فاضل بریلوی پر بدعت و شرک کی جو چارج شیٹ عائد کی گئی ہے اس سے کئی بڑے بڑے ایسے شیوخ اپنا دامن کسی

طرح صاف نہیں کر سکتے جو ان مخالفین کا قبلہ عقیدت ہیں۔

اتفاق سے افتراق کی طرف

بر صغیر میں اختلافات کا آغاز ان عبارات سے ہوا جن کا تعلق براہ راست آنحضور ﷺ کی ذات گرامی سے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عبارات انتہائی گستاخانہ اور کسی اعتبار سے بھی بارگاہِ نبوی کے شایان شان نہیں۔ یہ انتہائی نازک، سنگین اور خطرناک مسئلہ تھا، مسلمانوں کی ملی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ وہ چاہے اور سب کچھ گوارا کرلیں مگر اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں بے ادبی اور گستاخی برداشت کرنا ان کے بس سے باہر ہے۔

اعتقادیات و اعمال کے بارے میں معمولی نوعیت کے اختلافات پہلے موجود تھے مگر وہ نہ تو اصولی تھے اور نہ ہی ملت اسلامیہ میں ان سے فرقہ بندی پیدا ہوئی تھی۔ البتہ عبارات کا مسئلہ اصولی تھا، ممتاز عالم دین علامہ سید احمد سعید کاظمی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "دیوبندی حضرات اور اہل سنت کے درمیان بنیادی اختلافات کا موجب علمائے دیوبند کی صرف وہ عبارات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں کھلی توہین کی گئی ہے"۔ (الحق المبین : ص ۱۲، م ملتان)

اسی موقف کی تائید میں مولانا منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ فیصلہ کن مناظرہ میں لکھتے ہیں :

> "شاید بہت سے لوگ ناواقفی سے یہ سمجھتے ہیں کہ میلاد، قیام، عرس، قوالی، فاتحہ، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں برسی وغیرہ رسوم کے جائز و ناجائز اور بدعت وغیر بدعت ہونے کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں جو نظریاتی اختلاف ہے یہی دراصل دیوبندی اور بریلوی اختلاف ہے مگر یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ مسلمانوں کے درمیان ان

مسائل میں یہ اختلاف تو اس وقت سے جب کہ دیوبند کا مدرسہ قائم نہ ہوا تھا اور مولوی احمد رضا خاں صاحب پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے ان مسائل کو دیوبندی بریلوی اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔ علاوہ ازیں ان مسائل کی حیثیت کسی فریق کے نزدیک بھی ایسی نہیں کہ ان کے ماننے نہ ماننے کی وجہ سے کسی کو کافر یا اہل سنت سے خارج کیا جا سکے"۔ ۱

عجیب اتفاق ہے کہ ان عبارات کا دور تقریباً ایک ہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے مقام و منصب کے بارے میں باقاعدہ ایک تحریک چلائی گئی۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے ان حضرات کے پیش نظر مسئلہ توحید کا نکھار ہو مگر یہ کیسی توحید تھی جو عظمت و تقدیس رسالت کے کھنڈروں پر قائم کی جا رہی تھی، تقویۃ الایمان کی گستاخانہ عبارات اور اثر ابن عباس کا مسئلہ وہ نقطۂ آغاز ہے جس سے جمہور مسلمانوں کے دل بھڑک اٹھے، تقویۃ الایمان کی اس عبارت :۔

"اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی جن و فرشتہ جبریل و محمد پیدا کر ڈالے"۔ ۲

سے امکان یا امتناع النظیر کا مشہور مسئلہ پیدا ہوا اور امام معقولات علامہ فضل حق خیر آبادی کو اس کے رد میں معروف کتاب "امتناع النظیر" لکھنی پڑی۔

اقوام عالم میں مسلمانوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ سے عشق و محبت کی نسبت ان کی ایک ایک ادا پر مر مٹنے کے جذبے اور انہیں فطری محبوب کا درجہ دینے کی جو یادگار تاریخ چھوڑی ہے اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔ بلاشبہ اس کی بنیادیں قرآن مجید نے فراہم کی ہیں، ارشاد ہوتا ہے :۔

یایها الذین امنوا لاترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي ولاتجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض أن تحبط أعمالكم و أنتم لاتشعرون۔ الحجرات

---

۱ : فیصلہ کن مناظرہ، دارالاشاعت ، فیصل آباد، ص۔ ٦

۲ : تقویۃ الایمان : ص ۲۱، مطبوعہ علمی کتب خانہ، لاہور

اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی (ﷺ) کی آواز پر اور نہ ان سے بہت زور کے ساتھ بات کرو جیسے تم ایک دوسرے سے آپس میں بولا کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب کچھ اکارت جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

إن الذين يغضون أصواتهم عند رسول الله أولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوىٰ لهم مغفرة و أجر كريم. الحجرات

بے شک جو لوگ اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے نزدیک وہ ایسے لوگ ہیں جن کے دل کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے، ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

اور ایک اور آیت میں فرمایا:۔

إن الذين ينادونك من وراء الحجرات أكثرهم لايعقلون☆ و لو أنهم صبروا حتى تخرج إليهم لكان خيرا لهم والله غفور رحيم۔ الحجرات

بے شک جو لوگ آپ کے رہنے کے حجروں سے باہر پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں، اگر یہ لوگ اتنا صبر کرتے کہ آپ خود حجروں سے نکل کر ان کی طرف آتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا، اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

مزید ارشاد فرمایا:

یایھاالذین امنو لاتقولوا راعنا و قولوا انظرنا واسمعوا و للکفرین عذاب أليم. البقرة

اے ایمان والو! تم نبی کریم (ﷺ) کے ساتھ رَاعِنَا کہہ کر خطاب نہ کیا کرو بلکہ اُنظرنا کہا کرو اور دھیان لگا کر سنتے رہا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ان آیات میں بارگاہ رسالت کے آداب، طرز تخاطب اور الفاظ کے استعمال کے بارے میں جو ہدایات دی گئی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ علمائے امت، صلحائے ملت اور عاشقان جمال نبوی اس مقام پر پہنچ کر ہمیشہ اپنے آپ کو بے بس درماندہ، مفلس اور تہی دامن

محسوس کر کے مقام محمدی کی آفاقیت کا اعتراف کرتے رہے، حضرت سعدی فرماتے ہیں :۔

ندانم کدا مین سخن گوئمت　که بالا تری ز انچه من گوئمت
چه وصفت کند سعدی نا تمام　علیک الصلوٰة اے نبی و السلام

عزت بخاری کس خوبصورت انداز میں اس مقام کی رفعت کا احساس دلاتے ہیں :

ادب گاه ہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کرده مے آید جنید و با یزید ایں جا

غالب نے یہی بات ذرا مختلف پیرائے میں کہی ۔

غالب ثنائے خواجه به یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبه دان محمد است

اس بات پر تمام علمائے امت متفق ہیں کہ سید الانبیاء ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی اور توہین کفر ہے ٹھیک اسی طرح اس بات پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ توہین یا گستاخی کے صریح الفاظ میں کسی طرح کی تاویل جائز نہیں۔ جناب سید انور شاہ کاشمیری کا بیان ہے کہ :۔

"و قد ذکر العلماء أن التهور فی عرض الأنبياء و إن لم يقصد السب كفر".

"علماء نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں جرأت و دلیری کفر ہے اگر چہ توہین مقصود نہ ہو"۔[1]

رہی یہ بات کہ کیا چیز توہین ہے اور کیا نہیں ہے ؟ سو یہ اتنا اہم مسئلہ نہیں ہے۔ ہر زبان کے روزمرے اور محاورے کی روشنی اور سیاق کلام سے الفاظ کا مفہوم آسانی سے متعین کیا جا سکتا ہے اگر دور از کار تاویلات کا سہارا نہ لیا جائے تو اس کا فیصلہ متعلقہ زبان کا معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی آسانی سے کر سکتا ہے۔

1: الحق المبین : ۱۷

توہین رسول ﷺ

میں قائل کی نیت کا اعتبار نہیں

عام طور پر سادہ لوح حضرات کا ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ گو عبارات میں توہین پائی جاتی ہے مگر اس کے قائل کی نیت یقیناً توہین کی نہیں ہوگی۔ اس سلسلے میں گزارش ہے کہ آنحضور ﷺ کی ذات گرامی سے متعلق اس قاعدے کو ایک لمحے کے لیے بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ بارگاہ نبوت کے بارے میں آداب گفتگو کی براہ راست تعلیم اور اس کی باریکیوں اور نزاکتوں کو ہر حال میں ملحوظ خاطر رکھنے کی تاکید کا منشاء یہی ہے کہ بارگاہ قدس میں لب کھولنے سے پہلے الفاظ کی بے مائیگی، حروف کی درماندگی اور نظم عبارت کی بے چارگی کا اچھی طرح جائزہ لے لیا جائے۔ صحابۂ کرام رَاعِنَا کا لفظ تعظیم کی نیت سے ادا کرتے تھے مگر جس وقت یہودیوں نے اسے معمولی تصرف سے توہین کی نیت سے استعمال کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو بھی یہ لفظ بولنے سے منع کر دیا، معلوم ہوا کہ لفظ کے بولنے میں نیت یا ارادے کا کوئی دخل نہیں۔ اگر کوئی لفظ توہین آمیز معنی یا مفہوم کی طرف مشعر ہے تو وہ لفظ توہین ہی ہے۔

آنحضور ﷺ کی ذات مقدسہ کے بارے میں توہین آمیز عبارات سے سارا مسئلہ پیدا ہوا، علمائے اہل سنت نے ایسی عبارتیں واپس لینے یا مناسب الفاظ میں بدلنے پر زور دیا۔ تو دوسری طرف سے معقولیت کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا گیا اور ان عبارات کو اپنے اساتذہ کی عزت و وقار کا مسئلہ بنا لیا گیا۔ ظاہر بات ہے کہ آنحضور ﷺ کے مقام و منصب کے مقابلے میں کسی اور کی کیا حیثیت ہے؟ مگر ملت

اسلامیہ میں فرقہ بندی گوارا کرلی گئی اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نقصانات جو اب ایک صدی پر پھیل گئے ہیں برداشت کر لیے گئے۔ مناظرہ بازی، گالی گلوچ اور فضول لٹریچر کی طباعت پر کروڑوں روپے کے قومی ضیاع پر کبھی اظہار افسوس تک کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ اس صورت حال سے برصغیر میں اسلامی مفاد کو جو نقصان پہنچا اسے ہضم کرلیا گیا۔ مگر چند علماء کی قلمی لغزشوں کو قبول کر لینے کی ہمت نہ ہو سکی، دارالعلوم کے بڑے شیخ الحدیث سے طفل مکتب تک آج بھی ہر شخص کی زبان سے آسانی سے سنا جا سکتا ہے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ کا خیال (نعوذ باللہ! نعوذ باللہ) اپنے ۔۔۔ خیال سے زیادہ برا ہے کے بارے میں ہمارے اکابرین درست اور صحیح تھے، جہاں تقلید جامد اور شخصیت پرستی اتنی مضبوط جڑیں پکڑ چکی ہوں وہاں کسی خوشگوار اسلامی انقلاب کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔

آج اندھی عقیدت اور رسم پرستی کے بارے میں خانقاہوں سے وابستہ جاہل افراد کو طعنے دینے والے روشن خیال حضرات کو گھر کی اس پیر پرستی، استاذ پرستی جو صنم پرستی کی حد تک پہنچ چکی ہے کا شہتیر نظر کیوں نہیں آتا؟ مسئلہ تکفیر کے بارے میں فاضل بریلوی کو جس طرح بدنام کیا گیا ہے وہ اصل مسئلے سے توجہ ہٹانے کا کامیاب حربہ ہے (اس کی تفصیل اگلے باب میں آرہی ہے) اگر آج یہ مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی کے بارے میں علامہ اقبال کے اشعار ارمغان حجاز سے نکال دیئے جائیں تو ملک کی بہت بڑی اکثریت کا یہ مطالبہ کیوں نہیں مانا جا سکتا کہ *تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، براہین قاطعہ، حفظ الایمان، تحذیر الناس، بلغۃ الحیران* وغیرہ کی دلخراش عبارتیں حذف کر دی جائیں یا انہیں مناسب الفاظ میں تبدیل کر دیا جائے۔ جب فاضل بریلوی کے ہم خیال جید علماء بار بار اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ دیوبند و بریلی کا اصل تنازعہ یہی عبارات ہیں انہیں حل کر دینے سے مسائل کافی حد تک سدھر جائیں گے۔ میرے علم کے مطابق غالباً ۱۹۶۳ء میں نامور عالم دین علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اس سلسلے میں خاصی پیش رفت کی تھی، انہوں نے ملک کے مقتدر اور جید علمائے کرام کے پاس ذاتی خط لکھ کر اس مسئلے کا قابل عمل حل پیش کیا تھا اور انہیں دعوت دی

تھی کہ وہ آگے بڑھیں اور معیار ومدار صرف آنحضور ﷺ کی ذات گرامی کو قرار دیتے ہوئے شخصیات کے دائروں سے نکل آئیں۔ مگر افسوس کہ چند ایک کے سوا کسی نے ان کی بات نہ سنی۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ برصغیر کی غالب اکثریت نے ان عبارات کو توہین آمیز اور گستاخانہ سمجھا ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے فاضل بریلوی کی گرفت اور تنقید کو اپنے دل کی آواز سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کی غالب اکثریت آج بھی فاضل بریلوی کو اپنا مقتدا اور دینی رہبر سمجھتی ہے، جوش سے زیادہ ہوش کی ضرورت ہے اگرچہ فاضل بریلوی کا تدریسی اور عقیدت کا حلقہ بھی خاصا وسیع ہے مگر انہیں جس چیز نے لازوال شہرت، دائمی عزت اور قبولیت عامہ کا درجہ عطا کیا ہے وہ ہے ان کا وہ مضبوط موقف جو انہوں نے رسالت، اس کی عظمتوں اور مسلمان کے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ سے نازک ولطیف رشتے کی حفاظت کے لیے اختیار کیا، ضرورت ہے کہ ان کے مؤقف کو ٹھنڈے دل سے سمجھا جائے اور ان کی مجبوری اور ذمہ داری کا احساس کیا جائے۔ تکفیر کے معاملے میں وہ حد درجہ محتاط تھے۔ مسئلہ تکفیر کے بارے میں علامہ سید احمد سعید کاظمی رقم طراز ہیں:

> "مسئلہ تکفیر میں ہمارا مسلک ہمیشہ یہی رہا ہے کہ جو شخص بھی کلمہ کفر بول کر اپنے قول و فعل سے التزام کفر کرے گا تو ہم اس کی تکفیر میں تامل نہیں کریں گے خواہ وہ دیوبندی ہو یا بریلوی، لیگی ہو یا کانگرسی، نیچری ہو یا ندوی، اس بارے میں اپنے پرائے کا امتیاز کرنا اہل حق کا شیوہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک لیگی نے کلمۂ کفر بولا تو ساری لیگ کافر ہو گئی یا ایک ندوی نے التزام کفر کیا تو معاذ اللہ سارے ندوی مرتد ہو گئے، ہم تو بعض دیوبندیوں کی عباراتِ کفریہ کی بنا پر ہر ساکن دیوبند کو بھی کافر نہیں کہتے چہ جائیکہ تمام لیگی اور سارے ندوی کافر ہوں۔ ہم اور ہمارے اکابر نے بارہا اعلان کیا کہ ہم کسی دیوبند اور لکھنؤ والے کو کافر نہیں کہتے، ہمارے نزدیک صرف وہی لوگ کافر ہیں جنہوں نے معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ و محبوبان ایزدی کی شان میں صریح گستاخیاں کیں

اور باوجود تنبیہ شدید کے انہوں نے اپنی گستاخیوں سے توبہ نہیں کی، نیز وہ لوگ جو ان گستاخیوں پر مطلع ہو کر اور ان کے صریح مفہوم کو جان کر ان گستاخیوں کو حق سمجھتے ہیں اور گستاخیاں کرنے والوں کو مومن اہل حق اپنا مقتدا مانتے ہیں اور بس ان کے علاوہ ہم نے کسی مدعی اسلام کی تکفیر نہیں کی، ایسے لوگ جن کی ہم نے تکفیر کی ہے اگر ان کو ٹٹولا جائے تو وہ بہت قلیل تعداد اور محدود افراد ہیں۔ ان کے علاوہ نہ کوئی دیوبند کا رہنے والا کافر اور نہ بریلی کا، نہ لیگی نہ ندوی، ہم سب مسلمانوں کو مسلمان سمجھتے ہیں"۔[1]

فاضل بریلوی کے تاریخی کردار کو سبوتاژ کرنے کے لیے ان کے خلاف منفی پروپیگنڈہ اس شدت سے کیا گیا کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگا، بدنامی اور کردار کشی کی اس مہم میں سر فہرست یہ الزام رکھا گیا کہ وہ بدعات کے مؤید و مجوز ہیں، افسوس! کہ فاضل بریلوی کے کھاتے میں الزام بھی ایسا ڈالا گیا جس میں ذرہ برابر صداقت نہیں ۔

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

اس سلسلے میں ہم نے فاضل بریلوی کی سینکڑوں تصانیف میں سے امور بدعت سے متعلق ان کی آراء اور فتوے جمع کر دیئے ہیں، اس وقت عام طور پر صوفیاء کا خانقاہی نظام بدعت کے لیے بدنام ہے مگر بحمد اللہ اس سچے عالم دین اور دیدہ ور متبع سنت مفکر کا قلم کسی رو رعایت کے بغیر شریعت و سنت کی نگرانی اور چوکیداری کے فرائض پورے طنطنے سے ادا کرتا رہا ہے۔ ویسے یہ بدعت کا معاملہ بھی عجیب ہے، مخالفین کے پاس یہ ایک ایسا لباس ہے جو مخالفین کے ہر عمل چاہے وہ کتنی نیک نیتی، خلوص دل اور شرعی بنیادوں پر ہو رہا ہو پر توفٹ آجاتا ہے مگر اپنے معمولات، پیری مریدی، کشف و کرامات اور رسوم و رواج قطعاً اس کی ذیل میں نہیں آتے، آسمان دنیا کے نیچے بدعت کی کوئی ایسی تعریف کی ہی نہیں جا سکتی جس سے مدارس کی بلند و بالا عمارتیں، ان پر کروڑوں کے اخراجات، سالانہ جلسے، ان کی تزئین و آرائش، ان کے لیے چھ چھ ماہ پہلے

---

[1] الحق المبین: ۲۴-۲۵

وقت مقرر کرنا، خوبصورت لٹریچر چھاپنا وغیرہ تو عین سنت اور مقتضائے توحید قرار پائے مگر میلاد مصطفیٰ ﷺ، جلسہ سیرت النبی ﷺ اور ذکر شہادت حسین ایسی محافل بدعت قرار پائیں۔

بدعت : لغت میں بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں دین میں ایسی چیز پیدا کرنا جس کی اصل دین میں نہ پائی جائے بدعت ہے، یعنی ہر وہ چیز جو کسی دلیل شرعی کے معارض ہو بدعت شرعیہ ہے، بدعت کی یہ ایک ایسی جامع تعریف ہے جس کے ذریعے ہم تمام اعتراضات سے بچ سکتے ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے رسالے "سنت و بدعت" میں الطریقة المحمدیة اور الاعتصام سے بدعت کی تعریف نقل کی ہے :۔

> "ہر ایسے نو ایجاد طریقہ عبادت کو بدعت کہتے ہیں جو زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو نہ فعلاً، نہ صراحتاً نہ اشارتاً"۔ (سنت و بدعت : ص ١١، ادارہ المعارف، کراچی)

مگر یہ تعریف بھی جامع نہیں ہے۔ زمانہ کی برق رفتاری نے دین متین کے لیے کام کرنے کے داعیے اور تقاضے بالکل مختلف انداز میں پیدا کر دیے ہیں، اگر بدعت کی مذکورہ بالا تعریف درست مان لی جائے تو رواں دواں انسانی گاڑی قدم قدم پر بدعت کے بریکوں کا شکار ہو گی۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ رواں انسانی زندگی اور مذہب کے درمیان فاصلہ تیزی سے بڑھنا شروع ہو جائے گا۔ جن ممالک میں مذہب کی رجعت پسندانہ تشریح پر زور دیا جا رہا ہے یا جہاں صرف الفاظ کے گورکھ دھندے پر ہی گرم ہیں وہاں مذہب کی گرفت خود بخود ڈھیلی ہوتی جا رہی ہے۔ ہمارے جن علماء نے بدعت کی یہ تعریف کی ہے کہ ہر وہ کام جو زمانہ رسول اللہ ﷺ میں نہ ہو۔ (مرقاة: ج ١: ص ٧٠١) انہوں نے غیر شعوری طور پر انسانی زندگی کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ مسلمان کی پوری زندگی رضائے الٰہی کے تابع اور عبادت خداوندی کی تصویر ہے، اس کا کوئی فعل و عمل اس کے عالمگیر نظریۂ حیات سے باہر نہیں۔ بدعت کی اس تشریح کی روشنی میں وہ کس طرح

اپنے آپ کو جدید معاشرے میں ضم کر سکے گا۔ شریعت ہمارے بعض علماء کے ہاں موم کی ایک ایسی بتی ہے جسے وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہیں موڑ لیں۔ جناب مفتی محمد شفیع صاحب رقم طراز ہیں کہ :۔

"جس کام کی ضرورت عہد رسالت میں موجود نہ تھی بعد میں کسی دینی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پیدا ہو گئی وہ بھی بدعت میں داخل نہیں۔ جیسے مروجہ مدارس اسلامیہ وغیرہ"۔

دیکھا آپ نے! ایک بدعت کیونکر عین سنت بن گئی؟ صرف اس لیے کہ علماء نے اسے جائز قرار دے دیا تو کیا خیال ہے جناب مفتی صاحب کا ان بزرگانِ اسلاف اور نیک نیت متقی حضرات کے بارے میں جن کا علم و فضل یقیناً ہم لوگوں سے بہتر تھا کہ اگر انہوں نے آنحضور ﷺ کی ذات گرامی سے محبت اور نسبت کاملہ کے حصول کے لیے میلاد کی محفلیں قائم کیں یا کسی ولی اللہ کے عقیدت مندوں کے ملنے احتسابِ نفس، تجدید بیعت اور تعلیم و تعلم کی خاطر عرس کی مجالس قائم کر دیں یا تزکیۂ نفس اور رذائل باطنی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خاطر خانقاہی نظام کے کچھ اصول مرتب کر دیئے تو یہ سب کچھ بدعت کیسے ہو گیا؟ فرق صرف اپنے پرائے کا ہے ورنہ بات تو ایک ہی ہے۔ اگر یہ سب کچھ شرک وبدعت ہے تو پھر اس حمام میں سب ننگے ہیں، ایک عجیب بات اس سلسلے میں یہ کہی جاتی ہے کہ تاریخ مقرر نہ کی جائے اور اس پر یوں زور دیا جاتا ہے گویا قرآن کی اصل تعلیم یہی ہے۔ اس معروف زندگی میں جہاں انسان کا ایک ایک سیکنڈ قیمتی اور طے شدہ پروگرام کے مطابق ہے۔ انسان مشین بن کر رہ گیا ہے اس کی زندگی کا کوئی کام وقت مقرر کے بغیر ایک لمحے کے لیے نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف اپنے جلسے جلوس، میٹنگیں اور شادی بیاہ کے لیے دھڑا دھڑ اخبارات، پوسٹروں، ریڈیو، ٹیلی ویژن پر تاریخ کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟ رہی بات یہ کہ کسی کا خیال ہے کہ یہ عرس یا محفل صرف اسی تاریخ کو ہی ہو سکتی ہے دوسری تاریخوں میں نہیں ہو سکتی سو ایسا خیال کسی کا بھی نہیں، یہ ایجاد بندہ گرچہ گندہ والی بات ہے، درود و سلام کھڑے ہو کر پڑھنے کی پابندی، ایصال ثواب کے لیے مختلف اور مخصوص سورتیں

پڑھنے کی پابندی، نماز باجماعت کے بعد کئی کئی بار دعا مانگنے کی پابندی، تیجہ، چہلم وغیرہ کی پابندی وغیرہ، یہ ساری باتیں مفروضے ہیں کوئی شخص بھی ان پابندیوں کا قائل نہیں ہے اور نہ کسی کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر انہیں اسی طرح سے نہ کیا گیا تو ادا نہ ہوں گی۔

بدعت سے متعلق اسی غلط اور جاہلانہ تصور کی تردید کے لیے ہمارے نامور فقہاء کو بدعت کی تقسیم کرنا پڑی۔ فقہ کی معروف کتاب ردالمحتار (شامی) کا بیان ہے:

(أی صاحب بدعة) أی محرمة و إلا فقد تكون واجبة كنصب الأدلة للرد على أهل الفرق الضالة وتعلم النحو المفهم للكتاب و السنة، و مندوبة كإحداث نحو رباط و مدرسة و كل إحسان لم يكن في الصدر الأول، ومكروهة كزخرفة المساجد، ومباحة كالتوسع بلذيذ المأكل و المشارب.

"بدعت ناجائز ہوگی اور کبھی وہ واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقوں پر رد کے لیے دلائل قائم کرنا اور قرآن وحدیث سمجھنے کے لیے علم نحو سیکھنا اور کبھی بدعت مستحب ہوتی ہے جیسے مدرسوں اور مسافر خانوں کی تعمیر اور ہر وہ نیک کام جو ابتدائی دور اسلام میں نہ تھا اور بدعت کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے مساجد کو مزین و منقش کرنا اور بدعت کبھی مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے پینے وغیرہ"۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بدعت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

بعض بدعتہا است کہ واجب است چنانچہ تعلیم و تعلم نحو و صرف کہ بداں معرفت آیات و احادیث حاصل گردد و حفظ غرائب کتاب و سنت و دیگر چیزہائیکہ حفظ دین و ملت براں موقوف بود و بعض مستحسن و مستحب مثل بنائے رباطہا و درسہا، بعض مکروہ مانند نقش و نگار کردن مساجد و مصاحف بقول بعض، و بعض مباح مثل فراخی در طعامہائے لذیذہ و لباسہائے فاخرہ، بشر طیکہ حلال باشند و باعث طغیان و تکبر و مفاخرت نشوند، و مباحات دیگر کہ در زماں آنحضرت ﷺ نبودند چنانچہ بیری و غربال و مانند آں، و بعض حرام چنانکہ مذاہب اہل بدع و ہوا بر خلاف سنت و جماعت و آنچہ خلفائے راشدین کردہ

باشند اگرچہ بآں معنی کہ درزماں آنحضرت ﷺ نبودہ بدعت است، ولیکن از قسم بدعت حسنہ خواہد بود بلکہ، در حقیقت سنت است زیراکہ آنحضرت ﷺ فرمودہ است بر شماباد کہ لازم گیرید سنت مراو سنت خلفائے راشدین"۔ ا

"بعض بدعتیں واجب ہیں جیسے کہ نحو وصرف کا سیکھنا تاکہ اس سے آیات و احادیث کے مفہوم و مطالب کی معرفت حاصل ہو اور قرآن و سنت کے علوم محفوظ ہوں اور دوسری وہ چیزیں بھی محفوظ ہوں جن پر دین وملت کی حفاظت کا دار و مدار ہے، اور بعض بدعتیں مستحب و مستحسن ہیں جیسے سرائے اور مدارس کی تعمیر، اور بعض مکروہ ہیں جیسے بعض کے نزدیک مساجد اور قرآن مجید نقش و نگار، اور بعض مباح ہیں جیسے۔۔۔ اچھے اچھے کھانوں کا شوق بشر طیکہ حلال ہوں اور غرور و نخوت کا باعث نہ ہوں اور دوسری مباح چیزیں جو آنحضور ﷺ کے زمانے میں نہ تھیں جیسے چھلنی وغیرہ، اور بعض بدعتیں حرام ہیں جیسے اہل سنت وجماعت کے خلاف نئے عقیدوں اور نفسانی خواہشات والوں کے مذہب۔ اور جو چیزیں خلفائے راشدین نے کی ہیں۔ اگرچہ وہ اس معنی میں بدعت ہیں کہ آنحضور ﷺ کے زمانے میں نہ تھیں لیکن بدعت حسنہ کے اقسام میں سے ہیں بلکہ در حقیقت سنت ہیں کیونکہ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو"۔

بدعت کے بارے میں امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالی عنہ کے مسلک حقہ کو عموماً غلط رنگ دینے کی کوشش کی جاتی ہے، اس کی وضاحت کے لیے ہم آپ کے خانوادۂ عالیہ کے ایک جلیل القدر عالم دین اور نامور بزرگ شیخ الشیوخ حضرت محمد حسن جان مجددی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی تحریر سے اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے بدعت کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے مسلک کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں :

ا : اشعۃ اللمعات : ج ۱، ص ۱۱۷، م نولکشور

"جاننا چاہیے کہ بدعت لغت میں ہر اس نوپید چیز کو کہتے ہیں جس کی کوئی نظیر پہلے نہ ہو، اسی کو باری تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: **بدیع السموات والأرض** ۔اور شرع میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو امور دین میں نوپیدا کردہ ہو یعنی جس کا وجود حضور ﷺ کے زمانہ مبارک میں نہ ہو اور وہ سنت کی مخالف اور معارض ہو، سنت کے مخالف یا معارض ہونے کی قید ہم نے اس لیے لگائی ہے کہ آنحضور ﷺ کے زمانے کے بعد اتنے نئے امور پیدا ہوئے ہیں اور وہ اس زمانے میں بھی اور اس سے پہلے بھی اس قدر عام اور شائع ہو گئے ہیں کہ ان سے نہ مقلد بچ سکتا ہے اور نہ غیر مقلد، یہاں تک کہ خیر القرون کا آخری حصہ بھی ان امور کی زد سے نہ بچ سکا جس پر تاریخ کی کتابیں شاہد ہیں...... حاصل کلام یہ کہ مراد بدعت سے حدیث میں وہ بدعت ہے جس کو سیئہ (بری) کہا جاتا ہے اور جو سنت کے مخالف اور مقابل ہے، لیکن وہ نوپید امور جو سنت کے معارض اور مقابل نہیں وہ مباحاتِ شرعیہ میں داخل ہیں، اس لیے کہ ہمارے مذہب میں سب اشیاء در اصل مباح ہیں (حرمت بعد نص شارع سے ثابت ہوتی ہے۔)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں "**کل بدعة ضلالة**" کا لفظ آیا ہے۔ یعنی ہر بدعت گمراہی ہے مگر ہم نے بعض بدعات کو مباحات قرار دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد لفظِ کلُ فرمانے سے یہ نہیں کہ یہ سب اقسام بدعت کے مطلقاً حسنہ ہو یا سیئہ سب ضلالت اور گمراہی ہیں بلکہ لفظِ کل سے مراد ہے کہ بدعت سیئہ کے سارے اقسام جو سنت سے ٹکر کھائیں اور مخالف ہوں گمراہی ہیں۔ اس بات پر حضور ﷺ ہی کا وہ قول دلیل ہے جو صحاح میں وارد ہو چکا ہے کہ:

"میری سنت کو اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو میرے بعد ہیں اپنے اوپر لازم پکڑو"۔

خلفائے راشدین کی سنت عین سنت النبی ﷺ تو ہو ہی نہیں سکتی اس لیے کہ عطف مغائرت چاہتا ہے۔ تو اگر کل کا لفظ علی الاطلاق لیا جائے تو سنت خلفائے راشدین کے اتباع کا کوئی موقع نہیں رہتا اور حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے اس قول کا کہ بیس تراویح بڑی اچھی بدعت ہے۔ کوئی محل نہیں نکلتا۔ علماء کرام کہتے ہیں کہ بدعت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ بعض ان میں سے تو اس زمانے میں واجب ہیں۔ مثلاً علوم کی اشاعت کرنا، مدرسے اور مسافر خانے بنانا وغیرہ۔ اور بعض سنت حسنہ ہیں جیسے بیس رکعت تراویح پڑھنا اور حکومت کے لیے دفتر اور کچہریاں بنانا اور مساجد کو منقش پتھروں اور ساگوان کی لکڑی سے تعمیر کرنا اور قرآن مجید کو مصحف میں جمع کرنا اور باغیوں سے جنگ کرنا وغیرہ۔ اور بعض بدعتیں مستحب یا مباح ہیں جیسے آج کل کے زمانے کے اکثر اوضاع اور رسوم، پس مشائخ کے اطوار و اذکار مرتبہ اور مراقبات موقتہ اس بدعتِ حسنہ میں داخل ہیں جن کو نامور اور جید علمائے کرام نے قبول کیا ہے اور ان کو اچھا سمجھا ہے اور لوگوں کو ان باتوں کی ترغیب دی ہے اور ان کاموں میں خود مصروف رہے ہیں اور نہ صرف یہ کہ وہ ان امور کو بدعت نہیں سمجھتے بلکہ اس پر رضامند ہی نہیں کہ ان امور پر بدعت کا لفظ استعمال کیا جائے، جیسا کہ ہمارے مرشد اعظم امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا مشرب ہے"۔ا

اس ساری تمہید سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ بدعت کی جو بھی کڑی سے کڑی تعریف مقرر کی جائے فاضل بریلوی کا دامن اس سے ہر طرح صاف ہے وہ اس کے مؤید ہیں نہ مجوز۔ رہی یہ بات کہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا یکسر لحاظ کیے بغیر ہر چیز کو بدعت کہہ کر رد کر دینے سے جو نقصان خود دینی مفاد کو پہنچے گا اس کے مضمرات کا اچھی طرح اندازہ لگا لینا چاہیے۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ ہم بدعت و شرک کے پیمانے ہی الگ مقرر کر لیں۔ فاضل بریلوی اور ان کے ہم خیال علماء و فقراء بدعت کی مخالفت کریں، بدعات کے خلاف کتابیں لکھیں، علانیہ بدعتوں سے بیزاری کا اظہار کریں، تب بھی وہ بدعتی ٹھہریں اور ہم اپنے اساتذہ اور بزرگوں کی ہر بدعت کو مشرف بہ سنت

ا: طریق النجات: ص ۸۵-۸۷، م مکتبہ ایشیق، استنبول، ترکی

کرتے جائیں۔ یوں اپنے اندر بدعتوں کے جہاں آباد کرنے کے باوجود بھی رہیں پکے موحد! تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

فاضلِ بریلوی کوئی معمولی پڑھے لکھے انسان نہیں تھے، ان کا شمار ملت اسلامیہ کے ان چند اعاظم رجال میں ہے جنہوں نے غیر معمولی ذہانت، عبقریت، بے شمار علوم میں مہارت اور گراں قدر اسلامی خدمات کی بدولت اپنی الگ تاریخ بنائی۔ ان کے فکر و فلسفے کا محور اتنا رفیع، پاکیزہ اور عظیم ہے جس کی مثال نہیں ملتی، اور وہ ہے شاہکار قوت و حیات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی لافانی عظمتوں کی تقدیس اور مسلمانانِ عالم کو ان کی محبت اور عشق کی نسبت کی لڑی میں منسلک کرنے کی تحریک۔ کیا کوئی دانشور اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ دنیا میں پھیلی ہوئی مختلف رنگوں، نسلوں اور زبانوں پر مشتمل مسلمان قوم کے لیے اس ذاتِ گرامی کے سوا اور کوئی مرکزِ ثقل یا کعبہ انجذاب ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں ہو سکتا تو پھر یقیناً وہ تحریک بہت ہی عظیم ہے اور اس کو برپا کرنے والے ملت اسلامیہ کے محسن ہیں جو مسلمانانِ عالم کو اس لبدی، لطیف اور نازک رشتے کے آداب اور حفظ و رعایت کا درس دینے کے لیے اٹھے ہیں۔

برِ صغیر میں انگریزی سامراج کے تسلط کے بعد خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں مکار انگریز دینی دنیاوی تعلیم میں تفریق کے ذریعے اس نازک رشتے اور والہانہ تعلق کو کمزور کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے جو در حقیقت مسلم قوم کی متاعِ حیات ہے کہ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے فاضل بریلوی ایسی جامع الصفات شخصیت کو اس جذبے اور متاع کی حفاظت کے لیے مامور فرمایا، ان کے خلاف قسم قسم کی بہتان طرازیاں کی گئیں، غلط باتیں منسوب کی گئیں مگر وہ اللہ کا بندہ بلا خوف لومۃ لائم اپنی راہ پر چلتا رہا تا آنکہ اس نے برِ صغیر کی غالب مسلم اکثریت کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا۔

پس چہ باید کرد

یوں تو اتحاد و اتفاق کی افادیت سے کسی دور میں بھی انکار نہیں کیا جا سکتا مگر ملتِ اسلام کو اس دور میں جس قدر اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے شاید اس سے پہلے

کبھی نہیں ہوئی۔ حمد اللہ! دنیائے اسلام میں اسلامی اقدار کے احیاء کی جو تحریک اٹھی ہے وہ انتہائی خوش آئند اور نتیجہ خیز ہے۔ اس سے مسلمان قوم اور ممالک میں اتحاد و اتفاق کا راستہ خود بخود ہموار ہو رہا ہے۔ ہر مسلمان کی دلی خواہش اور دعا ہے کہ دنیا کے ۸۰ کروڑ مسلمان "و اعتصموا بحبل اللہ جمیعا" کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی شیرازہ بندی کریں اور معاشی و معاشرتی گمبھیر مسائل میں سسکتی ہوئی دنیا کو اسلامی عدل و انصاف، اخوت و مساوات اور خدمت و محنت کے زریں اصولوں کے ذریعے نئی قیادت فراہم کریں مگر سب سے پہلے یہ بات طے ہونی چاہیے کہ ہماری اس عمارت کا بنیادی پتھر کیا ہے اور اگر اس کی حیثیت خود متنازعہ فیہ ہے تو عمارت کی پائیداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے نزدیک اسلامی تحریک کی بنیاد خود آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ قرآن مجید کا نمبر بھی بعد میں آتا ہے۔ یہی وہ مرکز و منبع ہے جس پر ہم مسلمانانِ عالم کو متحد کر کے اسلامی تحریک برپا کر سکتے ہیں، برِ صغیر میں تقویۃ الایمان کی تحریک پر اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے جیسا بشر، بڑا بھائی، عاجز و غیر ہم من الخرافات (نعوذ باللہ) قرار دینے اور سمجھنے کی جو لہر اٹھی اس نے ملت اسلامیہ کے اعصاب کو مضمحل کر کے رکھ دیا۔ ان کی فکری یکجہتی اور مدار عمل کو پریشان کر دیا۔

اگر رسولِ خدا کے مقام اور حیثیت و منصب کو اس بھونڈے انداز سے چیلنج نہ کیا جاتا تو ہمیں برِ صغیر میں منکرین سنت اور قادیانیت ایسی دشمنِ رسول تحریکوں کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔ تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، براہین قاطعہ، بلغۃ الحیران اور تحذیر الناس ایسی کتابوں نے جو پلیٹ فارم تیار کیا اور آنحضور ﷺ کی ذات گرامی کو جس طرح صوفیاء کے آفاقی نظریے، مقام محمدی کی وسعتوں اور عظمتوں سے اتار کر معمولی اور عام بشر کے مقام پر لا کھڑا کیا اس کے نتیجے میں قادیانیت یا انکار سنت کے فتنوں کا ظہور بالکل طبعی اور فطری بات تھی۔ اب اس پر چیخنا چلانا بے سود ہے۔ البتہ ہم صدق دل سے چاہتے ہیں کہ مسلمانانِ عالم بالخصوص ایشیا کے مسلمان اپنے اندرونی اختلافات چھوڑ کر اتفاق و اتحاد اختیار کریں تو ہمیں اس کے لیے لازماً نقطۂ ماسکہ آنحضور ﷺ کی ذاتِ گرامی کو بنانا پڑے گا، ہم دوبارہ ملت اسلامیہ کو عشق رسول ﷺ کے جذبے سے

سرشار کیے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے، ہمارے پاس یہی وہ مضبوط اور ناقابل تسخیر ہتھیار ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی قوم نہیں کر سکتی۔

اس سلسلے میں ہمیں بعض جرأت مندانہ اقدام اٹھانے پڑیں گے، مثلاً مذکورہ بالا کتابوں میں آنحضور ﷺ کی ذات والا تبار سے متعلق موجود عبارات کے بارے میں اختلافات فروعی نہیں ہیں اصولی ہیں، لہذا ایسی تمام عبارتوں کو ان کتابوں سے نکال دیا جائے یا انہیں مناسب الفاظ میں بدل دیا جائے، اگر علمائے دیوبند اپنے طور پر ان عبارتوں کو گستاخانہ نہیں سمجھتے جس کا ان کے پاس کوئی جواز نہیں تو بھی وہ مسلمانوں کی اکثریت کے فیصلے کا احترام کرتے ہوئے ان تمام عبارتوں کو متعلقہ کتابوں سے حذف کر دیں۔ ایک طرف آنحضور ﷺ کی ذاتِ گرامی کا مسئلہ ہے جسے مسلمانوں کی واضح اکثریت مسئلہ بنائے بیٹھی ہے، دوسری طرف چند ایسے علماء کی زبان و قلم کی ساکھ کا مسئلہ ہے جو مکتبِ دیوبند کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اس موقع پر مکتبِ دیوبند کے جید علماء آگے بڑھیں اور اللہ کے حبیب ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ اپنے اساتذہ، شیوخ اور والدین سے زیادہ محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ جرأت مندانہ قدم اٹھائیں، اس سے مفید اور دور رس نتائج نکلیں گے اور امت مسلمہ اس ہولناک کشیدگی سے بچ جائے گی جو اسے درپیش ہے۔

۱۹۷۶ء میں جناب میاں عبدالرشید صاحب کالم نگار "نور بصیرت" روزنامہ "نوائے وقت" جو ایک درد مند دل رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے باہمی انتشار پر ہمیشہ کڑھتے رہتے ہیں، نے نوائے وقت میں ایک مضمون "چند تجاویز" کے عنوان سے لکھا تھا جس میں اسی مسئلے پر اظہار خیال کیا گیا تھا۔ ہم مضمون کی اہمیت اور میاں صاحب ایسے ملت اسلامیہ کے بہی خواہ کے دل کی آواز کی حیثیت سے اسے یہاں نقل کرتے ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں :۔

"نوائے وقت کی ملی اشاعتوں میں "وقت کی پکار" کے عنوان سے پیرزادہ مولانا بہاء الحق قاسمی صاحب کا ایک مضمون تین قسطوں میں شائع ہوا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کے تینوں مکاتب فکر بریلوی،

دیوبندی، اور اہل حدیث کا باہمی اتحاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔ خیال تھا کہ صاحب مضمون اس سلسلے میں کوئی ٹھوس تجاویز پیش کریں گے مگر انہوں نے صرف عدم تکفیر پر زور دیا ہے اور مختلف بزرگوں کی طرف سے رواداری کی تلقین کی مثالیں پیش کرنے پر زور دیا ہے اور بعض مثالیں ایسی بھی دی ہیں جو الٹا دل آزاری کا موجب بنی ہیں، مثلاً قسطِ اول میں اشرف السوانح کے اقتباس نمبر ۲ کے یہ الفاظ "مولوی احمد رضا خاں صاحب (بریلوی) کی بھی (جن کی سخت ترین مخالفت اہل حق سے عموماً اور حضرت والا سے خصوصاً شہرہ آفاق ہے)" حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کو اہل حق کا سخت ترین مخالف بتانا کیا یہ ان کے احترام کی مثال ہے؟ اسی طرح تاریخ عجیبہ سے رواداری کے جس واقعہ کا حوالہ دیا گیا ہے کہ "موحدوں نے جمع ہو کر مولوی اسماعیل شہید سے عرض کیا کہ امام عید گاہ بدعتی ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا اچھا نہیں، تب مولانا شہید نے فرمایا" وہ سب باتیں اپنی نفسانیت سے نہیں کہتے" ظاہر ہے کہ امام مذکور دوسرے مکتب فکر سے تعلق رکھتا تھا۔ نماز تو اس کے پیچھے پڑھ لی مگر پہلے اسے بدعتی اور نفسانیت کا پجاری کہہ کر یہ باہمی رواداری کی کوئی اچھی مثال نہیں، راقم کو تینوں مکاتب فکر کے علماء سے قریب دس دس، پندرہ پندرہ، برس گزارنے کا موقع ملا ہے، میں نے اس مسئلے پر بہت غور کیا ہے، میری ناچیز رائے میں مندرجہ ذیل ٹھوس تجاویز تینوں مکاتب فکر کے عوام کو قریب تر لانے میں ممد و معاون ہو سکتی ہیں۔

ا۔ بریلوی حضرات کے لیے مشرک اور بدعتی کے الفاظ کا استعمال یکسر ترک کر دیا جائے، صرف ان سے ملاقات کے ہی وقت نہیں بلکہ اپنی نجی محفلوں میں بھی، کسی مسلمان کو مشرک کہنا بہت بڑی زیادتی ہے۔ شرک تو ظلم عظیم ہے جس کی معافی ہی نہیں اور بدعت وہ چیز ہے جس کی پہلے کوئی مثال یا نظیر نہ ہو ورنہ بقول قاضی ثناء اللہ پانی پتی نہ صرف فقہاء پر بلکہ

تمام عالم پر عافیت تنگ ہو جائے گی، بقول مولانا عبید اللہ سندھی بدعت وہ نئی چیز ہے جس کے نہ کرنے کو گناہ سمجھ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی شان میں **بدیع السموات و الأرض** فرمایا ہے۔ آسمانوں اور زمین کو نیست سے وجود میں لانے والا، اس لیے بدعت وہ ہے جس کا پہلے سرے سے وجود ہی نہ تھا، مثلاً درود شریف کا حکم قرآن پاک میں ہے، حضور ﷺ نے اس کے فضائل ارشاد فرمائے ہیں، بعد میں آنے والے مختلف اصحاب نے مختلف درود شریف لکھ کر اپنی عقیدت کا ثبوت پیش کیا ہے جیسے درود تاج۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ درودِ تاج پڑھنا بدعت ہے تو یہ درست نہ ہو گا۔ اسی طرح آنجناب ﷺ کے دور مبارک میں قرآن پاک کی آیات کی روشنی میں مواعظ کا سلسلہ جاری رہتا تھا مگر قرآن پاک کا اردو ترجمہ نہ ہوتا تھا، قرآن پاک کا باقاعدہ درس دیا جاتا تھا۔ اگر اس بنا پر کوئی یہ کہے کہ نماز کے بعد قرآنِ پاک کا درس جیسے آج کل بالعموم دیا جاتا ہے یہ بدعت ہے تو کوئی اسے تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہو گا۔

۲۔ جس کتاب میں بھی حضور ﷺ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کے فقرے ہیں انہیں وہاں سے حذف کر دیا جائے اور اس بات کی پرواہ نہ کی جائے کہ اس کا لکھنے والا کون ہے۔ لکھنے والا خواہ کوئی ہو آخر حضور ﷺ کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ اگر یہ مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ علامہ اقبال نے مولانا حسین احمد مدنی کے متعلق جو تین اشعار لکھے ہیں انہیں ان کے کلام سے نکال دیا جائے تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ شاہ اسماعیل دہلوی اور مولانا اشرف علی تھانوی کی کتابوں سے بھی وہ فقرے نکال دیے جائیں جس سے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کا پہلو نکلتا ہے۔

۳۔ حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکی تمام دیوبند اکابرین کی محترم شخصیت ہیں انہوں نے ایک رسالہ ہفت مسئلہ لکھا ہے اسے بآسانی باہمی اتحاد کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔

۴۔ درود شریف پڑھنا تو فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا حکم دیا ہے، دیوبندی اور اہل حدیث فرض نمازوں کے بعد تین بار بلند آواز سے درود شریف پڑھنا شروع کردیں، یا رسول اللہ والا نہ سہی، اللھم صل علی، والا ہی پڑھ لیں۔ تین ماہ کے اندر اندر تینوں مکاتبِ فکر کے عوام بالکل قریب آجائیں گے۔ علماء کا میں نہیں کہہ سکتا، درود شریف میں ویسے بھی برکت ہے کہ اس سے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نمازِ فرض کے بعد باآواز بلند درود شریف پڑھنے سے بعد میں نماز کے لیے آنے والوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے توحج کے ایام میں فرض نمازوں کے بعد باآواز بلند تکبیریں پڑھنے کی نظیر موجود ہے۔ ویسے بھی اکثر مسجدوں میں فجر کی نماز کے بعد بالعموم لاؤڈ سپیکر پر تقریریں ہوتی ہیں۔ آخر میں، میں یہ عرض کروں گا کہ جو اصحاب خود حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کے مرتکب نہیں ہوئے ان کے بارے میں حسنِ ظن سے کام لینا چاہیے اور ان کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیے۔

راقم الحروف کی اپیل علماء سے زیادہ عوام سے ہے، علماء کے ذہن سالہا سال تک مکتب فکر کے سانچوں میں پڑے رہنے کے باعث متحجر ہو چکے ہیں۔ ان کے لیے دوسروں کا نقطۂ نظر سمجھنا بہت مشکل ہے، البتہ عوام میں سے دینی سوجھ بوجھ رکھنے والا پڑھا لکھا طبقہ چاہے تو ان ٹھوس تجاویز کی روشنی میں تینوں مکاتب فکر کو قریب لا سکتا ہے"۔۱

فاضل بریلوی برِ صغیر کے نامور فقیہ، عبقری عالم دین اور جذبۂ عشق رسول ﷺ کے پاسبان تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ وہ برِ صغیر کی واضح مسلم اکثریت کے مسلمہ پیشوا اور قائد تھے، اس لیے ان کے بارے میں عامیانہ زبان اور سوقیانہ طرز کلام ترک کردیا جائے۔ اختلافات کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان کی عظیم علمی شخصیت کا احترام بھی چھوڑ دیں۔ ان کے متعلق رائے زنی کرنے والے بیشتر علماء کے پاس اتنا علم بھی نہیں جسے وہ

۱: مضمون بعنوان چند تجاویز از میاں عبد الرشید: روزنامہ نوائے وقت ۷ جنوری ۱۹۶۷ء

پیمانہ بناکر فاضل بریلوی کا علم و فضل ماپ سکیں۔ اس کے علاوہ تبلیغ دین کا منفی انداز چھوڑ کر مثبت طریقہ اختیار کیا جائے، شدت، درشتی، بد مزاجی اور کفر و شرک کے فتوؤں کو تبلیغ کی اساس بنانے کی جائے محبت، نرمی ایک دوسرے کے احترام اور آشتی کو مدار تبلیغ بناکر ہم زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر انفرادی یا اجتماعی طور پر کچھ لوگ اور ادارے بعض غیر شرعی امور میں مبتلا ہیں تو ان کی ذمہ داری یا الزام فاضل بریلوی کے کھاتے میں ڈالنے کی جائے انہی لوگوں پر ڈالا جائے جو ایسی باتوں کا ارتکاب کر رہے ہیں، ذمہ دار اور جید سنی علماء کا فرض ہے کہ وہ بھی ایسے لوگوں سے اعلانیہ برأت کا اظہار کریں، ہر مولوی اور خانقاہ نشین علم و فضل میں نہ احمد رضا ہے اور نہ اسے یہ اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ نئے نئے مسائل پیدا کر کے مسلکِ اہل سنت کی بدنامی و سبکی کا باعث بنے، ہر معاملے میں مدار و معیار صرف اور صرف کتاب و سنت کو بنایا جائے، ہر چھوٹی بڑی شخصیت کو اسی واحد کسوٹی پر پرکھا جائے، ہماری گزارش صرف اس قدر ہے کہ فاضل بریلوی اپنے علم و فضل اور عمل و عقیدے کے اعتبار سے کتاب و سنت کے بہت بڑے عاشق، شیدائی اور عامل تھے۔ ہم نہ شخصیت پرست ہیں اور نہ حق کو شخصیات میں منحصر ماننے کے غیر شرعی اصول کے قائل، ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ ہم صرف اس مظلوم اور کشتہ اغیار شخصیت کے بارے میں اہل علم سے انصاف و دیانت کے طلبگار ہیں جس نے پوری زندگی کتاب و سنت کی حفاظت اور نشر و اشاعت میں گزاری۔ ضعیف الاعتقاد، بے عمل متصوفین، جہلاء اور عوام کی کم علمی سے فائدہ اٹھا کر پیری مریدی کی دکانیں چمکانے والے غیر متشرع لوگوں کا سہارا لے کر برِ صغیر کی اس عبقری شخصیت کو بدنام کرنے کا پرانا حربہ اور کاروبار ختم ہونا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

علمی مقام۔ تجدیدی کارنامہ

بڑے لوگوں کے ساتھ یہ حادثہ اکثر گزرا ہے کہ ان کے معتقدین اور متوسلین نے اپنے ممدوح کا تعارف کراتے ہوئے ان کے وقیع کام کو تو چنداں اہمیت نہ دی البتہ ضمنی قسم کے معمولات و مشاغل پر اس قدر زور دیا کہ یہی چیزیں ان کا طرۂ امتیاز بن کر رہ گئیں۔ چنانچہ ہوا یہ کہ ایک تاریخ ساز شخصیت زندگی بھر اپنے ذوق کے مطابق جس کام کو سرمایۂ حیات سمجھتی رہی اور حیات مستعار کا ہر ہر لحہ اس کی تکمیل میں صرف کرتی رہی جب اپنا کام ختم کر کے اس جہاں سے رخصت ہوئی تو یاران سرپل نے اپنی نادانیوں یا غیروں کی ریشہ دوانیوں کے زیر اثر اس کام کو تو پس پشت ڈال دیا مگر وہ باتیں جو ان کی افتادِ طبع سے میل کھاتی تھیں لیکن اس شخصیت کے ہاں محض برسبیل تذکرہ ہی آگئیں تھیں بڑھا چڑھا کر پیش کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شخصیت کے اصل مقام و مرتبے کے تعین میں الجھنیں پیدا ہو گئیں:

یہی حادثہ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ بھی گزرا۔ بقول علامہ اقبال۔

مرا یاراں غزل خوانے شمردند

فاضل بریلوی کو شاعر، منجم یا زیادہ سے زیادہ ایک غصہ ور، فتویٰ باز مولوی کے روپ میں پیش کرنے کی ایسی رسم چلی کہ بس چلی جا رہی ہے۔

اگر فاضل بریلوی کے مخالفین انہیں صرف درشت مزاج عالم اور بات بات پر کفر کے فتوے دینے والے غیر محتاط مفتی کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں تو خود فاضل بریلوی کے معتقدین و متوسلین بھی عجیب الجھن میں گرفتار ہیں۔ وہ آج تک اس بات کا

تعین کرنے میں ناکام رہے ہیں کہ علمی دنیا میں فاضل بریلوی کا اصل مقام و مرتبہ کیا ہے ؟ بنیادی طور پر وہ کیا ہیں ؟ یہ ضروری نہیں کہ ایک شخص صرف ایک ہی خوبی کا مالک ہو، ہمارے بیشتر اسلاف اپنی اپنی ذات میں اداروں کی طرح متنوع علوم و فنون میں حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو گزرے ہیں مگر ہر شخص فطری طور پر کسی مخصوص کام کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ اس کام کی انجام دہی کے لیے قدرت اس کے دل و دماغ میں پوری فیاضی سے وہ صلاحیتیں ودیعت کرتی ہے جو اس کام کے لیے ضروی ہوتی ہیں۔ اس فطری استعداد اور جوہر کے علاوہ اس میں بے شمار دوسری خوبیاں اور کمالات ہوتے ہیں مگر ان کی حیثیت ثانوی ہوا کرتی ہے۔ دنیا کی ان گنت ضروریات، حاجات اور تقاضوں کو پورا کرنے اور انہیں خوبی چلانے کے لیے یہ تقسیم ضروری ہے، گویا یہ ایک ایسا فطری سسٹم ہے جو نظامِ عالم میں ازل سے کار فرما ہے ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند

ہم یہ بات مانتے ہیں کہ کچھ لوگوں میں قدرت متنوع کمالات اور گوناں گوں فضائل اس فیاضی سے ودیعت کرتی ہے کہ ایک عام آدمی کے ولئے ان میں تمیز کرنا یا کسی خوبی اور کمال کو دوسری خوبی پر ترجیح دینا بہت مشکل ہو جاتا ہے اگرچہ ایسے لوگ خال خال ہوتے ہیں تاہم وہ قاعدہ پھر بھی اپنی جگہ مسلم اور ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ایسی شخصیات کا اصل میدان ایک ہی ہوتا ہے۔

بلاشبہ فاضل بریلوی کا شمار ملت اسلامیہ کے انہی اعاظم رجال میں ہوتا ہے جو مختلف اور متنوع کمالات اور فضائل میں حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو گزرے ہیں، اگر فاضل بریلوی کی شخصیت کو مجموعی طور پر دیکھنے کی جائے کسی ایک حیثیت میں دیکھا جائے تو وہ یقیناً اس حیثیت کے اعتبار سے سرفہرست نظر آتے ہیں، تاہم ان کے اصل میدان، کام اور مقام کا تعین کرنا چنداں دشوار نہیں۔ ہمارے نزدیک جب تک کسی شخصیت کے اصل علمی کارنامے اور اس کے بنیادی میدان کا تعین نہ کیا جائے اس کی زندگی اور کارنامے کو سمجھنا بے حد دشوار ہے۔

یوں تو اسلام علم و فن کے ہر شعبے کی حوصلہ افزائی اور اس کی تعمیر و ترقی کا داعی

ہے لیکن ایسے علوم کی نسبتاً وہ زیادہ آبیاری کرتا ہے جن کا تعلق انسان کے فکر و عمل سے ہے۔ چونکہ فکر و عمل کے اثرات انسان کی اجتماعی و انفرادی زندگی پر بہت گہرے ہوتے ہیں اور وہ انسانی زندگی کے باقی گوشوں پر پوری طرح محیط ہیں، اس لیے اسلام ایسے علوم کو بطور خاص اہمیت دیتا ہے۔ اسلامی علوم میں فقہ ایک ایسا علم ہے جس کا تعلق انسانی زندگی کے ہر زاویے سے ہے۔ تمدنی زندگی کی بڑھتی ہوئی رفتار میں نو پیش آمدہ مسائل اور ان کا حل جدید دنیا میں انسانی زندگی کی راہوں کا تعین، ایسے بنیادی مسائل ہیں جن کا تعلق فقہ سے ہے۔

آج مفتی فقیہ اور فقہ کے الفاظ سے ہمارے ذہنوں میں جو تصور ابھرتا ہے وہ ان الفاظ کے اصل معنی اور مفہوم کی انتہائی بگڑی ہوئی، مسخ شدہ اور بھونڈی صورت ہے۔ ان الفاظ کا یہ توہین آمیز اور انتہائی معمولی درجہ برصغیر میں انگریز بہادر کا مرہون منت ہے۔ آج اعلیٰ عدالتوں کے چیف جسٹس یا جسٹس کے الفاظ سے ہمارے اذہان میں جو پروقار تصور ابھرتا ہے اسلامی سوسائٹی میں فقیہ، مفتی اور قاضی کے الفاظ میں بعینہ وہی اعزاز، وقار اور رعب موجود ہے صرف الفاظ ہی میں نہیں بلکہ واقع میں یہ الفاظ اپنے معنی سمیت اسلامی سوسائٹی میں وہی مقام رکھتے ہیں جو اس سوسائٹی میں ججوں کے لیے موجود ہے۔

قانون کی تشریح کرنا، اصولوں کی روشنی میں قانون بنانا، قانون پر عمل کرانا، زندگی سے متعلق تمام مسائل کے بارے میں عدل و انصاف کو قائم رکھنا، عدل و انصاف کے نفاذ کے لیے عملی تدابیر اختیار کرنا اور ممکنہ اقدامات اٹھانا، یہ ایسے بنیادی امور ہیں جو کسی بھی معاشرے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلامی سوسائٹی میں یہ امور انہی لوگوں کے سپرد ہیں جنہیں ہم آج مفتی، فقیہ اور قاضی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ہمیں یہ بات تسلیم ہے کہ ان الفاظ کے حاملین میں سے اکثر لوگوں میں ان ذمہ داریوں کو نبھانے یا مطلوبہ معیار علم و فضل پر پورا اترنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ مگر خیال رہے کہ یہ سب کچھ انگریز بہادر کے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوا ہے۔

چونکہ عملی طور پر یہ لوگ میدان میں نہیں ہیں اس لیے انحطاط اور تنزل ایک فطری امر ہے۔ تاریخی عمل کو دیکھا جائے تو آج مفتی، فقیہ اور قاضی کے نام سے یہی جو لوگ نظر آتے ہیں یہ بھی نہیں ہونے چاہئیں تھے۔ اور یہی سوچ کر انگریز نے انہیں عضو معطل بنادیا، مگر صد آفرین ہے اس قوم پر کہ اپنا جلیل الشان منصب چھن جانے کے باوجود وہ روکھی سوکھی کھا کر ابھی تک دینی فریضے کے طور پر ان ذمہ داریوں کو بدستور نبھا رہی ہے اور اس نے انگریز کی اسکیم کو بالکل فیل کر دیا ہے۔ اب یہ تو فرض تھا مسلمان قوم کا کہ وہ انگریزی سامراج کے تسلط سے نجات حاصل کرنے کے بعد اپنے فکر و عقیدے کے مطابق ان لوگوں کو یہ عظیم الشان منصب سپرد کرتی جو اسلامی اصولوں کی روشنی میں اس کے لیے راہیں متعین کرتے۔

اس منصب کے لیے مطلوبہ قابلیت کے لوگوں کا فقدان ہے۔ کلی طور پر ہمیں یہ بات تسلیم نہیں ہے۔ اسلام کا یہ معجزہ ہے کہ اس نے اپنے انتہائی انحطاط اور کمزوری کے دور میں بھی ایسے ایسے اعاظم رجال پیدا کیے ہیں جنہوں نے اسلامی شعبہ اجتہاد و قانون کو نئی آب و تاب اور تازگی بخشی ہے۔

ہمارے اس مختصر توضیح کے بعد یہ بات محتاج بیان نہیں رہی کہ ایک فقیہ کی اصل ذمہ داری کیا ہے؟ ظاہر بات ہے کہ جب اس کی ذمہ داری اس قدر عظیم اور وزنی ہے تو اس کے لیے خود کن خصوصیت کا حامل ہونا چاہیے خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔ ایک فقیہ کے لیے گوناں گوں علوم و فنون میں مہارت، اصابت رائے، حریت فکر، وسیع النظری، عمیق فکری، استحضار، قوت استدلال، جدید و قدیم مسائل کے ادراک اور ذاتی طور پر اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہونا ایسی خصوصیات ہیں جن سے کسی صورت میں صرف نظر نہیں کی جاسکتی۔ ایک فقیہ کبھی فقیہ کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک اسے قرآن، حدیث، مختلف مذاہب و مسالک تاریخ، فقہی کام اور اپنے زمانے کے مسائل کا پورے طور پر ادراک نہ ہو۔

قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ نے بنیادیں قائم کر دی ہیں۔ ان کی روشنی میں مجتہدانہ غور و فکر اور بصیرت کے ذریعے مسائل کا قابل عمل حل پیش کرنا معمولی

ذمہ داری نہیں ہے۔

اس پس منظر میں جب ہم دیکھتے ہیں تو فاضل بریلوی وسیع معنی میں ہمیں ایک بلند پایہ فقیہ اور مفتی نظر آتے ہیں جن میں متنوع علوم وفنون میں حیرت انگیز ماہرانہ صلاحیت، تفقہ، تدبر، اصابت رائے اور ذاتی بلند اخلاق وکردار کی شان پوری آب وتاب سے جھلک رہی ہے۔ سب سے پہلے فاضل بریلوی عالم اسلام کے انتہائی قابل قدر اور گرامی منزلت فقیہ ہیں اور اس کے بعد کچھ اور! یہ درست ہے کہ انہوں نے پچاس مختلف علوم وفنون میں سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں۔ یہ بات بھی ناقابل انکار ہے کہ آج فاضل بریلوی کی بیشتر کتابوں کو سمجھنے والے لوگ بھی موجود نہیں ہیں۔ تاہم ان کا علمی کارنامہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق غور وفکر، تحقیق وتجسس اور ناقدانہ اظہار کے بعد اپنی مدلل رائے پر مشتمل وہ ہزارہا صفحات ہیں جنہیں ہم فقہ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔

فاضل بریلوی کی فقہی بصیرت کو اپنے پرائے سبھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اس آخری دور میں جو تحقیق وتدقیق اور گہرائی وگیرائی فاضل بریلوی کے ہاں نظر آتی ہے اس کی نظیر دور دور تک نظر نہیں آتی۔ ان کے ہاں جو علمی طنطنہ وآہنگ آورد کے مقابلے میں آمد اور جوش وخروش نظر آتا ہے، وہ مسلمانوں کے عظیم فقہاء حضرت ''امام ابو حنیفہ''، ''امام شافعی''، ''امام احمد بن حنبل''، اور امام مالک'' کا پرتو اور عکس ہے کہ ؎

آخر باد ل نسبتے دارد

کوئی شک نہیں کہ فاضل بریلوی بلند پایہ مفسر، نامور محدث، معروف ریاضی دان، ماہر علوم جفر ونجوم اور اعلیٰ درجے کے نعت گوشاعر ہیں، مگر ان کی یہ تمام خوبیاں دوسرے نمبر پر آتی ہیں۔ بنیادی طور پر وہ ایک ایسے فقیہ ہیں جنہوں نے زندگی سے متعلق تمام مسائل کے بارے میں اجتہادی شان سے بحثیں اٹھائی ہیں۔ جہاں ان کے قلم سے بعض معاصرین کے خلاف فتوے نکلے ہیں انہیں بھی اسی تناظر میں دیکھا جائے کہ ایک بلند مرتبہ فقیہ اور تجدیدی مقام کا حامل بزرگ افتاء وقضا کی مسند پر فائز ہے اور

وہ لوگوں کی ہمہ جہت اصلاح کے کام میں مشغول ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اعتقادیات یا تقدیس رسالت سے متعلق اہم فروگزاشتوں سے صرف نظر کر لے یا ان سے سرسری طور پر گزر جائے۔ ایک روایتی خطیب اور عالم سے تو یہ بات ممکن ہے لیکن مسندِ افتاء وقضا کے بلند پایہ صدر نشین سے یہ بات کیونکر متوقع ہو سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ان کے مخالفین کو بھی اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ جن عبارات کو انہوں نے گستاخانہ یا کفریہ سمجھا ان پر وہ اگر فتوی جاری نہ کرتے تو یہ شریعت میں اغماض کی ایک ایسی مثال ہوتی جو علمائے حق کی سنت متوارثہ کے سراسر خلاف ہے۔

فاضل بریلوی کا فتاویٰ رضویہ جہازی سائز کی بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہر جلد کئی ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ فقہ اسلامی پر یہ فاضل بریلوی کا ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جو ان کی دقیقہ سنجی، ژرف نگاہی اور بلند علمی مرتبے کی دستاویزی شہادت ہے۔ اس کے علاوہ شامی پر تعلیقات اور دیگر سینکڑوں رسائل اور کتابیں موجود ہیں۔ فاضل بریلوی کے اس کام کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انسائیکلوپیڈیا طرز کی ان عظیم الشان کتابوں کی ترتیب و تسوید شخص واحد کے قلم سے ہوئی ہے۔ ان کی کتابوں میں ہزاروں کتابوں کے حوالہ جات ان پر تنقیدی تعریفی تبصرے اور آخر میں اپنی مدلل جچی تلی رائے ایسا زبردست علمی کارنامہ ہے جو اس دور میں اداروں سے بھی متوقع نہیں ہے۔

فاضل بریلوی کے اس علمی اور فقہی مزاج اور ان کی تربیت کا اثر تھا کہ ان کے تلامذہ نے بہارِ شریعت اور صحیح بہاری ایسی جامع نادر اور بیش بہا تصانیف دنیائے اسلام کے سامنے پیش کیں۔

انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ فاضل بریلوی نے فقہ اسلامی کے جس مہتم بالشان کام کا آغاز کیا تھا ان کے اخلاف اس مشکل پسندی میں ان کا ساتھ نہ دے سکے۔ ظاہر بات ہے یہ کام انتہائی محنت، دقت، ژرف نگاہی، مجتہدانہ بصیرت اور جان کھپا دینے کا متقاضی تھا۔ آسان پسند اخلاف نے فاضل بریلوی کی جذب و محبت میں ڈوبی ہوئی نعتوں کی تو خوب نشر و اشاعت کی مگر ان سے اتنا بھی نہیں ہو سکا کہ وہ صرف فاضل

بریلوی کے تحقیقی کام کو منظر عام پر لے آتے۔ فاضل بریلوی کے علم و فضل کی گردان تو یہ حضرات برابر کرتے رہے مگر نہ ان کے علمی و تحقیقی کام سے دنیا کو روشناس کرا سکے نہ خود ان کے لیے نعم الخلف لنعم السلف ثابت ہو سکے۔ (الا ماشاء اللہ)

وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا، اغیار کے منفی پروپیگنڈے اور مدافعانہ طرز عمل نے فاضل بریلوی کے وقیع علمی کام پر دبیز تہ چڑھا دی اور یوں ان کی شخصیت صرف ایک شاعر اور روایتی مفتی کے معمولی مقام پر لا کھڑی کی گئی۔ وہی فاضل بریلوی جنہیں علامہ اقبال مرحوم ایسے دیدہ ور مفکر نے ہندوستان کا جید، طباع اور ذہین فقیہ قرار دیا تھا اغیار کی ریشہ دوانیوں اور اپنوں کی سہل انگاری کی نذر ہو کر رہ گیا۔

میں اس مقام پر فاضل بریلوی کے علمی جانشینوں اور معتقدین سے یہ گزارش کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ سب سے پہلے فاضل بریلوی کی اصل علمی حیثیت اور مقام کا تعین کریں اس کے بعد اسے بنیاد بنا کر علمی کام کا آغاز کریں۔

اختلافی عبارات اور مسائل پر فاضل بریلوی اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ ان کے بعد بھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اگر فاضل بریلوی کے بعد اس موضوع پر اور کچھ نہ لکھا جائے تب بھی ان کے فتوے، تحریریں، علمی گرفتیں اس وقت تک کافی و شافی ہیں جب تک ان عبارات کا قابل عمل تصفیہ نہیں ہو جاتا۔ راقم السطور کا مشورہ ہے کہ اس موضوع کو جس مدلل طریقے پر خود فاضل بریلوی نے پیش کیا ہے اس سے بہتر ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اب بلاوجہ فاضل بریلوی کے کام پر غیر ضروری اضافے کر کے موضوع کے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس موضوع پر فاضل بریلوی کے کام پر اکتفا کرتے ہوئے دورِ حاضر کے جدید مسائل کا رخ کیا جائے۔ اس وقت جتنی تیزی سے دنیا میں احیائے اسلام کی تحریکیں اٹھ رہی ہیں اسی تیزی کے ساتھ اسلام کو جدید دنیا کے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ان مسائل کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرنا بھی تو آخر جید فقہا ہی کا کام ہے۔ یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ فاضل بریلوی کے زندگی کے اس حصے کو تو ہم لائق اتباع اور قابلِ تقلید قرار دیں جو انہیں ایک دینی فریضے کے طور

پر بامر مجبوری گزارنا پڑا مگر ان کی زندگی کے باقی حصے کو چھو کر بھی نہ دیکھیں جسے در اصل انہوں نے ہمارے لیے نمونے اور مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔

ہمارے نزدیک فاضل بریلوی کا دوسرا بڑا تجدیدی کارنامہ تحریک عشق رسول ﷺ کی تجدید ہے۔ وہ صحیح معنوں میں عاشق سول ﷺ تھے اور انہوں نے پوری زندگی اسی پاکیزہ مشن کی نشر واشاعت میں گزاری۔

ہم کسی انسان کو غلطیوں سے پاک نہیں سمجھتے۔ معصوم صرف انبیائے کرام کی جماعت ہے۔ تاہم یہ دھرتی ان لوگوں سے کبھی خالی نہیں رہی جن کی زندگی میں مجموعی طور پر خیر بھلائی، پاکیزگی اور اسلامی علوم کی نشر واشاعت کی لگن غالب رہی ہے۔ فاضل بریلوی نے اکیس سال کی عمر سے وصال تک پوری زندگی علوم دینیہ کی نشر واشاعت اور دعوتِ عشق رسول ﷺ کے داعی کی حیثیت سے گزاری۔ آپ کی زندگی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پوری زندگی اسی دھن میں گزاری کہ وہ کونسا ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے دعوتِ عشق رسول ﷺ کو دینا میں زیادہ سے زیادہ پھیلایا جاسکتا ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

☆☆☆☆☆☆☆☆

حدیث دل

بر صغیر میں اسلام کی اشاعت کا بیشتر کام مشائخ صوفیاء ہی نے سر انجام دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خطے کے لوگوں کے دلوں میں مشائخ کی والہانہ عقیدت پائی جاتی ہے، اس گروہِ اصفیاء نے عام آدمی کی زندگی اور بود وباش اختیار کر کے اپنی دعوت میں عمومیت پیدا کی، انہوں نے عام آدمی کے دکھ، سکھ، رنج و راحت اور خوشی و غم میں اپنے آپ کو برابر کا حصہ دار بنا کر اور انہی کی زبان میں گفتگو کر کے وہ اثر پیدا کیا جسے صدیوں کے انقلابات بھی دھندلا نہ سکے۔

ان خانقاہوں میں ایک آدمی کو خدا ترس، خدمت گزار، رضا کار اور انسانیت کا حقیقی اور سچا خادم بنانے کی جو تربیت دی جاتی تھی۔ اس نے بعد میں بر صغیر کے تہذیبی و سماجی حالات اور اقدار پر گہرے اثرات ڈالے، یہ ڈھانچہ ایک عرصۂ دراز تک اپنی انہی بنیادوں پر استوار رہا جن پر اسے تعمیر کیا گیا تھا، پھر اس میں آہستہ آہستہ تبدیلیاں رونما ہونے لگیں تو خود اسی طبقے کے اہلِ فکر و نظر بزرگوں نے اس کی اصلاح کی تجدیدی کوششیں کیں۔ یہ مساعی درآمد شدہ نظریات کی بنا پر جارحانہ، تنقیدی اور براہِ راست تصادم کی پالیسی پر مبنی نہ تھیں بلکہ تعمیری اور مثبت انداز کی مصلحانہ کوششیں تھیں جو بڑی حد تک کامیاب ہوئیں، اخیر دور میں حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ساری جد و جہد اسی نوعیت کی ہے، اس دور کے خاتمے پر سہل انگاری، عیش کوشی، تن آسانی اور شریعت و سنت کے بارے میں نسبتاً سرد مہری اور بے پروائی کی فضا عام ہو گئی اور دوسری طرف انگریزی سامراج کی مضبوط گرفت نے صدیوں پرانا مسلمانوں کا تہذیبی ڈھانچہ ہلا کر رکھ دیا بالخصوص دینی و دنیوی تعلیم کی تفریق نے دینی

سر چشموں یعنی خانقاہوں پر ایک ایسے طبقے کو لا بٹھایا، جس کی اکثریت ان بزرگوں کے دینی وروحانی ورثے کی امین تھی اور نہ ان کے علم وفضل کی اور نہ ہی اس میں مسلمانوں کے اس قدیم تہذیبی ڈھانچے کی حفاظت ونگرانی کی صلاحیت واہلیت تھی گویا ۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اس صورت حال سے جو سب سے زیادہ نقصان پہنچا وہ یہ تھا کہ ان مشائخ اور بزرگوں کی تعلیمات، معمولات اور اندازِ تبلیغ وتربیت کا شروع سے جو ایک معمولی سا مخالف گروہ چلا آرہا تھا اور کسی طرح اس کا چراغ نہیں جل رہا تھا، خانقاہی نظام اور اس کے طریقِ کار میں کھل کر مین میخ نکالنے اور اس پر تنقید کرنے لگا، اگرچہ آگے مجبور ہو کر خود اس نے بھی یہی راستہ اختیار کیا مگر اس نے اس صورتِ حال سے اپنے لیے تقویت کا سامان حاصل کرلیا۔

ان چند ایک خرابیوں کی آڑ لے کر جنہیں خود صوفیاء اور مشائخ کرام کے ذمہ دار حلقوں سے بھی کبھی سند تحسین نہیں ملی، زبردست شور مچایا گیا اور غلغلہ برپا کیا گیا، گویا پورا برِ صغیر کفر وشرک کی لپیٹ میں آگیا ہے، معاذ اللہ! خانقاہیں بدعت کدہ بن کر رہ گئی ہیں، ہر قبر کے سامنے سجدے ہو رہے ہیں، طواف ہو رہے ہیں، غیر اللہ کو مستقل حاجت روا سمجھ کر مرادیں مانگی جارہی اور نہ جانے کیا کیا کچھ ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ صرف وقتی فائدہ حاصل کرنے اور فقط اپنے مخالفین کو بدنام کرنے کا ایک حربہ تھا، حقائق سے اس کا کچھ تعلق نہیں، آخری دور میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ اور سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز بلا اختلاف سلف صالحین کے مسلک اور علم وفضل کے امین ووارث تھے، مگر آپ دیکھئے ان حضرات کا وہی مسلک ہے جو شروع سے ہندوستان میں دوسرے تمام مشائخ اور بزرگوں کا رہا ہے، ان حضرات کے ہاں آپ کو شرک وبدعت کا وہ غلغلہ اور ہوا نظر نہیں آئے گا جو صرف تیس چالیس سال بعد آپ کو شاہ محمد اسمٰعیل کے ہاں عام مل جاتا ہے۔ اس تحریک سے در اصل ایک متوازی قیادت ابھارنے کی کوشش کی جارہی تھی تاکہ اس مشن کو ناکام کیا جاسکے جو خانقاہی نظام کے ذریعے برسر میدان ہے۔

زمانۂ رسالت سے بُعد، انگریزی سامراج کی گرفت اور تعلیم و تربیت کی کمی کی وجہ سے یہ نظام کمزور تو پہلے ہی ہو رہا تھا مگر اس سے براہِ راست تصادم اور مڈ بھیڑ کی یہ کوشش اس کے وقار میں خاصی کمی کا باعث بنی، اپنی سیادت کے جنون، قیادت کے شوق اور اجنبی واو پرے نظریات کی نشر و اشاعت کی لگن میں یہ سب کچھ کیا گیا مگر اس سے جو ذہنی طوائف الملوکی اور اعتقادی و عملی لحاظ سے جو انتشار پیدا ہوا اور تبلیغ دین کے مؤثر نہ سہی کمزور ذریعے کو متبادل نظام لائے بغیر ختم کرنے کی کوشش کی گئی، اس کے نقصانات کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا گیا۔ ان چند آدمیوں کے اعداد و شمار سے خوشیوں اور مسرتوں کے جشن منائے گئے، جو ذہناً ہمنوا بن گئے اور اس سے دو چند زیادہ حضرات پر ماتم تو درکنار افسوس تک نہ کیا گیا، جو اس صورتِ حال سے بددل ہو کر خود دینِ اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے اور طرفگی یہ کہ اس کا نام رکھا گیا توحید؛

مشائخ صوفیاء صحیح معنوں میں نباضِ ملت تھے، انہوں نے برّصغیر میں اسلام کی اشاعت کے سلسلے میں جس حکیمانہ ژرف نگاہی اور وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کیا اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھرپور مادی وسائل، ذرائع ابلاغ اور دیگر سہولتوں کے باوصف تبلیغِ اسلام کے میدان میں ہم ان کے عُشرِ عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکے، انہوں نے برّصغیر کی تہذیبی اور سماجی اقدار کو براہِ راست چیلنج کرنے کے بجائے بتدریج تبدیل کیا بلکہ ان میں سے بعض کو خود ذریعہ بنایا، یہی وجہ ہے کہ ان صوفیاء کا پیغام برّصغیر کی غیر مسلم اقوام کے لئے بھی وحشت، نفرت اور اجنبیت کا باعث نہیں ہے بلکہ ایسی تمام اقوام آج بھی ان مشائخ کے ساتھ یک گونہ عقیدت رکھتی ہیں۔

اس خطے میں بے چینی اور ذہنی کرب کی فضا اس وقت سے پیدا ہوئی ہے جب سے یہاں صوفیاء کے پیغام سے الگ، یہاں کے تہذیبی، سماجی حالات کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے دفعۃً اسلام کی ایک نئی تعبیر و تشریح لوگوں کے سامنے پیش کی گئی اور اس پر اصرار کیا گیا کہ اصل دین یہی ہے، اس پر دوسری طرف سے سارے برصغیر کے مشائخ صوفیاء، علماء اور بزرگانِ دین یہاں تک کہ خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے

خاندان کے معمولات، معتقدات اور کردار و عمل کو پیش کیا گیا تو اس کا ایک ہی جواب دیا گیا اور اسے آج تک دہرایا جارہا ہے کہ ہمیں کسی کے قول و فعل سے کچھ واسطہ نہیں، ہم براہِ راست کتاب و سنت پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔

اپنی حد تک بات درست تھی مگر اس کا کیا کیا جائے کہ يضل به كثيرا و يهدي به كثيرا کے مطابق ہر دور میں ہر گمراہ فرقے نے یہی آواز بلند کی ہے، اور آج بھی قادیانی، منکرینِ سنت، تجدد پسند، لباحت پسند بالکل انہی الفاظ میں اپنے عزائمِ مذمومہ پروان چڑھا رہے ہیں، اگر کتاب کو حاملِ کتاب سے الگ کر دیا جائے اور حاملِ کتاب کے اسوۂ حسنہ سے صحابہ کرام اور خیار امت کا تعامل منہا کر دیا جائے تو پھر ہر مسلک و مکتب اور فکر و عقیدے کی گنجائش نکل سکتی ہے اور تمام گمراہ فرقوں نے یہی راستہ اختیار کر کے ہی اپنے عقائد کی بنیادیں استوار کی ہیں اور بھولے بھالے لوگوں کو گمراہ کرنے کے طریقے نکالے ہیں۔ ایک کھلی اور سیدھی بات ہے کہ پہلی صدی ہجری سے بارہویں صدی ہجری کے اواخر تک برصغیر میں اسلام کو کسی نے صحیح سمجھا اور نہ اس پر عمل کیا اور یہ فہم و عمل شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے زیرِ اثر چلنے والی تحریک کے نتیجے میں ظہور میں آیا تو یہ ایک ایسا ہولناک اور جگر پاش فیصلہ ہے جسے کوئی ہوش مند آدمی قبول کرنے کو تیار نہ ہوگا، رہا یہ امر کہ قدیم ہندوستان کے لوگ کس عقیدہ و خیال کے تھے؟ تو اس میں زیادہ تفحص و تجسس کی ضرورت نہیں۔

برصغیر کے مسلم عوام کی غالب اکثریت ان اوپرے نظریات و معمولات کے حامل افراد کو آج بھی اپنا دشمن سمجھتی ہے اور علامت کے طور پر لفظِ "وہابی" ان کے ہاں بطور گالی مستعمل ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تعلیم کی کمی ہے، جہالت ہے وغیرہ وغیرہ۔۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہی جواب الٹا دیا جائے کہ آخر اس قدر جمِ غفیر جس کی اکثریت کے پاس نہ دینی علم ہے اور نہ مطالعہ، کیوں اور کس طرح اپنے ایک مضبوط موقف پر قائم ہے؟ تعلیم کی روز افزوں ترقی، بیداری، رسل و رسائل کے ذرائع تو انہیں متاثر نہیں کر سکے تو آخر وہ کون سی قوت اور ذریعہ ہے جس نے ان کے دلوں میں اس وسعت اور پختگی کے ساتھ یہ چیزیں راسخ کر دی ہیں، کہیں ایسا تو نہیں

کہ قدیم بزرگوں، مشائخ اور آباء واجداد سے وہ اسی طریق متوارث پر چل رہے ہیں جس پر اب ہیں۔ آپ کو اختیار ہے کہ آپ کہہ دیں کہ یہ بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآئَنَا کا مظاہرہ ہے مگر میں پھر وہی بات کہوں گا کہ کافروں کے بارے میں تو یہ بات درست ہے، مگر ایک ایسا مسلم علاقہ جہاں اسلام پہلی صدی ہجری میں پہنچ گیا، جہاں قدم قدم پر مساجد کے مینار اللہ کی وحدانیت اور جناب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور تقدیس کا اعلان کر رہے ہیں، جہاں دن میں پانچ وقت کروڑوں لوگ اللہ کے حضور سر بسجود ہیں، جہاں سے روزِ اول سے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں زائرین بیت اللہ اور روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کو جاتے ہیں۔ توحید سے بیگانہ، اسلام کی حقیقت سے ناآشنا اور دین کی روح سے بے بہرہ تھا اور اسے اب نئے سرے سے دین کی حقیقی روح سے آگاہ کرنے کی تحریک چلانے کی ضرورت پڑ گئی تھی، تو اس نظریے میں جو معقولیت ہے اس کی داد میں قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

برصغیر کے مسلمانوں کے مشرب و مسلک کے بارے میں جناب سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں :۔

"شاہ صاحب کے بعد یہ رنگ اور نکھر گیا، مولانا شاہ اسحٰق صاحب، مولانا شاہ عبدالغنی صاحب، مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب دہلوی نے ردِّ بدعت اور توحیدِ خالص کی اشاعت میں جو جدوجہد فرمائی اس نے دلوں میں سنت کی پیروی کا عقیدہ راسخ کر دیا، ان کے شاگردوں میں یہ دونوں رنگ الگ الگ ہو گئے، شاہ اسحٰق صاحب کے نامور شاگردوں میں مولانا شاہ عبدالغنی صاحب مجددی مہاجر اور مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری ہیں، شاہ عبدالغنی مجددی کے ممتاز شاگرد مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ہیں اور پورب میں مولانا شاہ اسمٰعیل کے شاگرد مولانا سخاوت علی جونپوری وغیرہ ہیں۔

اس سلسلے میں ردبدعت اور توحید خالص کے جذبہ کے ساتھ حنفیت کی تقلید کا رنگ نمایاں رہا۔ مولانا شاہ اسحٰق صاحب کے ایک دوسرے شاگرد

مولانا سید نذیر حسین صاحب بہاری دہلوی ہیں، اس دوسرے سلسلے میں توحید خالص اور رد بدعت کے ساتھ فقہ حنفی کی تقلید کی بجائے براہِ راست کتب حدیث سے بقدر فہم استفادہ اور اس کے مطابق عمل کا جذبہ نمایاں ہوا اور اسی سلسلے کا نام اہلِ حدیث ہوا۔

تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے آپ کو اہل السنۃ کہتا رہا، اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے"۱

جناب سید صاحب کی تاریخ دانی اور مسلمہ علمی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے جملہ "تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا" کو بار بار پڑھیے۔

جناب مولانا ثناء اللہ امرتسری مدیر "اہلحدیث" نے ۱۹۳۷ء میں تحریر کیا:۔

"امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے، اسی (۸۰) سال قبل قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے"۔۲

شیخ محمد اکرام نے "موجِ کوثر" میں "بریلوی پارٹی" کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے، اگرچہ حقائق سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں اور اغماض و چشم پوشی کی بدترین مثال ہے تاہم یہ فقرہ ان کے قلم سے نکل ہی گیا ہے:۔

"انہوں (فاضلِ بریلوی) نے نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی"۔۳

ہندوستان کے معروف محقق مالک رام لکھتے ہیں:۔

"جیسا کہ سب کو معلوم ہے، بریلی مولانا احمد رضا خاں مرحوم کا وطن ہے وہ بڑے سخت گیر قسم کے قدیم الخیال عالم تھے"۔۴

قارئین کو تعجب ہوگا کہ فاضل بریلوی کی پیدائش سے پہلے کے علماء اور بزرگوں کے مسلک کو بھی بریلویت کہہ دیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:۔

۱۔ حیات شبلی: سید سلیمان ندوی ص ۴۴، ۴۶ ۲: شمع توحید: مولانا ثناء اللہ امرتسری: ۴۰

۳۔ موج کوثر، ص ۷۰، طبع نہم ۱۹۶۶ء ۴: نذر عرشی، م دہلی: ۱۳

جماعت اہل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ "الاعتصام" میں یہ اقتباس دینے کے بعد ایک صاحب نے لکھا ہے۔۔۔۔۔

"شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ) کا جو حصہ تصوف سے متعلق ہے اس میں ایسا مواد ملتا ہے جس سے بریلویت کی خاصی تائید ہوتی ہے"۔[1]

إنا للہ و إنا إلیہ راجعون! دیکھا آپ نے؟ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کس طرح بریلوی بن گئے ہیں؟ آج برصغیر میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے علماء، مشائخ اور بزرگ موجود ہیں جن کا فاضل بریلوی سے بظاہر کوئی علمی یا روحانی ناطہ نہیں ہے بایں طور کہ ان کا سلسلۂ طریقت یا سلسلۂ تعلیم و تعلم فاضل بریلوی تک پہنچتا ہو مگر مسلک اہل سنت سے تعلق رکھنے کی وجہ سے وہ اسی طرح بریلوی بن گئے جیسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حالانکہ اہل سنت و جماعت کو بریلوی کہنا کسی طرح درست نہیں، اگر آج جماعتِ اسلامی کے افراد کو مودودی پارٹی یا مودودیئے کہنا اور تبلیغی جماعت کو الیاسی جماعت کہنا درست نہیں تو آخر ملک کے سواد اعظم کو بریلوی کہنا کس منطق کی رو سے درست ہے؟

تعجب ہے کہ خود اہل سنت کے بعض اصحاب کو بھی اس کا احساس نہیں وہ بڑے فخر سے اپنے آپ کو بریلوی کہہ کر متعارف کراتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام بریلی یا دیوبند کی سرزمین سے نہیں پھوٹا لہٰذا اس طرح کی تراکیب و نسبتیں اپنانا عالمانہ نکتۂ نظر سے فریقین کے لیے ایک جاہلانہ اقدام ہے۔

برصغیر کی پرسکون اور خاموش فضا میں گرنے والا پہلا پتھر "تقویۃ الایمان" ہے جس نے علماء، صلحاء اور عوام میں ہلچل مچادی، اس کی دعوت اجنبی، اس کا فکر نامانوس اور اندازِ بیاں گستاخانہ و جارحانہ تھا، خود مولانا شاہ اسماعیل کا بیان ہے:

"خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان اول عربی میں لکھی تھی چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولانا نصر اللہ خاں خورجوی کے کتب خانہ

---

[1]: ماہنامہ "الرحیم": جنوری ۱۹۶۶ء، شذرات مولانا غلام مصطفیٰ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد۔ سندھ

میں بھی تھا، اس کے بعد مولانا نے اس کو اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سید صاحب، مولوی عبدالحی صاحب، شاہ اسحٰق صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولوی فریدالدین صاحب مراد آبادی، مومن خاں، عبداللہ خاں علوی (استاذ امام بخش صہبائی و مولانا مملوک علی) بھی تھے اور ان کے سامنے تقویۃ الایمان پیش کی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے۔ مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے، شرک جلی لکھ دیا گیا ہے، ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہو گی۔ اگر میں رہتا تو ان مضامین کو میں آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے اس لیے میں اس کام سے معذور ہو گیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اُٹھائے گا نہیں اس لیے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے، گو اس سے شورش ہو گی۔ مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ میرا خیال ہے اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جاوے ورنہ اسے چاک کر دیا جاوے، اس پر ایک شخص نے کہا اشاعت تو ضرور ہونا چاہیے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہوتی چاہیے الخ"۔ ۱

چونکہ اس وقت سارا برصغیر معاذ اللہ مشرک وبدعتی ہو چکا تھا اس لیے تقویۃ الایمان کی تحریک کے انقلابی نتائج مولانا گنگوہی نے یوں بیان فرمائے ہیں :-

"خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی تقویۃ الایمان کی نسبت فرماتے تھے کہ اس سے بہت ہی نفع ہوا۔ چنانچہ مولوی اسمٰعیل کی حیات ہی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے اور ان کے بعد جو کچھ نفع ہوا اس کا تو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا"۔ ۲

۱۔ ۲ : ارواح ثلاثہ (حکایات دیوبند) : ۹۲

اس وقت متحدہ ہندوستان کے تقریباً بیس کروڑ مسلمانوں میں سے دو ڈھائی لاکھ مسلمان درست ہو گئے تھے، باقی کیا تھے؟ اس فقرے کے تیوروں سے خود اندازہ فرما لیجئے، اس کے بعد اس امر میں کوئی شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ برصغیر کی پوری مسلم آبادی کو غلط اور گمراہ قرار دے کر اسے ازسرِ نو راہ راست پر لانے کی اسکیم کا سنگِ بنیاد رکھا جا رہا تھا۔

انتہائی سادگی سے ان کے اختلافات کو حضرت فاضل بریلوی کے کھاتے میں ڈال کر لوگوں کو ان کے خلاف اکسانے اور خود انہیں بدنام کرنے کی مہم کے پیچھے کوئی معقولیت نہیں ہے، اگر یہ جرم ہے تو اس کا مجرم کوئی ایک فرد نہیں بلکہ برصغیر کے تمام علما، صلحاء اور عوام ہیں۔ مولانا منظور نعمانی رقمطراز ہیں :-

"مسلمانوں کے درمیان ان مسائل (میلاد، قیام، فاتحہ، تیجہ، چالیسواں، گیارہویں) میں اختلاف تو اس وقت سے ہے جب کہ ابھی دیوبند کا مدرسہ قائم نہ ہوا تھا اور مولوی احمد رضا خاں صاحب ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے ان مسائل کو دیوبندی، بریلوی اختلاف نہیں کہا جا سکتا، حضرت مولانا معین الدین صاحب اجمیری، مولانا عین القضاۃ صاحب، علمائے فرنگی محل لکھنؤ، مولانا محمد سجاد صاحب بہاری جیسے بہت سے علمائے کرام اور علمی سلسلوں و خاندانوں کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ان حضرات کا مسلک علمائے دیوبند کے مسلک سے بالکل مختلف تھا"۔ (فیصلہ کن مناظرہ، ص ۶)

برصغیر میں مذہبی اختلافات کا نقطۂ آغاز

تاریخی نکتۂ نگاہ سے تقویۃ الایمان کی تحریک ہی وہ نقطہ آغاز ہے جس نے مذہبی میدان میں مستقل کشمکش، بے چینی، مناظرہ بازی اور رسہ کشی کو جنم دیا۔ یہ تحریک محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک کے زیر اثر اور شعوری طور پر اس کی ترجمان تھی۔ اس میں مشائخ صوفیاء کے ہزار سالہ محبت و شفقت، رأفت و رحمت کے انداز تبلیغ سے

ہٹ کر پہلی بار شدت، درشتی، سختی اور بد مزاجی کو اساسِ تبلیغ بنایا گیا تھا۔ برصغیر میں مشائخ کی خدمات، انداز تبلیغ، یہاں کے سماجی حالات کا تو ذکر ہی کیا، ہزار سالہ جدوجہد، تاریخ اور تعامل پر لکیر پھیر کر براہِ راست کتاب و سنت کا امین و وارث ہونے کا دعویٰ کر دیا گیا۔ مولانا ابو الکلام آزاد کا بیان ہے :۔

"واقعہ یہ ہے کہ یہ مباحثہ (مباحثہ دہلی ۱۲۴۰ھ) بالکل بے نتیجہ تھا کیونکہ فریقین میں صرف مسائل ہی میں نزاع نہ تھی بلکہ اصول و مبادیات میں بھی بونِ شاسع تھا، مولانا منور الدین اور ان کی جماعت جا بجا استناد و استشہاد بعض علماء کی کتابوں شاہ عبدالعزیز کے خاندان کے طرزِ عمل اور مختلف مکاتیب و ملفوظات سے کرتے تھے اور اسے دلیل و حجت سمجھتے تھے، مولانا اسمٰعیل صرف قرآن و حدیث سے سند مانگتے تھے۔"۱

آگے لکھتے ہیں :۔

"مولانا منور الدین نے اس مباحثے کا حال خود قلمبند کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تمام دلائل ختم ہو گئے تو ان کی طرف سے یہ دلیل پیش کی گئی کہ شاہ عبدالعزیز پنج شنبہ کو شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالرحیم کے مزارات پر جاتے اور توسل و استغاثہ کرتے تھے اور تم لوگ بھی ان کے ساتھ وہاں حاضر ہوتے تھے لیکن مولانا عبدالحیٰ نے جب یہ جواب دیا کہ دلیل قرآن و حدیث سے ہونا چاہیے نہ کہ زید و عمرو کے افعال سے ۔۔۔ تو مجلس میں شور اٹھا کہ یہ لوگ اپنے استادوں اور بزرگوں سے بھی برگشتہ ہو گئے ہیں"۔۲

صرف یہی نہیں بلکہ اس تحریک کے مقاصد میں یہ بات بھی شامل تھی کہ تقلیدِ ائمہ حرام ہے۔ مسئلے کی حقیقت سے قطع نظر یہ آواز برصغیر کے مسلم عوام اور خود خانوادۂ شاہ ولی اللہ کے معمولات و معتقدات کے بھی بالکل منافی اور مخالف تھی، ملاحظہ ہو۔

۱، ۲۔ آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی : ص ۷۹۔۸۰ ، مٹان پریس لاہور

شاہ اسمٰعیل کا رفع یدین اور شاہ عبدالقادر کی تنبیہ

"خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا تو مولوی محمد علی صاحب و مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے اور ان کے کاتب تھے، شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت! مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا ہے اور اس سے مفسدہ پیدا ہوگا۔ آپ ان کو روک دیجئے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو ضعیف ہو گیا ہوں، مجھ سے تو مناظرہ نہیں ہو سکتا، میں اسمٰعیل کو بلائے لیتا ہوں، تم اس سے مناظرہ کر لو، اگر تم غالب آگئے، تمہارے ساتھ ہو جاؤں گا اور وہ غالب آگیا تو اس کے ساتھ ہو جاؤں گا۔" مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوئے اور کہا کہ حضرت! ہم تو مناظرہ نہ کریں گے، اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم مناظرہ نہیں کر سکتے تو جانے دو۔ شاہ صاحب نے یہ جواب دیا تو میں سمجھا کہ شاہ صاحب نے اس وقت دفع الوقتی فرمادی ہے مگر یہ مولوی اسمٰعیل سے کہیں گے ضرور! چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب شاہ عبدالقادر صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا میاں عبدالقادر! تم اسمٰعیل کو سمجھا دینا کہ وہ رفع یدین نہ کیا کریں کیا فائدہ ہے؟ خواہ مخواہ عوام میں شورش ہوگی۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ حضرت میں کہہ تو دوں گا مگر وہ مانے گا نہیں اور حدیثیں پیش کرے گا۔ اس وقت بھی میرے دل میں یہی خیال آیا کہ گو انہوں نے اس وقت یہ جواب دے دیا ہے مگر یہ بھی کہیں گے ضرور! چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہلوایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو، اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔

جب مولوی محمد یعقوب نے مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جاوے تو پھر اس حدیث کے کیا معنیٰ ہوں گے:

من تمسک بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد.

کیونکہ جو کوئی سنتِ متروکہ کو اختیار کرے گا عوام میں ضرور شورش ہو گی۔ مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر سے ان کا جواب بیان کیا، اس کو سن کر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا:

''بابا ہم تو سمجھتے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا، یہ حکم تو اس وقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور ما نحن فیہ میں سنت کا مقابل خلافِ سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے یونہی ارسال بھی سنت ہے۔

جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے یہ جواب بھی مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا''۔[۱]

اس تحریک کا ردعمل

مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان ہے:

''مولانا محمد اسمٰعیل شہید، مولانا منورالدین کے ہم درس تھے، شاہ عبدالعزیز کے انتقال کے بعد جب انہوں نے تقویۃ الایمان اور جلاء العینین لکھیں اور ان کے مسلک کا ملک میں چرچا ہوا تو علماء میں ہلچل پڑ گئی۔ ان کے رد میں سب سے زیادہ سرگرمی بلکہ سربراہی مولانا منورالدین نے دکھائی، متعدد کتابیں لکھیں اور ۱۲۴۸ھ والا مشہور مباحثہ جامع مسجد کیا، تمام علمائے ہند سے فتویٰ مرتب کرایا، پھر حرمین سے فتویٰ منگوایا۔ ان کی

۱: ارواح ثلاثہ: ۴، ۵

تحرایرات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابتداء میں مولانا اسمٰعیل اور ان کے رفیق اور شاہ صاحب کے داماد مولانا عبدالحی کو بہت کچھ فہمائش کی اور ہر طرح سمجھایا لیکن جب ناکامی ہوئی تو بحث ورد میں سرگرم ہوئے اور جامع مسجد کا شہرۂ آفاق مناظرہ ترتیب دیا جس میں ایک طرف مولانا اسمٰعیل اور مولانا عبدالحی تھے اور دوسری طرف مولانا منورالدین اور تمام علمائے دہلی۔"[1]

شہیدِ آزادی، امام معقولات حضرتِ مولانا علامہ محمد فضلِ حق خیر آبادی کے نامِ نامی اسمِ گرامی کو کون نہیں جانتا، حقیقت یہ ہے کہ یہ خطہ اس نابغۂ روزگار ہستی پر جس قدر فخر کرے کم ہے، اس تحریک کے خلاف سب سے پہلے مؤثر آواز اسی شخصیت نے اٹھائی تھی۔ حیات اعلیٰ حضرت میں ہے:

"اعلیٰ حضرت ایک مرتبہ کسی ضرورت سے رام پور تشریف لے گئے (یہ آپ کے آغاز جوانی کا واقعہ ہے) وہاں مولانا عبدالعلی صاحب ہیئت کے مشہور فاضل تھے۔ چند روز ان کی خدمت میں رہ کر شرح چغمینی کے اسباق لیے تھے۔ دوسری مرتبہ بعض خاص رشتہ داروں کے یہاں رامپور تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔ حضرت کے خسر جناب شیخ فضل حسین صاحب مرحوم حضور نواب رامپور کلب علی خاں صاحب کے یہاں بہت ہی اعلیٰ عہدہ پر تھے۔ نواب صاحب کے دربار میں اعلیٰ حضرت کا تذکرہ ہوا، نواب صاحب مشتاق ملاقات ہوئے۔ حسب طلب اپنے خسر صاحب قبلہ رام پور تشریف لے گئے، نواب صاحب نے خاص اپنے پلنگ پر بیٹھنے کے لئے فرمایا اور کچھ علمی باتیں پوچھتے رہے، اتنے میں فرمایا کہ یہاں مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی مشہور منطقی ہیں، آپ ان سے کچھ منطق کی کتابیں قدماء کی تصنیفات سے پڑھ لیجئے، اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ اگر والد ماجد کی اجازت ہوگی تو کچھ دن یہاں ٹھہر سکتا ہوں۔

ا: آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی: ۷۹، مطبوعہ چٹان پریس لاہور

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتفاق وقت جناب مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی مرحوم بھی تشریف لے آئے۔ جناب نواب صاحب نے اعلیٰ حضرت کا ان سے تعارف کرایا اور فرمایا باوجود کمسنی ان کی کتابیں سب ختم ہیں اور اپنے مشورہ کا ذکر فرمایا۔

مولانا عبدالحق صاحب مرحوم کا عقیدہ تھا کہ دنیا میں صرف ڈھائی عالم ہوئے۔ ایک مولانا بحر العلوم، دوسرے والد مرحوم اور نصف بندۂ معصوم، وہ کب ایک کم عمر شخص کو عالم مان سکتے تھے؟ اعلیٰ حضرت سے دریافت فرمایا کہ منطق میں انتہائی کون سی کتاب آپ نے پڑھی ہے؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: قاضی مبارک، یہ سن کر دریافت فرمایا کہ شرح تہذیب پڑھ چکے ہیں، یہ طعن آمیز سوال سن کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ کیا جناب کے یہاں قاضی مبارک کے بعد شرح تہذیب پڑھائی جاتی ہے؟

یہ سوال سیر کا سوا سیر پا کر جناب مولانا عبدالحق صاحب نے سوال کا رخ دوسری جانب پھیرا اور پوچھا اب کیا مشغلہ ہے؟ فرمایا تدریس، افتاء، تصنیف، فرمایا: کس فن میں تصنیف کرتے ہیں؟ فرمایا: مسائلِ دینیہ ورد وہابیہ، اس کو سن کر فرمایا رد وہابیہ، ایک میرا وہ بدایونی خبطی ہے کہ ہمیشہ اس خبط میں رہتا ہے اور ہمیشہ رد وہابیہ کیا کرتا ہے ------

اعلیٰ حضرت نے سنتے ہی فرمایا جناب کو معلوم ہو گا کہ وہابیہ کا رد سب سے پہلے جناب مولانا فضل حق، جناب کے والدِ ماجد ہی نے کیا اور مولوی اسماعیل دہلوی کو بھرے مجمع میں مناظرہ کر کے ساکت کیا، اور ان کے رد میں ایک مستقل رسالہ بنام تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ تحریر فرمایا ہے، اس پر مولانا عبدالحق صاحب خاموش ہو گئے۔"[1]

حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی نے اپنی اس تاریخی اور نادر کتاب میں تقویۃ

۱: حیات اعلیٰ حضرت: مولانا ظفر الدین بہاری: ۳۳۔۳۴، مطبوعہ کراچی

الایمان کے مندرجات کے قائل کے بارے میں فرمایا :۔

"جواب سوالِ ثالث این است کہ قائل ایں کلام از روئے شرعِ مبین بلاشبہ کافر وبے دین است، ہرگز مومن و مسلمان نیست و حکمِ او شرعاً قتل و تکفیر است"۔ (تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ)

شاہ محمد اسمٰعیل نے جب یہاں تک لکھ دیا :

"اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے کروڑوں نبی اور ولی اور جن اور فرشتہ جبرئیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کرڈالے"۔

تو علامہ فضل حق کو کہنا پڑا :

"باید دانست کہ ایں کلامِ ناتمام کاذب و دروغ و گزافِ بے فروع است"۔

مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی صرف منقولات کے روایتی عالم نہ تھے بلکہ بر صغیر نے فلسفہ و عقلیات کے آج تک جتنے آدمی پیدا کئے ہیں، آپ کا شمار ان کے ائمہ میں ہوتا ہے۔ ایک ایسی نابغہ روزگار ہستی جس کی ذات پر خود عقل و فلسفہ کو ناز ہے فاضل بریلوی کی پیدائش سے کئی برس قبل کیونکر بریلویت کا شکار ہو گئی؟ اس کی علمی پرواز اور تحقیقی دیانت آج کے نیم خواندہ مولویوں سے بھی گئی گزری تھی؟

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

آپ کی معروف تصنیف تحقیق الفتویٰ اس انحرافی اعتزالی تحریک کے رد میں ایک مستقل عالمانہ تصنیف ہے جو اس وقت سر اٹھا رہی تھی اور اس اعتبار سے اس کی قدر و قیمت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ اسی دور کی تصنیف ہے۔

اس کے ساتھ حضرت خیر آبادی کی کتاب امتناع النظیر کو بھی سامنے رکھ لیا جائے تو اس بات کا اندازہ کرنا چنداں دشوار نہیں کہ آپ نے اس پر آشوب دور میں اس تحریک کو کس قدر خطرناک اور مسلمانوں کی وحدتِ ملیہ کے لیے کتنا مضر سمجھا، یہی وجہ ہے کہ انگریزی سامراج سے نبرد آزما ہونے کے باوجود آپ نے اس معاملے کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر اسے بھی برابر کے نشانے پر رکھا۔

۱: تقویۃ الایمان : ۳۶ ۲: تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ : ۵۹

اس دور کے ممتاز علماء مولانا رشید الدین، مولانا مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ (شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے) مفتی شجاع الدین خاں، علامہ رحمت اللہ کیرانوی، اپنی اپنی جگہ شدت سے اس تحریک سے برسرِ پیکار تھے۔ مختلف زبانوں میں تقویۃ الایمان کے رد میں سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں، تیس کتابوں کی فہرست انوار آفتاب صداقت میں موجود ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک کے خلاف رد عمل صرف برصغیر میں ہی نہیں ہوا بلکہ خود نجد و حجاز میں بھی شدید رد عمل ہوا، محمد بن عبدالوہاب کے حقیقی بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نے اس فرقے کے معتقدات و معمولات کی تردید میں ایک مبسوط کتاب لکھی جو چھپ کر شائع ہو چکی ہے، حجاز کے علماء اور عوام کی ذہنی کیفیت کیا تھی؟ مولانا آزاد کا بیان ہے :۔

"سب سے پہلے یہ کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ان کی جماعت سے علمائے حجاز و عوام کو سخت تعصب و عناد تھا"۔ (آزاد کی کہانی : ۱۰۴)

مزید مولانا کا بیان ہے :۔

"اسی زمانے میں علمائے مکہ نے والدِ مرحوم سے کہا کہ وہابی عقائد کی کتابیں اردو میں ہیں جنہیں وہ سمجھ نہیں سکتے نیز نجدی عقاید کا رد بھی کافی طور پر نہیں ہوا ہے۔ شیخ احمد دحلان نے اس بارے میں خاص طور پر زور دیا اور اس طرح والد مرحوم نے ایک کتاب نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھی جو ان کی تصانیف میں سب سے بڑی ہے اس کا نام نجم۔۔۔ الرجم الشیاطین ہے۔ یہ دس جلدوں میں ختم ہوئی ہے اور ہر جلد بہت ضخیم ہے اس کی ترتیب اس طور پر ہے کہ ایک سو چودہ مسئلے مابہ النزاع منتخب کیے ہیں، اتنی تعداد جزئی جزئی اختلافات کے استقصا کی وجہ سے ہو گئی ہے۔ ہر مسئلے کے لیے ایک باب قائم کیا ہے اور اس میں پہلے قرآن سے، پھر احادیث سے، پھر اقوال علماء سے رد کا التزام کیا ہے۔ اس طرح کتاب ایک سو چودہ ابواب پر مشتمل ہے۔ ایک جلد صرف مقدمے میں ہے اور چونکہ وہ ان مسائل کے متعلق نہیں ہے اس لیے معلومات کے اعتبار سے بکار آمد ہے۔ اس میں اصولی طور پر عقائد اہلسنت پر بحث کی ہے اور ہر طرح

کے اختلافات کو ختم کر کے اپنے مسلک کو بہت شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے :ا

مولانا آزاد کے والد کے بیان کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حرمین کے علماء ان مسائل کو کس انداز سے دیکھتے تھے اور ان کے نزدیک موجود اختلافات کی اہمیت کتنی تھی ؟ میں یہاں پر فاضل بریلوی ایسے محتاط اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے والے جید عالم دین کی سختی اور تشدد کا ہر جگہ ڈھنڈورہ پیٹنے والے حضرات کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ وہ ہمارے علماء، فقہاء اور مشائخ کی زندگیوں کا مطالعہ کریں اور باتوں میں وہ لوگ کتنے ہی روادار، رحمدل، صلح کن اور رحمت ورأفت کے پتلے کیوں نہ ہوں مگر اعتقاد و عمل کے بارے میں کسی مقام پر کبھی ان میں سے کسی شخص نے کوئی نرمی، چھوٹ، رواداری یا مداہنت نہیں برتی۔ اس سلسلے میں ہمارے تمام اسلاف چٹان کی طرح مضبوط اور فولاد کی طرح سخت رہے ہیں۔ دنیا میں کفر و شرک اور گمراہی شروع سے چلی آئی ہے اور رہے گی ۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است
آتش کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد

مولانا خیر الدین (والد مولانا ابوالکلام آزاد) کا اپنا طرز عمل اس بارے میں کیا تھا مولانا آزاد سے سنئے :

"انہوں نے وہابیوں کو دو اصولی قسموں میں بانٹ دیا تھا۔ کہتے تھے دو فرقے ہیں ایک اسمٰعیلیہ اور دوسرا اسحاقیہ۔ اسمٰعیلیہ سے مقصود وہ فرقہ تھا جو بدعات ورسوم کی مخالفت کے ساتھ تقلید شخصی کا بھی تارک ہو۔ جیسا کہ مولانا اسمٰعیل شہید نے تقویۃ الایمان اور جلاء العینین وغیرہ میں لکھا ہے۔ اسحاقیہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو حنفیت و تقلید سے تو انکار نہیں کرتا لیکن بدعات ورسوم کا مخالف ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ شاہ محمد اسحٰق نے مائۃ مسائل میں بدعات ورسوم سے اختلاف کیا ہے مگر تقلید و حنفیت کے خلاف کوئی بات نہیں کہی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب اسمٰعیلیہ غیر مقبول ہو

ا: آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی : ۹۱ ، حالی پبلشنگ ہاؤس، لاہور

گئی تو وہابیت نے اپنے مکائد کی اشاعت کے لیے راہ تقیہ اختیار کی اور حنفیت کی آڑ قائم کر کے اپنے دیگر عقائد کی اشاعت کرنے لگے۔ جہاں تک مجھے خیال ہے وہ وہابیوں کے کفر پر وثوق کے ساتھ یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے بارہا فتویٰ دیا کہ وہابیہ یا وہابی کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔"[1]

جمہور علماء اور سوادِ اعظم کے بروقت تعاقب اور خود یہاں کے مسلم عوام کی اکثریت کے ضمیر نے اس فکر کو قبول ہی نہ کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی عام آدمی کے لیے دین اسلام کی یہ تعبیر و تشریح اسی طرح اوپری اور نامانوس ہے جس طرح آج سے ایک صدی پیشتر تھی۔

مولانا عبید اللہ سندھی کا یہ تجزیہ غور طلب ہے :۔

"مولانا سندھی کہا کرتے تھے کہ گزشتہ صدیوں میں عوامی اور قومی تحریکیں اکثر و بیشتر مذہبی اٹھان اور بیداری کا نتیجہ تھیں لیکن جیسے جیسے وہ آگے بڑھیں ان کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور وہ عملاً عوامی اور قومی بن گئیں لیکن تحریک ولی اللہی میں اس تاریخی انحراف کے بعد جو موڑ آیا تو وہ جیسے جیسے آگے بڑھتی گئی بجائے اس کے کہ وہ مسلمان عوام کی ایک قومی تحریک بنتی، وہ ایک علیحدگی پسند فرقہ پرستانہ تحریک بنتی گئی۔ سید احمد شہید سے منسوب اس تحریک کا یہ حشر تو ہوا ہی، اس کا رد عمل اس تحریک کے دوسرے حصے تحریک دیوبند پر بھی ہوا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی اس بر عظیم کے مسلمان عوام کی غالب اکثریت بریلوی ہے جو اوپر کی دونوں تحریکوں کو کفر سے کم نہیں سمجھتی۔ اس نوع کی احیاء پسندانہ مذہبی تحریکیں اگر قومی اور عوامی خطوط پر نہ چلیں تو لازماً وہ علیحدگی پسندانہ فرقہ پرستانہ تحریکیں بن کر رہ جاتی ہیں۔"[2]

۱: آزاد کی کہانی : ۱۷۳

۲: افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی مرتبہ پروفیسر محمد سرور : ۳۴۹، مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی۔ لاہور

اپنے موقف سے انحراف

اسے برصغیر کے مشائخ صوفیاء کا تصرف سمجھئے یا حسن اتفاق کہ بزرگوں سے حسن عقیدت کو شرک قرار دینے والے، ان کے مزارات پر جانے والوں کو مشرک اور بدعتی قرار دینے والے، ان کے آستانوں کو بتوں سے تشبیہ دینے والے، ان سے توسل کو کفر بتانے والے اور ان کے کشف و کرامت کو بے سروپا افسانے اور مریدین کے واہمے قرار دینے والے، حالات کی مجبوری سے خود مشائخ اور اولیاء اللہ بن بیٹھے، تعویذ گنڈے، دم درود، چلے مکاشفے، کشف و کرامات، غیبی امداد، ذکر و فکر کا وہ بازار گرم ہوا جس کے سامنے مشائخ کی چودہ صد سالہ تاریخ بھی پھیکی معلوم ہونے لگی۔

آج کسی پڑھے لکھے اور باہوش آدمی کے لئے یہ معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں کہ اہل سنت پر بریلویت کا لیبل لگا کر شرک و بدعت کے فتوے لگانے والے خود کتنے بڑے بدعتی ہیں۔

ایں گناہے ست کہ در شہر شمانیز کنند

اگر پیری مریدی گناہ ہے تو وہ اپنے لیے کیوں جائز ہے۔ اگر دعوت قبول کرنا، نذرانہ وصول کرنا جرم ہے تو یہ جرم اپنے ہاں عبادت کیوں بن گیا ہے؟ اگر مشائخ کے آستانوں اور مرشدوں کی طرف کسبِ فیض کے لئے سفر کرنا حرام ہے تو اپنے بزرگوں، استادوں اور پیروں کے پاس جانا کس نص سے جائز قرار پا گیا ہے؟ اگر مشائخ سے توسل، استمداد اور ان کے بارے میں روحانی امداد اور فیوض و برکات کے عقیدے مشرکانہ ہیں تو اپنے مشائخ کے تصرفات، روحانی فیوض و برکات اور غیب دانی پر کیوں دھڑا دھڑ کتابیں چھاپی جا رہی ہیں۔ اور یہ ارواح ثلاثہ، سوانح قاسمی، اشرف السوانح وغیرہ اس قسم کے واقعات، مشاہدات اور حکایات پر مشتمل نہیں تو اور کیا ہیں؟ اپنے موقف سے انحراف اور اپنے بیگانے کے لئے فتوے میں امتیاز کا یہی وہ روح فرسا منظر ہے جس کے بارے میں مولانا عامر عثمانی مدیر "تجلی" دیوبند کو زلزلہ پر تبصرہ

کرتے ہوئے کہنا پڑا :۔

"بات یقیناً تشویشناک ہے، مصنف نے ایسا ہر گز نہیں کیا ہے کہ ادھر ادھر سے چھوٹے موٹے فقرے لے لے کر ان سے مطلب پیدا کئے ہوں بلکہ پوری پوری عبارتیں نقل کی ہیں، اور اپنی طرف سے ہر گز کوئی معنی پیدا نہیں کئے ہیں، ہم اگرچہ حلقۂ دیوبند ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ دفاع کریں تو کیسے ؟ دفاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کر سکتا جو اس کتاب کے مشتملات بزرگانِ دیوبند پر عائد کرتے ہیں۔ ہم اگر عام روش کے مطابق اندھے مقلد اور فرقہ پرست ہوتے تو بس اتنا ہی کر سکتے تھے کہ اس کتاب کا ذکر ہی نہ کریں لیکن خدا بچائے اشخاص پرستی اور گروہ بندی کی باطل ذہنیت سے، ہم اپنا دیانتدارانہ فرض سمجھتے ہیں کہ حق کو حق کہیں اور حق یہی ہے کہ متعدد علمائے دیوبند پر تضاد پسندی کا جو الزام اس کتاب میں دلیل و شہادت کے ساتھ عائد کیا گیا ہے وہ اٹل ہے۔"

اس کی توجیہ آخر کیا کریں گے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی یا حضرت مولانا اشرف علی جیسے بزرگ جب فتوے کی زبان میں بات کرتے ہیں تو ان احوال و عقائد کو برملا شرک، کفر اور بدعت و گمراہی قرار دیتے ہیں جن کا تعلق، غیب کے علم اور روحانی تصرف اور تصور شیخ اور استمداد بالارواح جیسے امور سے ہے لیکن جب طریقت و تصوف کی زبان میں کلام کرتے ہیں تو یہی سب چیزیں عین امر واقعہ، عین کمال ولایت اور علامتِ بزرگی بن جاتی ہیں۔

اگر ہم فرض کرلیں کہ ان بزرگوں کی طرف دیگر مصنفین نے جو کچھ منسوب کر دیا ہے وہ مبالغہ آمیز ہے، غلط ہے، حقیقت سے بعید ہے تو

بیشک ان بزرگوں کی حد تک ہمیں اعتراض سے خلاصی مل جائے گی لیکن یہ دیگر مصنفین بھی تو علمائے دیوبند ہی ہیں، ان کی یہ کتابیں بھی تو حلقۂ دیوبند ہی میں بڑے ذوق و شوق سے تلاوت فرمائی جاتی ہیں اور کسی اللہ کے بندے کی زبان پر یہ اعلان جاری نہیں ہوتا کہ ان خرافات سے ہم برأت ظاہر کرتے ہیں، برأت کیا معنی ہمارے موجودہ بزرگ پورا یقین رکھتے ہیں کہ ان کتابوں میں علمِ غیب اور فریادرسی اور تصرفات روحانی اور کشف والہام کے جو کمالات ہمارے کمالات ہمارے مرشدین کی طرف منسوب ہیں وہ بالکل حق ہیں، سچے ہیں، پھر آخر ازالہ اعتراض کی کیا صورت ہو؟

ہمارے نزدیک جان چھڑانے کی ایک ہی راہ ہے کہ کہ یا تو تقویۃ الایمان اور فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ امدادیہ اور بہشتی زیور اور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چوراہے پر رکھ کر آگ دے دی جائے اور صاف اعلان کر دیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن و سنت کے خلاف ہیں اور ہم دیوبندیوں کے صحیح عقائد ارواح ثلاثہ اور سوانح قاسمی اور اشرف السوانح جیسی کتابوں سے معلوم کرنے چاہئیں یا پھر ان مؤخر الذکر کتابوں کے بارے میں اعلان فرمایا جائے کہ یہ تو محض قصے کہانیوں کی کتابیں ہیں جو رطب و یابس سے بھری ہوئی ہیں اور ہمارے صحیح عقائد وہی ہیں جو اول الذکر کتابوں میں مندرج ہیں"۔ (بحوالہ زلزلہ: ۱۸۳تا۱۸۵، م فیصل آباد)

ان ہی کتابوں پر ہی کیا موقوف ہے، ان حضرات کی نجی محفلوں، ارشاد و تلقین کی مجلسوں اور بیعت و سلوک کی خلوتوں کو آج بھی ٹٹول کر دیکھنے کی جائے۔ صرف سرسری نظر دیکھ لینے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بقولِ خود یہ حضرات اپنے اندر بدعت و شرک کے کس قدر جہاں آباد کئے ہوئے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ضعیف الاعتقادی، کورانہ تقلید، اندھی عقیدت اور شخصیت پرستی میں یہ مکتبِ فکر اہل سنت کو کوسوں پیچھے چھوڑ گیا ہے، غور و فکر، تحقیق و تجسس اور تلاش حق کی جائے اپنے اساتذہ کی بات پر اڑ جانا اور اسے حرفِ آخر سمجھنا اس کا طرۂ امتیاز بن گیا ہے،

یہی وجہ ہے کہ اس کے عام طفلِ مکتب سے ذمہ دار لوگوں تک کو سارے برِ صغیر کے صوفیاء، علماء، مشائخ اور عوام بدعتی نظر آتے ہیں۔ مگر بعینہ انہی افعال و اعمال کی موجودگی میں وہ خود کو موحد کہتے نہیں تھکتے۔ دوسروں کے تنکے پر اعتراض کرنے والوں کو اپنا شہتیر کوئی دکھائے بھی تو نظر نہیں آتا۔ اس صورت حال نے مسلمان قوم میں جو ابتری، افتراق اور تشتت کا بیج بویا ہے، اس سے یہ حضرات کسی طرح اپنا دامن صاف نہیں کر سکتے۔ غالباً اسی صورت حال پر حضرتِ علامہ نے فرمایا تھا۔

کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد　　ملت از قال اقولش فرد فرد
مکتب و ملا و اسرار کتاب　　کور مادر زاد و نور آفتاب
دین کافر فکر و تدبیر جہاد　　دین ملا فی سبیل اللہ فساد

علمائے اہل سنت کے عقائد میں سے تصور شیخ، اولیاء کی روحانی امداد اور تصرفات کا عقیدہ محتاجِ بیان نہیں اور یہی وہ گردن زدنی مجرمانہ دفعات ہیں جن کا ارتکاب کر کے فاضل بریلوی سمیت تمام خیارِ امت نے اپنے اوپر فردِ جرم لگوائی ہے۔ اب ان بدعت زدہ اور شرکیہ عقائد کے ناقدین کی تنقید ملاحظہ فرمائیے:۔

"خان صاحب نے فرمایا کہ ایک دن حضرتِ گنگوہی جوش میں تھے اور تصور شیخ کا مسئلہ در پیش تھا، فرمایا کہ کہدوں؟ عرض کیا گیا فرمائیے۔ پھر فرمایا کہدوں؟ عرض کیا گیا فرمائیے۔ پھر فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ پھر اور جوش آیا۔ فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ حضرت ضرور فرمائیے، فرمایا کہ اتنے سال حضرت ﷺ میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ سے پوچھے نہیں کی۔ یہ کہہ کر اور جوش ہوا، فرمایا کہ اور کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ مگر خاموش ہو گئے الخ۔"[1]

1: حکایات علمائے دیوبند، ص ۳۰۷، م لاہور

ملاحظہ فرمایا آپ نے! جب گھر کی بات آئی، ایک ہی سانس میں تصورِ شیخ، حاضر و ناظر، تصرف شیخ، علم غیب ایسے کئی عقیدے امرِ واقعہ بن گئے۔ خیال رہے کہ یہ واقعہ مثالی نہیں بلکہ امر واقع ہے۔ جبھی تو حضرت گنگوہی فرمارہے ہیں کہ میں نے تین سال تک کوئی کام حضرتِ امداد سے پوچھے بغیر نہیں کیا۔

کس قدر ظلم اور دھاندلی ہے کہ اگر آج کوئی صاحبِ دل اور صاحب نسبت و معرفت یہی بات آنحضرت ﷺ کے بارے میں کہہ دے تو چاروں طرف سے فتووں کی بوچھاڑ ہو جاتی ہے۔

پیرِ پیراں غوث اعظم سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کی عظمت اور زمرۂ اولیاء میں آپ کے بلند و بالا مقام سے کسے انکار ہو سکتا ہے؟ آپ کی معروف کرامت بڑھیا کی غرق شدہ کشتی کے صحیح و سالم نکالنے پر آپ نے اکثر و بیشتر اعتراضات سنے ہوں گے۔ اس روایت کے وضعی اور خلافِ عقل ہونے کی سینکڑوں توجیہات پیش کی جاتی ہیں، بعض اوقات یہ تردید و تغلیط روایت سے بڑھ کر خود غوث اعظم کی ذات تک بھی جا پہنچتی ہے حالانکہ نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت خرقِ عادت ہی کو کہتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندے کے دعویٰ کی تائید یا اس کے مقام و مرتبے سے آگاہی بخشنے کے لئے خود صادر کراتا ہے اور اس پر زبانِ اعتراض کھولنا خود قدرتِ الٰہی پر زبان کھولنا ہے لیکن یہاں چونکہ بات پیرِ پیراں کی تھی اس لئے بات قبول نہ ہوئی اور جہاں اپنی بات چھڑی تو زلف یار کی طرح دراز ہوتی گئی، لیجئے آپ بھی سنئے :۔

"خاں صاحب نے فرمایا کہ پھلاوہ ضلع میرٹھ میں لاڈر کے قریب ایک مقام ہے، وہاں کے رہنے والے ایک شخص تھے جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا، یہ صاحب حافظ عبد الغنی صاحب کے دادا کے چھوٹے بھائی تھے اور رئیس بھی تھے، ان صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ جو چہ بکری کا پیدا ہوتا تھا میں اس کی اون کتروا لیتا تھا، اس طرح میں نے اون جمع کروا کے حاجی صاحب (حضرت امداد اللہ) کے لئے ایک کملی بنوائی اور اس وقت تک میں

حاجی صاحب کی زیارت سے مشرف نہ ہوا تھا بلکہ غائبانہ طور پر معتقد تھا۔
جب میں حج کے لئے گیا تو اس کملی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ ایک جگہ ہمارا جہاز طغیانی میں آ گیا اور جہاز میں ایک شور مچ گیا۔ میں چھتری پر تھا، وہاں سے اتر کر کشتی کی جالیوں سے کمر لگا کر اور منہ لپیٹ کر ڈوبنے کے لئے بیٹھ گیا۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا اب کچھ دیر میں جہاز ڈوبے گا۔
اسی اثنا میں مجھ پر غفلت طاری ہوئی۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ نیند تھی یا غم کی بد حواسی، اسی غفلت میں مجھ سے ایک شخص نے کہا: فلانے! اٹھو اور پریشان مت ہو، ہوا موافق ہو گئی ہے، کچھ دیر میں جہاز طغیانی سے نکل جاوے گا اور میرا نام امداد اللہ ہے، مجھے میری کملی دو! میں نے گھبرا کر کملی دینی چاہی، اس گھبراہٹ میں آنکھ کھل گئی اور میں نے لوگوں سے کہہ دیا کہ تم مطمئن ہو جاؤ، جہاز ڈوبے گا نہیں، کیونکہ مجھ سے حاجی صاحب نے خواب میں بیان فرمایا ہے کہ جہاز ڈوبے گا نہیں۔ اس کے بعد میں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کوئی حاجی امداد اللہ صاحب کو جانتا ہے؟ مگر کسی نے اقرار نہیں کیا۔
آخر جہاز طغیانی سے نکل گیا اور ہم مکہ پہنچ گئے۔ میں نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ کوئی مجھے حاجی صاحب کو نہ بتلائے، میں خود ان کو پہچانوں گا۔ جب میں طوافِ قدوم کر رہا تھا تو میں نے طواف کرتے ہوئے حاجی صاحب کو مالکی مصلے کے قریب کھڑے دیکھا اور دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کیونکہ ان کی شکل اور لباس وہی تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا، صرف فرق اتنا تھا کہ جب میں نے جہاز میں دیکھا تھا تو اس وقت آپ لنگی پہنے ہوئے تھے اور اس وقت پاجامہ۔ میں نہیں سمجھتا کہ اتنا فرق کیوں تھا۔ خاں صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ وجہ بیان کی کہ جہاز کو طغیانی سے نکالنے کے لئے لنگی ہی مناسب تھی۔"[1]

1: حکایاتِ علمائے دیوبند، ۱۸۹۔۱۸۸، مطبوعہ ایم ثناء اللہ اینڈ سنز، ریلوے روڈ، لاہور

ملاحظہ فرمایا آپ نے ؟ غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کشتی کو دریا سے نکالنے والے واقعے پر چیں بہ جبیں ہونے والے حضرات اپنے بارے میں بعینہ اسی طرح کاواقعہ کس طرح مزے لے لے کربیان کر رہے ہیں۔ یہاں شرک کا کوئی پہلو ہے اور بدعت نہ کا شائبہ ! آپ سارے واقعے کو بار بار پڑھیں، حاضر ناظر، علم غیب، کائنات پر تصرف، امدادِ غیبی، الغرض کونسا عقیدہ ہے جسے شربت سمجھ کر یہاں حلق سے نیچے اتارا نہیں گیا ؟

رہی یہ بات کہ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ بات کیوں شرک تھی اور یہاں اسلام کیوں بن گئی ہے تو اس کا فیصلہ قارئین خود کرلیں۔ اس کے باوصف بر صغیر میں بدعات کے مجوز و مؤید اور ضعیف الاعتقادی کے بانی فاضل بریلوی ہیں !فاعتبروا یا أولی الأبصار.

اپنی طریقت کا بھرم قائم رکھنے کی خاطر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے انتساب اور ان کی مدح میں ایسے واقعات بیان کرنا ضروری ہیں ورنہ حضرت حاجی صاحب کا "فیصلہ ہفت مسئلہ" ان حضرات کے نزدیک آج بھی بدعت کا پلندہ ہے۔ علمائے اہل سنت کی طرف سے بارہا دعوت پیش کی گئی ہے کہ متنازعہ امور میں "فیصلہ ہفت مسئلہ" ہی کو قولِ فیصل قرار دے کر اتحاد کی راہ ہموار کی جائے مگر ایسے مواقع پر جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے حاجی صاحب سے طریقت میں بیعت کی ہے شریعت میں نہیں۔ شریعت کے مسائل انہیں ہم سے پوچھنے چاہئیں۔

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا مسلک کیا تھا ؟ اس مکتبِ فکر کی عمومی رائے ان کے بارے میں کیا ہے ؟ خود حضرتِ گنگوہی کی زبانی سنئے :-

" فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر آج کل کے نوجوان مولوی اعتراض کرتے ہیں اور حضرت مولانا گنگوہی حالانکہ امامِ وقت تھے مگر کبھی ان کی زبان سے اعتراض نہیں نکلا اور اعتراض تو کیا مولانا تو بالکل عاشق فانی تھے۔

ایک دفعہ مولانا گنگوہی مولوی صادق الیقین سے فرماتے تھے کہ فلاں صاحب نے کیسی بری بات لکھی کہ حضرت تو بدعتوں میں مبتلا ہیں، ہماری نسبت تو قطع ہو گئی، دیکھو کیسی رنج کی بات ہے، بھلا ان باتوں سے نسبت قطع ہوتی ہے؟ بھلا حضرت حاجی صاحب بدعتی ہیں۔

فرمایا کہ مولوی صادق الیقین حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں جانے لگے تو مولانا گنگوہی نے وصیت فرمائی، دیکھئے ان بزرگوں کو نورِ باطن تو ہوتا ہی ہے مگر اللہ تعالیٰ نورِ ظاہر بھی اس قدر عطا فرماتے ہیں کہ جس کی انتہاء نہیں کہ میاں مولوی صادق الیقین جیسے جا رہے ہو ویسے ہی چلے آئیو۔ اپنے اندر کوئی تغیر پیدا نہ کیجئیو، ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اس سے حضرت مولانا کا یہ مطلب تھا کہ وہاں جا کر حضرت حاجی صاحب کے افعال میرے خلاف دیکھو گے، اگر مجھ سے عقیدت رہی تو حاجی صاحب کو چھوڑ دو گے اور اگر حاجی صاحب سے عقیدت رہی تو مجھے چھوڑ دو گے۔

چنانچہ انہوں نے مسلک مولانا کا رکھا اور حضرت حاجی صاحب کے بھی جاں نثار تھے، مجھ سے مولوی صادق الیقین کہتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں اور مولانا کے یہاں تو زمین آسمان کا فرق ہے، کوئی تطبیق ہو ہی نہیں سکتی۔ میں نے عرض کیا کہ فاتحہ خلف الامام کو ایک حرام کہتے ہیں، ایک فرض کہتے ہیں، اس میں بھی تو کوئی تطبیق نہیں ہو سکتی، پھر ہم دونوں کو حق پر مانتے ہیں، ایسے ہی یہاں سمجھو۔"[1]

ہمیں اس واقعے پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا ہے، "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" مگر ایک بات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اگر حضرت حاجی صاحب قدیم ہندوستان کے سوادِ اعظم اور مسلک کی ترجمانی اپنے قول و فعل سے فرمائیں تو وہ شافعی حنفی اختلافات کی مانند حق و صواب پر ہیں اور اگر یہی بات علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا فضل رسول بدایونی، فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں کہہ دیں تو

---

[1] حکایات علمائے دیوبند: ۱۷۔۱۔۳۱۶

وہ مجرم گردن زدنی اور مشرک وبدعتی قرار پائیں، کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر فتویٰ داغنے سے اپنے گھر کو لگتی ہے اور اپنے فقر و فنا اور طریقت و تصوف کی ساری عمارت دھڑام سے زمین پر آگرتی ہے جبکہ علامہ خیر آبادی، مولانا بدایونی اور فاضل بریلوی کو کوسنے سے ایسا نہیں ہوتا ورنہ ہمیں بتایا جائے کہ وہ کونسا مسئلہ ہے جس میں حضرت حاجی صاحب نے مذکور الصدر علماء سے اپنی راہ ایک اختیار کی ہے یا جس میں انہوں نے ان کی ہم نوائی نہیں کی۔

جن باتوں کو بریلویت کی توہم پرستی اور بدعت قرار دیا جاتا ہے انہیں اپنے لئے جس خندہ پیشانی، بشاشت اور افراط سے اپنایا گیا ہے اس کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ تاہم موضوع کتاب کی مناسبت سے چند ایک واقعات کا بیان نامناسب نہ ہوگا۔ بزرگوں کے تبرکات اور کربلا کی خاک کا مذاق اڑانے والوں کا مسلمانوں کے ساتھ یہ سنگدلانہ مذاق ملاحظہ فرمایئے :۔

"فرمایا کہ مولوی معین الدین صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت جو بعد وفات واقع ہوئی، بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ بخار کی بہت کثرت ہوئی۔ سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جاکر باندھ لیتا اسے ہی آرام ہو جاتا، بس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈلواؤں تب ہی ختم، کئی مرتبہ ڈال چکا، پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جاکر کہا (یہ صاحبزادہ بہت تیز مزاج تھے) کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہو گئی۔ یاد رکھو کہ اگر اب سے کوئی اچھا ہوا تو ہم بھی نہ ڈالیں گے، ایسے ہی پڑے رہیو، لوگ جوتا پہنے تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے۔ بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا، جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہو گئی کہ اب آرام نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا۔"[1]

1: حکایات علمائے دیوبند : ۳۳۹

قبر کی مٹی سے بخار سے آرام ہو جانا، اسے خوشی سے بیان کرنا ہمارے نزدیک اتنا اہم نہیں جتنی یہ بات کہ "یادرکھو اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے" گویا اچھا کرنا نہ کرنا جو بقول تقویۃ الایمان خدا ہی کی صفت ہے اور غیر خدا کے لئے اسے تسلیم کرنا شرک ہے، مولوی محمد یعقوب صاحب کے کرشمہ قدرت کا ایک ادنیٰ سا کھیل ہے۔ جب تک انہوں نے چاہا لوگ اچھے ہوتے رہے، جو نہی انہیں ذرا سی دھمکی ملی، انہوں نے لوگوں کو شفایاب کرنا چھوڑ دیا، اس کے باوجود ابھی تک مشرک بریلوی ہیں ؎

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

لگے ہاتھوں یہ واقعہ بھی سماعت فرمالیجئے :۔

"حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی اور مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی میں باہم معاصرانہ چشمک تھی اور اس نے بعض حالات کی بنا پر ایک مخاصمت اور منازعت کی صورت اختیار کرلی اور مولانا محمود حسن صاحب گو اصل جھگڑے میں شریک نہ تھے، نہ انہیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی مگر صورت حال ایسی پیش آئی کہ مولانا بھی جائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جھک گئے اور یہ واقعہ کچھ طول پکڑ گیا۔

اسی دوران میں ایک دن علی الصباح بعد نمازِ فجر مولانا رفیع الدین صاحب نے مولانا محمود حسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا (جو دار العلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ موسم سخت سردی کا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو، مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا۔ فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی جسدِ عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تربہ تر ہو گیا اور فرمایا کہ محمود حسن کو کہہ دو

کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے، بس میں نے یہ کہنے کے لئے بلایا ہے۔

مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا۔"[1]

تھوڑی دیر کے لئے خالی الذہن ہو کر ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچئے کہ صرف اس واقعے میں اپنے لئے کتنے ایسے عقیدوں کا اثبات کیا گیا ہے جن کے بارے میں ایک صدی سے جمہور مسلمانوں کو بدعتی اور مشرک قرار دیا جا رہا ہے، اس صورت حال سے ذہن میں جو نقش ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس ساری منفی تحریک کا مقصد ایک بڑے اور قدیم گروہ کو منظر سے ہٹا کر اپنی پیری مریدی اور مشیخت کی مسند بچھانے کے سوا اور کچھ نہیں۔

رہا یہ امر کہ فسق و فجور اور شرک و بدعت کے خلاف زبانی اور قلمی جہاد علمائے حق کا فریضہ ہے تو ہم کسی رو رعایت کے بغیر عرض کرتے ہیں کہ علمائے اہل سنت بالخصوص فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں نے اس فرض میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں کی۔ شرک و بدعت کے خلاف جس طنطنے کے ساتھ انہوں نے قلم اٹھایا ہے وہ اس دور میں ہمیں اور کسی جگہ نظر نہیں آتا۔ جو امور فی الواقع بدعت ہیں یا جن میں شرک کا ادنیٰ سا شائبہ ہے چاہے وہ امور ہماری خانقاہوں میں رائج ہوں یا ان میں عوام کے علاوہ ہمارے خواص بھی مبتلا ہوں، ان کے بارے میں انہوں نے بلا خوفِ لومۃ لائم حق و صداقت کی آواز بلند کی ہے۔ اس بارے میں ان کا قلم ایسا خنجر ہے جو اپنے بیگانے کی تمیز روا نہیں رکھتا۔

اس ضمن میں سماع، سجدۂ تعظیمی اور بوسہ و طواف قبور ایسے بیسیوں مسائل پیش کئے جا سکتے ہیں جن پر آج بھی کتنے حلقے ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔

فاضل بریلوی کو علوم عقلیہ و نقلیہ میں جو تبحر حاصل تھا اس کی بنا پر وہ پوری خود اعتمادی کے ساتھ قلم اٹھاتے ہیں، ان کی روایتی سختی اور تشدد کا رونا رونے والے حضرات سجدۂ تعظیمی، طواف قبور اور سماع ایسے نازک مسائل میں ان کے قلم کی

1: حکایات علمائے دیوبند: ۲۶۱-۲۶۰

جولانیوں اور کاٹ سے کیوں آنکھیں بند کر لیتے ہیں، بلاشبہ فاضل بریلوی کی آواز حق و صداقت کی دعوت ہے جس میں جوش سے زیادہ ہوش اور مصلحت سے زیادہ جذبۂ حق کا غلبہ ہے، ان کی تحریریں ان کے روح و قلب کی آواز ہیں ؎

میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو

فضائل رسول اور نعت نبوی ﷺ کے باب میں ان کی مثال حضرت علامہ کے الفاظ میں کچھ یوں ہے ؎

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

اور عظمت رسالت اور تقدیس اولیاء سے متعلق ذرا سی لغزش اور کوتاہی پر ؎

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

☆☆☆☆☆

عجم کا حسن طبیعت عرب کا سوز دروں

فاضل بریلوی کا مزاج خالص دینی اور شرعی ہے، ان کے ہاں محک و معیار باعثِ ایجادِ عالم حضرتِ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی ہے، ان کا مشن اور پروگرام کوئی نئی چیز نہیں بلکہ عشقِ رسول ﷺ، اتباعِ سنت نبوی اور پیرویٔ سلف صالحین کے جذبے کو از سرِ نو اجاگر کرنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بحث و مناظرہ، جنگ و جدل اور تو تکار علمی قمار خانوں کی مہرہ بازی کے سوا کچھ نہیں۔ اصل چیز والہانہ عشق و محبت کا وہ تعلق ہے جو ایک مسلمان کو اپنے کملی والے آقا ﷺ سے نصیب ہوتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے ؎

بو علی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردۂ محمل گرفت

فاضل بریلوی کا اصل تجدیدی کارنامہ اسی جذبے کو علمی اور شرعی بنیادیں فراہم کرنا اور اسے بطور ایک مشن اور نظریۂ حیات کے پیش کرنا ہے۔ اگر کتابوں کے یہ انبار

مدرسوں کی بالا و بلند عمارتیں اور ہمارے جبہ و دستار ہمارے دلوں کو ذاتِ نبوی کی قدم گاہ اور ہماری آنکھوں کو خاکِ درِ دوست کی جلوہ گاہ نہیں بنا سکے تو پھر یہ ساری چیزیں کسی کام کی نہیں۔ غالباً اسی صورت حال کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

تو ہم مثلِ من از خود در حجابی   خنک روزے کہ خود را بازیابی
مرا کافر کند اندیشۂ رزق   ترا کافر کند علم کتابی

گزشتہ ایک صدی سے فاضلِ بریلوی کے خلاف جو معاندانہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے وہ ابتداءً شعوری طور پر اور اس وقت زیادہ تر سنی سنائی اور اپنے اساتذہ کی باتوں پر مکھی پر مکھی مارنے کے اصول پر مبنی ہے، شروع میں ان کے خلاف اس قدر شدت اور زور و شور سے مہم چلانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ فاضل بریلوی نے اپنے علمی تبحر، غیر معمولی صلاحیت، عبقریت، بے شمار علوم میں مہارت، قوتِ استدلال، قوی حافظے، استخراجِ مسائل، کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے، زود نویسی سے مخالفین کے منہ پھیر دیئے۔ فردِ واحد کی یہ صلاحیتیں صدیوں کی مجموعی کارکردگی پر بھاری تھیں، مخالفین کے کئی منظم ادارے کسی اعتبار سے اس اکیلی شخصیت کا مقابلہ نہیں کر پا رہے تھے، گویا ؎

ظہور صبح نے سب کارخانہ کر دیا ابتر
فروغِ شمع کا، پروانہ کا، اربابِ محفل کا

تو انہوں نے فاضل بریلوی کے خلاف شدت سے پروپیگنڈہ شروع کر دیا، اس میں سر فہرست یہی الزام تھا کہ یہ لوگ بدعتی ہیں اور باتوں میں چاہے کچھ صداقت ہو مگر فاضل بریلوی پر شرک و بدعت کا الزام سو فیصد غلط اور اتہام ہے۔ یہ ایک ایسا سفید جھوٹ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس آخری دور میں فاضل بریلوی نے بھرپور زندگی گزاری ہے۔

آپ سلسلہ عالیہ قادریہ کے نامور شیخ طریقت تھے۔ اس دور میں برصغیر میں آپ کی ذات سے سلسلہ عالیہ قادریہ کو بہت فروغ حاصل ہوا ہے، آج ہزاروں کی تعداد میں آپ کے فیض یافتگان اور لاکھوں کی تعداد میں واسطہ بالواسطہ آپ کے مریدین ہیں۔

مجھے یہ کہنے میں کچھ باک نہیں کہ اس پر آشوب دور میں فاضل بریلوی نے بیشتر مشائخ اور خانقاہی سلسلوں سے دینِ اسلام کی زیادہ خدمات سر انجام دی ہیں۔ آپ کا امتیازی وصف یہ ہے کہ آپ نے اپنے طریقے کی بنیاد صرف اور صرف اتباعِ سنت پر رکھی ہے۔ آپ کے ہاں اوراد و اشغال، ذکر و فکر، نشست و برخاست، سلام و کلام الغرض ہر چیز میں سنت کو بنیاد بنایا گیا ہے، ساری زندگی عشقِ رسول ﷺ کا درس دینے والا اس کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتا تھا، حیرت در حیرت ہے کہ گزشتہ ایک صدی سے فاضل بریلوی کے خلاف بے سروپا اتہام طرازی کی جارہی ہے اور کسی اللہ کے بندے کو یہ توفیق نصیب نہیں ہوئی کہ فاضل بریلوی کو سمجھنے کے لئے براہِ راست ان کی کتابوں کا مطالعہ کرلے۔

ہمارے علماء کی نوجون نسل جس بری طرح شخصیت پرستی، تقلید جامد اور علمی انحطاط کا شکار ہوئی ہے، اسے دیکھ کر رونا آتا ہے، غور و فکر، تحقیق و مطالعہ، بے لاگ رائے، ہر مکتب و مسلک کی کتابیں پڑھنا پھر اس کے بعد صحیح تجزیہ اور اصابتِ رائے سے اس قوم کی اکثریت محروم ہو چکی ہے، ذہنی افلاس، ژولیدہ فکری، تنگ نظری، تعصب، ہٹ دھرمی، اندھی تقلید بطور متاعِ حیات اس نے اپنالی ہے۔ اس لیے علماء کے اس طبقے سے یہ توقع رکھنا کہ اس کی رائے سوچی سمجھی اور وزنی ہو گی، عبث امید ہے، ہمارے تعلیم یافتہ اور سمجھ دار طبقے کو چاہیے کہ وہ سو سالہ پروپیگنڈہ کا شکار ہونے کی بجائے گرد و غبار کی دبیز تہوں کے نیچے ہیرے ایسی فاضل بریلوی کی کھری شخصیت کا خود ان کی تصانیف کے ذریعے مطالعہ کرے۔ سطحی معلومات رکھنے والے لوگ آج بھی فاضل بریلوی کو میلاد خواں قسم کا نیم خواندہ جھگڑالو مولوی سمجھتے ہیں جس نے دنیا بھر کے شرکیہ عقائد اپنا لئے تھے اور بدعتوں کے دروازے کھول دیئے تھے حالانکہ یہ امر واقع ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد برصغیر میں فاضل بریلوی ایسا طباع اور زبردست جید عالم دین پیدا نہیں ہوا۔ آپ کے وقیع فقہی کام کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں، معمولی چھوٹے چھوٹے مسائل سے لے کر معیشت و معاشرت، اخلاق و عقائد کے مسائل میں جو باریک بینی، احتیاط اور نزاکت و لطافت

ہمیں فاضل بریلوی کے ہاں نظر آتی ہے اس کی نظیر سلف میں بھی خال خال ملتی ہے۔ مگر برا ہو تعصب کا کہ اسے یہ خوبی بھی برائی نظر آئی ۔

کیا ہے تجھ کو کتابوں نے کور ذوق اتنا
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوئے گل کا سراغ

زندگی کے عام مسائل کی طرح عقائد کے بارے میں یہی مشہور کیا گیا کہ وہ (فاضل بریلوی) آنحضرت ﷺ کو الوہیت کا درجہ دیتے ہیں، آنحضور ﷺ کے لئے ذاتی اور غیر متناہی علمِ غیب کا اعتقاد رکھتے ہیں، جلیل القدر ائمہ پر بلا سوچے سمجھے کفر کے فتوے دے دیتے ہیں، العیاذ باللہ!

خود فاضل بریلوی رقمطراز ہیں :۔

"۔۔۔۔۔ مسئلۂ علم غیب میں افتراء چھانٹنے شروع کئے، کبھی یہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا علم ذاتی بے عطائے الٰہی مانتا ہے، کبھی یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا علم، علم الٰہی سے مساوی جانتا ہے، صرف قدم و حدوث کا فرق کرتا ہے، کبھی یہ کہ بہ استثنائے ذات و صفات الٰہی باقی تمام معلوماتِ الٰہیہ کو حضور اقدس ﷺ کا علم محیط بتاتا ہے، کبھی یہ کہ امور غیر متناہیہ بالفعل کو حضور پر نور ﷺ کا علم بہ تفصیل تمام حاوی ٹھہراتا ہے۔ حالانکہ اللہ واحد قہار دیکھ رہا ہے کہ سب ان اشقیاء کا افتراء ہے، سچے ہیں تو بتائیں کہ ان میں کونسا جملہ فقیر کے کس رسالے، کس فتوے میں تحریر ہے؟

میرے رسالہ (الدولة المكية بالمادة الغيبية) کی نظر اول میں ہے "علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے، اس کے غیر کے لئے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے، غیر متناہی بالفعل کو شامل ہونا صرف علمِ الٰہی کے لئے ہے۔

کسی مخلوق کا معلوماتِ الٰہیہ کو بتفصیلِ تام محیط ہو جانا شرع سے بھی محال ہے اور عقل سے بھی، بلکہ اگر تمام اہل عالم اگلے پچھلوں سب کے جملہ علوم جمع کئے جائیں تو

ان کو علومِ الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندروں سے ــــــــــ ہماری تقریر سے روشن و تاباں ہوگیا کہ تمام مخلوق کے علوم مل کر بھی علم الٰہی سے مساوی ہونے کا شبہ اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل میں اس کا خطرہ گزرے ــــــــ ہم نہ علمِ الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر خدا کے لئے علم بالذات جانیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا جانتے ہیں نہ کہ جمیع۔" [1]

آگے چل کر حضرت فاضل بریلوی نے اپنے موقف کی مزید وضاحت فرمائی ہے لکھتے ہیں :۔

(۱) "بلاشبہ غیر خدا کے لئے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں، اس قدر خود ضروریات دین سے ہے اور منکر کافر۔

(۲) بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا، معاذ اللہ مساوی در کنار تمام اولین و آخرین و انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین سب کے علوم مل کر علومِ الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرا سی بوند کے کروڑویں حصے کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑوں حصہ دونوں متناہی ہیں، اور متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہے بخلاف علومِ الٰہیہ کے غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں، اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش و فرش و شرق غرب، و جملہ کائنات از روزِ اول روزِ آخر کو محیط ہو جائیں، آخر متناہی ہیں کہ عرش و فرش دو حدیں ہیں، شرق و غرب دو حدیں ہیں، روزِ اول و روزِ آخر دو حدیں ہیں اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہو، سب متناہی ہے، بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا تو جملہ علومِ خلق کہ علم الٰہی سے اصلاً نسبت ہونی ہی محال قطعی ہے نہ کہ معاذ اللہ توہم مساوات۔

(۳) یونہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے، یہ بھی ضروریات دین سے

۱: خالص الاعتقاد: فاضل بریلوی: ۱۹ تا ۲۱، مطبوعہ بریلی

ہے، جو اس کا منکر ہو، کافر ہے کہ سرے سے نبوت کا ہی منکر ہے۔

(۴) اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کا حصہ تمام انبیاء، تمام مخلوق سے اتم و اعظم ہے، اللہ عزوجل کی عطا سے حبیبِ اکرم ﷺ کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ ہی جانتا ہے، مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا، مگر وہابیہ کو محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمتِ شان کس دل سے گوارا ہوا انہوں نے :

i۔ صاف کہہ دیا کہ حضور کو دیوار پیچھے کی بھی خبر نہیں۔

ii۔ وہ اور تو اور خود اپنے خاتمہ کا بھی حال نہیں جانتے۔

iii۔ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ خدا کے بتائے سے بھی اگر بعض مغیبات کا علم ان کے لئے مانے جب بھی مشرک ہے۔

iv۔ اس پر قہر یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو تو دیوار پیچھے کی بھی خبر نہ مانیں اور ابلیس لعین کے لیے تمام زمین کا علم حاصل جانیں۔

v۔ اس پر عذر یہ کہ ابلیس کی وسعتِ علم نص سے ثابت ہے، فخر عالم کی وسعتِ علم کی کونسی نص قطعی ہے۔

vi۔ پھر ستم قہر یہ کہ جو کچھ ابلیس کے لئے خود ثابت مانا محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے اس کے ماننے پر جھٹ حکمِ شرک جڑ دیا یعنی خدا کی خاص صفت ابلیس کے لئے تو ثابت ہے، وہ تو خدا کا شریک ہے مگر حضور کے لئے ثابت کرو تو مشرک ہو۔

vii۔ اس پر بعض غالی اور بڑھے کہ جیسا علم غیب محمد رسول اللہ ﷺ کو ہے ایسا تو ہر پاگل اور چوپائے کو ہوتا ہے، إنا لله و إنا إليه راجعون"۔[1]

اعتقادیات سے متعلق فاضل بریلوی کے بارے میں جو افسانے مشہور کیے گئے ہیں وہ ایک مستقل کتاب کا موضوع ہیں۔ بظاہر یہ تاثر دیا گیا ہے کہ زندگی کے عام مسائل سے لے کر اعتقادی مسائل تک میں فاضل بریلوی انتہائی غالی اور افراط و تفریط

۱: خالص الاعتقاد: فاضل بریلوی: ۲۹ تا ۳۰، مطبوعہ بریلی

کا شکار ہیں، حاشا و کلا معمولی مسائل سے لے کر مسئلہ تکفیر تک فاضل بریلوی جس حزم، احتیاط اور فقہی و شرعی جزئیات کی پاسداری سے کام لیتے ہیں وہ بابید و شاید کہیں اور پائی جاتی ہو، میں نے بطور مثال علمِ غیب کے بارے میں ان کا موقف خود انہی کی زبانی پیش کیا ہے، اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ ان پر حملہ آور ہونے سے پہلے مستند طور پر ان کی کتابوں کو پڑھا اور دیکھا جائے۔ جس شخص کی پچاس مختلف علوم پر ہزاروں وقیع اور علمی تصانیف موجود ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اسے مَوردِ الزام ٹھہرانے کے لئے اس کی تصانیف کو چھوڑ کر نیم خواندہ مولویوں کی تصانیف یا کم علم واعظین اور غیر ذمہ دار عناصر کا سہارا لیا جائے۔ اس قسم کے لوگ کہاں نہیں ہوتے؟ سوادِ اعظم کے ہر ہر شخص کے قول و فعل کی ذمہ داری فاضل بریلوی پر ڈالنا کیونکر صحیح ہے؟ آج تک فاضل بریلوی کے ساتھ جو صورت روا رکھی گئی ہے وہ زیادہ تر اسی نوعیت کی ہے۔

اگر آج دنیا کے اسی کروڑ مسلمان اپنے ہادی و مرشد، نجات دہندۂ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قول و فعل کے پابند نہیں ہیں، تو یہ ذمہ داری ایک شیخ طریقت اور عالمِ دین پر کیونکر ڈالی جاسکتی ہے؟ اگر آج کوئی شخص قبروں کو سجدہ کر رہا ہے، انہیں حاجت روا سمجھ کر ان کے طواف کر رہا ہے، اگر کہیں شرعی حدود و قیود کے بغیر محفلیں منعقد ہو رہی ہیں، اگر کوئی شخص غیر اللہ کو الوہی صفات دے رہا ہے تو یہ ساری باتیں فاضل بریلوی ایسے دیدہ ور عالم متبع سنت اور عاشقِ رسول کے کھاتے میں کیوں ڈالی جاتی ہیں جس کی ساری زندگی زبان و قلم کے ذریعے جہاد کرتے گزری ہے اور جس کی ان مسائل میں سے ہر ہر مسئلے پر گراں قدر علمی تصانیف موجود ہیں۔

گزشتہ ایک صدی سے سوچے سمجھے بغیر جس طرح فاضل بریلوی کی تضحیک کی جا رہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شروع میں مخصوص مقاصد کی خاطر کچھ لوگوں نے فاضل بریلوی کے خلاف اتہام طرازی کی ابتداء کی تو بعد میں آنے والے لوگوں نے سعادت مند اخلاف کا ثبوت دیتے ہوئے اسے کمال تک پہنچایا، جس شخص کے خلاف یہ طوفان اٹھایا جا رہا ہے اسے نگاہِ غلط انداز سے بھی کسی نے دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ ہمارے سہل انگار اور لکیر کے فقیر دانشور فاضل بریلوی کا نام آتے ہی ناک بھوں چڑھا

کر کہتے ہیں کہ وہ تو اپنے علاوہ ساری دنیا کو کافر سمجھتے تھے۔ اس جھوٹ کو اس قدر بار بار اور کثرت سے دہرایا گیا کہ بالآخر وہ سچ معلوم ہونے لگا ہے۔

ایک صدی کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں، اس میں بطور مشن کے اسی بات کی تبلیغ کی گئی ہے، اس دوران دو تین نسلیں بدل گئی ہیں۔ ادھر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی نے سوادِ اعظم کے تمام علمی مراکز اور سرچشموں، بدایوں، خیر آباد، لکھنؤ، دہلی کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ دنیا کی مایہ ناز علمی شخصیتوں نے انگریزی سامراج سے نبرد آزمائی کے عوض پھانسی کے پھندوں اور کالے پانی کو جا آباد کیا۔ چنانچہ دوسری طرف سے خاموشی کے ماحول نے فضا اور ساز گار بنادی۔ فاضل بریلوی تو خیر علمی اور عملی اعتبار سے بہت ہی قد آور شخصیت ہیں مگر کیا کسی معمولی پڑھے لکھے آدمی سے بھی اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے جو مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی فاضل بریلوی سے منسوب کر رہے ہیں، ان کا کہنا ہے:

> "یاد رہے مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے اور اپنے معتقدوں کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابو جہل و ابو لہب سے بھی بڑھ کر اکفر سمجھتے تھے"۔ (ذکر آزاد: مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی)

اگر انصاف دنیا سے رخصت نہیں ہو گیا تو پھر اہل دیانت سے گزارش ہے کہ وہ تاریخ کے اس مظلوم اور ستمِ اغیار عبقری کے ساتھ انصاف کریں۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ فاضل بریلوی میں جوش اور شدت ہے مگر یہ بات کبھی فراموش نہ کرنی چاہیے کہ ان کی یہ شدت ان کے اخلاص پر مبنی، ان کے دل کی گہرائیوں کی آواز ہے، وہ اپنے اندر تجدیدی شان لئے ہوئے ہیں، اس منصب پر اپنی علمی بصیرت اور تبحر کے حوالے سے انہیں اس بات کا پورا پورا حق پہنچتا ہے۔

برصغیر میں ہمیں یہ جوش، ولولہ اور شدت حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں بآسانی مل جاتا ہے، فاضل بریلوی کا جوش، ولولہ اور طنطنہ ان کی اس تڑپ کا اظہار ہے جو عظمت و تقدیس رسالت کے منافی سرگرمیوں کو دیکھ کر ان کے دل میں تھی، مگر خیال رہے کہ اس شدت اور جوش میں ان کا قدم صراط مستقیم سے ذرہ برابر بھی

ادھر ادھر نہیں ہوا اور ان کا یہ ولولہ صرف مخالفین کے ہی خلاف نہیں بلکہ عظمتِ رسالت کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اتباع سنت، رد بدعت، اسلامی اقدار کے احیاء اور فروغ کے بارے میں بھی ان کے ہاں وہی ہمہمہ، جذبہ اور جوش ہے اور یہ جوش و عزم فی الواقع محمود اور مطلوب شرع ہے۔

اس موقع پر ہمیں ان حالات کو سامنے رکھنا ہوگا جن کے خلاف فاضل بریلوی کو صف آرا ہونا پڑا۔ اگر اس پس منظر کو اچھی طرح دیکھ لیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اگر فاضل بریلوی میں یہ جوش، ولولہ اور عزم و ارادہ نہ ہوتا اور اس کے ساتھ ان کی کوہِ گراں قد آور علمی و روحانی شخصیت نہ ہوتی تو اس جدید تحریک کا مقابلہ کسی طرح نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے
اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری

فاضل بریلوی کے خلاف اتہام و الزام کی جو مہم چلائی گئی اس کا انہیں خود بھی احساس تھا، چنانچہ فرماتے ہیں :۔

"ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتاویٰ تکفیر کا کیا اعتبار؟ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں، ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحٰق کو کہہ دیا، مولوی عبدالحی صاحب کو کہہ دیا، پھر جن کی حیاء اور بڑھی ہوئی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا، حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا، مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب کو کہہ دیا، پھر جو پورے ہی حد حیاء سے اونچے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عیاذاً عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی کو کہہ دیا۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہہ دیا یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد

حسین الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جا کر جڑ دی کہ معاذ اللہ، معاذ اللہ، معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا، مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے انہوں نے آیۂ کریمہ إن جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا پر عمل فرمایا، خط لکھ کر دریافت کیا۔"[1]

اس الزام کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے مزید وضاحت کرتے ہیں :۔

"یہی دشنامی لوگ جن کے کفر پر اب فتویٰ دیا ہے، جب تک ان کی دشنامیوں پر اطلاع نہ تھی، مسئلہ امکانِ کذب کے باعث ان پر اٹھتر وجہ سے لزوم کفر ثابت کر کے "سبحان السبوح" میں بالآخر صفحہ ۸۰ طبع اول پر یہی لکھا کہ حاش للہ حاش للہ ہزار بار حاش للہ! میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا، ان مقتدیوں یعنی مدعیان جدید کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں اگرچہ ان کی بدعت و ضلالت میں شک نہیں اور امام الطائفہ (اسمٰعیل دہلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے اہل لا إله إلا الله کی تکفیر سے منع فرمایا ہے۔ جب تک وجہِ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لئے اصلاً کوئی ضعیف سا ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے **الإسلام یعلو ولا یعلیٰ**[1]۔

مسلمانو! مسلمانو! تمہیں اپنا دین وایمان اور روز قیامت و حضور بارگاہِ رحمٰن یاد دلا کر استفسار ہے کہ جس بندۂ خدا کی دربارہ تکفیر یہ شدید احتیاط، یہ جلیل تصریحات، اس پر تکفیر کا افتراء کتنی بے حیائی، کیا ظلم، کتنی گھناؤنی ناپاک بات۔۔۔۔۔

مسلمانو! یہ روشن، ظاہر، واضح، قاہر عبارات تمہارے پیش نظر ہیں جنہیں چھپے ہوئے دس دس اور بعض کو سترہ اور تصنیف کو انیس سال ہوئے ان عبارات کو بغور نظر فرماؤ اور اللہ اور رسول کے خوف کو سامنے رکھ کر انصاف کرو، یہ عبارتیں فقط ان مفتریوں کا افتراء رد نہیں کرتیں بلکہ صراحۃً صاف صاف شہادت دے رہی ہیں کہ ایسی عظیم احتیاط والے نے ہرگز ان دشنامیوں کو کافر نہ کہا جب تک یقینی، قطعی، واضح،

---

[1]: حسام الحرمین : ۴۰۔۴۱، مطبوعہ بریلی

روشن، جلی طور سے ان کا صریح کفر آفتاب سے زیادہ ظاہر نہ ہو لیا، جس میں اصلاً اصلاً ہرگز ہرگز کوئی گنجائش، کوئی تاویل نہ نکل سکی کہ آخر یہ بندۂ خدا وہی تو ہے جو ان کے اکابر پر ستر ستر وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی کہتا ہے کہ ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے اہلِ لا إله إلا الله کی تکفیر سے منع فرمایا ہے، جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکمِ اسلام کے لیے اصلاً کوئی ضعیف سا ضعیف محل بھی باقی نہ رہ جائے۔

یہ بندۂ خدا وہی تو ہے جو خود ان دشنامیوں کی نسبت اٹھتر وجہ سے حکم فقہائے کرام لزومِ کفر کا ثبوت دے کر یہی لکھ چکا تھا کہ ہزار ہزار بار حاش للہ! میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا، جب کیا ان سے کوئی ملاپ تھا اب رنجش ہوگئی، جب ان سے جائیداد کی شرکت نہ تھی اب پیدا ہوئی، حاش للہ! مسلمانوں کا علاقۂ محبت و عداوت صرف محبت و عداوت خدا اور رسول ہے، جب تک ان دشنام دہوں سے دشنام صادر نہ ہوئی یا اللہ و رسول کی جناب میں ان کی دشنام نہ دیکھی سنی تھی، اس وقت تک کلمہ گوئی کا پاس لازم تھا، غایتِ احتیاط سے کام لیا حتی کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح ان پر کفر لازم تھا مگر احتیاطاً ان کا ساتھ نہ دیا اور متکلمینِ عظام کا مسلک اختیار کیا۔ جب صاف صریح انکار ضروریاتِ دین و دشنام رب العالمین و سید المرسلین ﷺ آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ اکابر ائمہ دین کی تصریحیں سن چکے۔"[1]

تکفیر و تفسیق سے متعلق فاضل بریلوی کی احتیاط اور حتی الامکان دامن بچانے کا جذبہ ان کی زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے، رہی یہ بات کہ ان کے قلم سے بعض ایسے فتوے نکلے، تو ہم شرح صدر سے یہ بات عرض کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ فتوے بہ امر مجبوری پوری چھان پھٹک، تحقیق، کرید کے بعد دیئے اور اس وقت دیئے جب شرعی طور پر انہوں نے اس کے علاوہ اور کوئی راہ نہ دیکھی، جن عبارات پر یہ فتوے دیئے گئے ہیں وہ واقعی اس قسم کی ہیں جن سے ایک مہذب معاشرے کا عام فرد بھی نفرت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا اور عجیب بات یہ ہے کہ ان عبارات کا زیادہ تر تعلق

1: حسام الحرمین : فاضل بریلوی : ۴۳ تا ۴۵، مطبوعہ بریلی

براہِ راست آنحضور ﷺ کی ذات گرامی سے ہے جن کے بارے میں عشاق کا شروع سے نظریہ یہ رہا ہے۔

معنی حرفم کنی تحقیق اگر بنگری بادیدۂ صدیق اگر
قوت قلب و جگر گردد نبی از خدا محبوب تر گردد نبی

اور حضرت علامہ اقبال نے تو یہاں تک فرمادیا۔

خدا اندر قیاس ما نہ گنجد
شناش آں را کہ گوید ما عرفناک

یہاں بر سبیل تذکرہ یہ واقعہ ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت علامہ اقبال نے حقیقتِ محمدیہ پر عبدہٗ کے زیر عنوان جب اپنے یہ مشہور اشعار لکھے۔

عبدہ از فہم تو بالا ترست زانکہ او ہم آدم وہم جوہر ست
عبدہ صورت گر تقدیر ہا اندر و ویرانہا تعمیر ہا
عبدہ دہر ست و دہر از عبدہ ست ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بو ست
کس ز سر عبدہ آگاہ نیست عبدہ جز سر الا اللہ نیست
عبد دیگر عبدہ چیز دگر ما سراپا انتظار او منتظر

اس پر مشہور مؤرخ علامہ اسلم جیراج پوری نے طویل تبصرہ کیا، مولانا جیراج پوری یہ اشعار نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یہاں تک کہ صاف صاف کہتے ہیں۔

لا الہ تیغ و دم او عبدہٗ
فاش تر خواہی بگو ہو عبدہٗ

ان اشعار پر مولانا جیراج پوری کا پارۂ حرارت چڑھ گیا، اگر اس کا قائل کوئی عالم دین ہوتا تو وہ آنکھ جھپکتے ہی مشرک، بدعتی، غالی اور نہ جانے کیا کیا کچھ بن جاتا مگر اس کا قائل ایک ایسا شخص تھا جو جدید و قدیم کا عالم، اسلام اور ملتِ اسلامیہ کا دردمند تھا، اور جس کے فکر و فلسفہ پر آج پورے عالمِ اسلام کو ناز ہے۔ مگر اس سے آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ اتنے اعزازات کی وجہ سے حضرت علامہ اقبال کو معاف کر دیا گیا ہوگا،

مولانا جیراج پوری فرماتے ہیں :۔

"فلک مشتری پر ڈاکٹر صاحب کی ایک ادا قرآن کے خلاف معلوم ہوئی اس لیئے اس کو بھی ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، وہ جوہر مصطفیٰ کی حقیقت جس کو اللہ تعالی معراج کے بیان میں عبدہٗ فرماتا ہے حلاج کی زبان میں اس طرح بیان کرتے ہیں"۔

اس کے بعد مولانا جیراجپوری نے مذکورۃ الصدرۃ اشعار نقل کئے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں :

"یہ حقیقت میں غلو ہے۔"[1]

غور فرمایا آپ نے ؟ عظمت و حقیقت محمدیہ کی بات کرنے پر بیک جنبش قلم کس طرح حضرت علامہ غالی اور قرآن کے مخالف قرار پا گئے ؟ حضرت علامہ کے خلاف الزام میں جو صداقت ہے وہی فاضل بریلوی کے خلاف فردِ جرم میں بھی ہے۔ فاضل بریلوی کا جرم اور گناہ قطعاً علامہ اقبال سے مختلف نہیں ہے، دونوں کی دعوت عشق رسول ﷺ ہے، دونوں کا مطالبہ حقیقتِ محمدیہ کا ادراک اور اس کی آفاقی اور لافانی عظمتوں کی تقدیس ہے، دونوں کی درخواست اتباع اور محبت رسول ﷺ ہے، دونوں حضرات نے زوال پذیر ملتِ مسلمہ کی پستی اور انحطاط کا واحد حل دامانِ رسالت پناہ ﷺ سے کامل وابستگی کو قرار دیا ہے، حضرت علامہ سید عالم ﷺ کی شان جمالی اور رحمۃ للعالمینی کے ترجمان تھے جبکہ فاضل بریلوی شانِ جمالی کے ساتھ ساتھ شان جلالی کے بھی ترجمان تھے، اس لیئے انہوں نے اس بارے میں کسی نرمی اور رعایت سے قطعاً کام نہیں لیا۔

فاضل بریلوی کی درشتی کا رونا رونے والے تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، براہینِ قاطعہ اور حفظ الایمان کی ان جگر سوز اور دلخراش عبارات کی طرف کیوں توجہ نہیں دیتے جنھوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے دل و دماغ جھنجوڑ کر رکھ دیئے ہیں، ان میں سے بیشتر کتابیں اردو میں ہیں، کیا اردو زبان سے معمولی شدبد رکھنے والے حضرات یہ

---

[1]: نوادرات (مجموعہ مضامین علامہ اسلم جیراجپوری) : ۱۱۹، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام، رابسن روڈ، کراچی

فیصلہ نہیں کر سکتے کہ اللہ کے حبیب حضرتِ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات والا تبار کے بارے میں زبان و قلم کو کن آداب اور باریکیوں کا پابند ہونا چاہیے ؟ ۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

آخر دین کا کونسا فریضہ اور ضروری مطالبہ ہے کہ یہ کتابیں بار بار چھاپی جائیں ؟ ضد اور ہٹ دھرمی کی جائے ایسا کیوں نہیں کیا جاتا کہ تمام قابلِ اعتراض عبارات کے بارے میں متعلقہ زبانوں کے ادیبوں اور غیر جانبدار ماہرین کا بورڈ بنا کر ان عبارات کو مناسب الفاظ میں تبدیل کر دیا جائے ؟ ایک صدی کی مناقشہ بازی، جنگ و جدل، غیر ضروری لٹریچر کی طباعت پر کروڑوں روپے کے ضیاع اور امت مسلمہ میں فرقہ بازی کو گوارا کر لیا گیا ہے مگر آنحضور ﷺ کی ذات مطہرہ سے متعلق ان زہر آلود عبارات کو اپنے چند اساتذہ کی عزت وو قار کا مسئلہ بنالیا گیا ہے، یہ وہ عبارات ہیں جنہیں خود اس مکتب فکر کے سنجیدہ علماء بھی ناپسندیدہ قرار دے چکے ہیں مگر برا ہو شخصیت پرستی کا کہ اس نے جکڑ رکھا ہے۔

دنیائے مذہب کے اہل عقل و خرد کو یہ بات کان کھول کر سن لینی چاہئے کہ آج مذہب (چاہے کوئی ہو) خود زیر بحث ہے، اس کے بقا کی صورت صرف یہ ہے کہ اس کے ساتھ جذباتی اور والہانہ تعلق کو زیادہ مضبوط کیا جائے، قوموں کے عروج و زوال میں اپنے نظریۂ حیات سے شیفتگی اور والہانہ تعلق کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔

خیال رہے کہ تقویۃ الایمان کے نتیجے میں اٹھنے والی تحریک کی براہ راست زد اسی جذبے اور والہانہ تعلق پر پڑی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کے فلسفے پر گہری نظر رکھنے والے زعماء پوری شدت اور قوت کے ساتھ اس سے مزاحم ہوئے ہیں، ان جگر پاش عبارات کے قابل عمل تصفیے کے بغیر برصغیر کے مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی تلقین و تبلیغ کرنا کنوئیں سے مردار نکالے بغیر اسے پاک کرنے کے مترادف ہے۔

اس وقت مولانا چیراغ پوری کی کتاب میرے سامنے ہے، اس میں انہوں نے علامہ اقبال کے ایک اور شعر کو موضوعِ تنقید بنایا ہے مگر ضمناً انہوں نے آنحضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس کے بارے میں جو الفاظ لکھے ہیں، میں دل پر پتھر رکھ کر انہیں آپ کے سامنے صرف اس لئے پیش کر رہا ہوں تاکہ آپ وہ پس منظر سامنے لا سکیں جس سے مجبور ہو کر فاضل بریلوی ان حضرات کے خلاف میدان میں آئے، فرماتے ہیں :-

"خود ڈاکٹر اقبال کو بھی یہ میم پسند نہیں آیا، ایک جگہ لکھتے ہیں ۔

کہیں تہذیب کی پوجا کہیں تعلیم کی ہے
قوم دنیا میں یہی احمد بے میم کی ہے

معلوم نہیں کہ قرآن شریف کے مطالعہ کے بعد جس طرح تصوف کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا خیال بدلا ہے، اسی طرح اس عقیدہ میں کوئی بھی تبدیلی ہوئی یا ابھی تک معذور صہبائے محبت ہیں اور خاک عرب کے سونے والے کو کچھ اور ہی سمجھتے ہیں"۔(نوادرات (حواشی : ۸۷)

بدعت اپنی جگہ مذموم ہے مگر ہر نئی بات کو بدعت کہہ کر رد کر دینے سے زندگی میں جو جمود اور تعطل پیدا ہوتا ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ ہمارے بعض جلیل القدر ائمہ اور فقہاء نے بدعت کو حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کیا، ورنہ موجودہ طرزِ تعلیم، مدارس کی بلند و بالا عمارتیں، مزین و منقش مساجد، وعظ و تقریر کی پر تکلف مجالس، لاکھوں روپے کے اخراجات سے چھپنے والا لٹریچر کس طرح بدعت سے خارج ہو جائیں گے ؟

خیال رہے کہ میں نے ان چیزوں کا نام لیا ہے جن کا تعلق دین سے ہے اور جنہیں ہم دینی کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں اور ان امور پر روپیہ پیسہ خرچ کرنے والوں کو جنت کی نوید سناتے ہیں حالانکہ خیر القرون میں ان میں سے کسی چیز کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ اگر بدعت کی تعریف یہی ہے کہ جس چیز کا وجود خیر القرون میں نہ پایا جائے اور بعد میں اسے ایجاد کر کے دینی امر کے طور پر سر انجام دیا جا رہا ہو تو کوئی ہمیں بتائے کہ مذکورہ بالا چیزیں جنہیں ہم خالص دینی کام سمجھ کر دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تلقین

کرتے ہیں، کیوں بدعت نہیں ہیں؟ غیر اسلامی اور ظالمانہ نظام حیات کے سامنے خاموشی اور سپر اندازی، غلط کار، بے دین اور راشی حکام سے میل جول اور روابط، ظالم سرمایہ داروں اور لوگوں کا خون چوسنے والے جاگیر داروں سے مدارس و مساجد کے لئے چندوں کی خاطر اپنی محفلیں سجانا، اجلاسوں میں انہیں اعزاز اور صدارتیں پیش کرنا آخر کیوں بدعت کے ذیل میں نہیں آتا؟ کیا بدعت کے فتوؤں کے لیے صرف میلاد، سلام وقیام، جلوسِ میلاد اور ذکر شہادتِ امام حسینؓ ہی کی محافل رہ گئی ہیں؟ عقیدۂ توحید، گیارہویں، ختم خواجگان اور محفل میلاد سے تو مجروح ہوتا ہے مگر زندگی کے باقی شعبوں میں متعدد طاقتوں اور قوتوں کو عملاً تسلیم کر لینے سے اسے کوئی گزند نہیں پہنچتا؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ توحید و شرک اور بدعت و سنت کے تصورات ہمارے خود ساختہ ہیں اور وہ موم کے ناک کی طرح ہر موقع پر ضرورت کے مطابق مڑتے اور ڈھلتے رہتے ہیں اور ان کے پیچھے کوئی معقولیت نہیں ہے۔

حالات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے سے جو حقیقت روزِ روشن کی طرح کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ حضرت فاضل بریلوی نے جن توہین آمیز عبارات پر گرفت کی وہ اس قدر صحیح، بر محل اور واقعہ کے مطابق تھی کہ اس کا کوئی جواب دیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس کا سیدھا اور صاف جواب ان عبارتوں سے رجوع اور انہیں بارگاہِ رسالت کے شایانِ شان الفاظ میں تبدیل کرنا تھا، مگر دوسری طرف سے ان توہین آمیز اور گستاخانہ عبارات پر اصرار اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا گیا، ان کی الٹی سیدھی تاویلات کا جو پاکھنڈ رچایا گیا، اس سے اردو زبان و ادب کے روزمرے اور محاورے آج تک شرمندہ ہیں، فخرِ کائنات ﷺ کے مقابلے میں اپنے اکابرین کی عزت و وقار کو زیادہ اہمیت دی گئی، اس صورت حال سے حضرت فاضل بریلوی نے تردید و تنقید میں مزید شدت پیدا کی، جس میں وہ ہر طرح حق بجانب تھے، تو معقول اور سیدھی راہ اختیار کرنے کے بجائے الزامی جواب کے طور پر فاضل بریلوی پر شرک و بدعت کے ہتھیاروں سے حملہ آور ہونے میں عافیت سمجھی گئی۔

اصولی طور پر پہلے فاضل بریلوی کے عائد کردہ الزامات سے پوری طرح اپنا

دامن صاف کیا جاتا، مابہ النزاع مسئلے یعنی اختلافی عبارات کے بارے میں کوئی مثبت اور معقول رویہ اختیار کیا جاتا، اس کے بعد اگر فاضل بریلوی کی کوئی بات قابل گرفت تھی تو اس پر گرفت کی جاتی۔ یہ کہاں کا انصاف اور علمی ثقاہت ہے کہ ایک شرعی اور دینی مسئلے میں ایک فریق کے سنگین الزامات کا جواب دیئے بغیر میدان میں نکل کر اسے للکارنا شروع کر دیا جائے۔

فاضل بریلوی کی کسی گرفت کا آج تک کوئی معقول اور مدلل جواب نہیں دیا گیا اور جواب دیا بھی کیا جا سکتا ہے؟ ان کی حجت آج بھی قائم ہے، میرا یہ دعویٰ ہے کہ اگر آج بھی ان تمام عبارات کی جانچ پرکھ کے لیے ماہرین کا بورڈ مقرر کر دیا جائے تو اس کا متفقہ فیصلہ یہی ہو گا کہ یہ عبارات بارگاہِ نبوی کی توہین اور گستاخی پر مشتمل ہیں۔ منطقی طور پر اس فیصلے سے بچنے کے لئے مسلمان عوام کا ذہن دوسری طرف پھیرنا ضروری تھا، چنانچہ شدت کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا گیا کہ فاضل بریلوی تو بدعات کے مؤید و مجوز اور شرکیہ عقائد کے حامی ہیں۔

اگر فاضل بریلوی کے خلاف یہ مہم کامیاب ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ان کی گرفت اور عالمانہ تنقید خود بخود بے وقعت ہو جاتی ہے۔

یہاں یہ بات بے جانہ ہو گی کہ صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ فاضل بریلوی پر طرح طرح کے دوسرے الزامات بھی عائد کئے گئے جن میں سرفہرست دار الحرب اور دار الاسلام کے بارے میں آپ کا فتویٰ اور ترکِ موالات سے متعلق آپ کا موقف ہے۔ یہاں اس مسئلے کی تفصیل کا موقع نہیں، اتنی بات ذہن میں رہے کہ فقہ حنفی کی تمام متون اور اہم نصوص کے مطابق فاضل بریلوی کا فتویٰ اور موقف ایسی حقیقت ثابتہ ہے جس کو آج بھی چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ جن حضرات نے بلا سوچے سمجھے جذباتی انداز میں اس ملک سے ہجرت کا نعرہ لگایا انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو جس طرح ذلیل و پریشان کیا وہ محتاجِ بیان نہیں، نقصان مایہ و شماتتِ ہمسایہ کے مطابق جب یہ لوگ بے نیلِ مرام ہندوستان واپس ہوئے اس وقت اس مردِ درویش کی سیاسی بصیرت اور دینی علوم میں مجتہدانہ عظمت کا احساس دلوں میں اجاگر ہوا، یہ فتویٰ خالص شرعی اور دینی

تقاضوں کے مطابق جاری ہوا اور وقت نے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کے حق میں اس سے بہتر اور مفید رہنمائی اس وقت کسی دوسری جگہ سے نہیں ملی۔ اس سے اگر کوئی شخص انگریزی استعمار کی تائید و تقویت کی بنیادیں فراہم کرتا ہے تو اسے ان دوسرے علماء کے متعلق بھی سوچ لینا چاہئے جو مسلکاً مخالف ہونے کے باوجود اس بارے میں فاضل بریلوی کے ہم نوا ثابت ہوئے۔ کیا فاضل بریلوی کے بارے میں فیصلہ دینے کے لئے اسی فتوے کو بنیاد بنایا جائے گا۔

انگریز ایسی جابر اور ظالم طاقت سے پنجہ آزمائی کرنے والی علمائے حق کی وہ جماعت جس نے خون کے نذرانے دے کر آزادیٔ وطن کی تحریک کا آغاز کیا، فاضل بریلوی کی ہم مسلک نہیں تھی؟ یہ شہید آزادی علامہ فضلِ حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا کفایت علی کافی، شاہ احمد اللہ مدراسی، مولانا رضی الدین بدایونی ایسے سینکڑوں شہیدانِ آزادی مسلک اہل سنت و جماعت کے مقتداء اور فاضل بریلوی کے ہم مسلک نہیں تھے؟ تحریکِ آزادیٔ وطن کے آخری مراحل کے دوران تحریک قیامِ پاکستان میں فاضل بریلوی کے ہم مسلک علماء اور مشائخ کی خدمات اور مساعیٔ جمیلہ کو تاریخ کے زریں صفحات سے کون مٹا سکتا ہے؟

اس ساری کدو کاوش کا کیا نتیجہ نکلا؟ وہی ڈھاک کے تین پات! فاضل بریلوی کی شخصیت آج بھی سوادِ اعظم اہل سنت کے اجتماعی ضمیر کی آواز اور اس کے دل کی دھڑکن ہے اور ان کے مخالفین آج بھی اہانت رسول ﷺ کی میراث کے وارث ہیں۔ ہنگامی طور پر اس سے یہ نقصان ضرور ہوا کہ اس مصروف مادی اور پر آشوب دور میں سطحی علم رکھنے والے لوگ ذہنی بے اطمینانی کا شکار ہو گئے ہیں۔ ہر شخص کے پاس اتنا علم ہے اور نہ اتنا وقت کہ وہ فاضل بریلوی کی گراں قدر تصانیف کا مطالعہ کر سکے مگر یہ امر خوش آئند ہے کہ اب فاضل بریلوی کی تصانیف، حالات زندگی، کردار اور مسلک و مشرب کے بارے میں خاصا مثبت اور ٹھوس کام شروع ہو گیا ہے اور وہ دن دور نہیں جب برِ صغیر کی یہ مظلوم عبقری شخصیت اپنا جائز مقام حاصل کر لے گی۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف

میں انتہائی کرب اور دکھ کے ساتھ قارئین سے یہ بات نہیں چھپانا چاہتا کہ فاضل بریلوی کی شخصیت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور ان کے خلاف بدنامی کی مہم کو غیر شعوری طور پر ہوا دینے میں خود ان کے معتقدین اور نام لیواؤں نے بھی کمی نہیں کی۔ فاضل بریلوی کا نام مسلک اہل سنت وجماعت اور سوادِ اعظم کے لئے علامت اور امتیازی نشان بن کر رہ گیا ہے مگر سواد اعظم کی اکثریت نے علم وفضل، تفقہ و تدبر، زہد و تقویٰ اور اتباع سنت کے اس معیار کو قائم نہیں رکھا جو فاضل بریلوی نے ان کے لئے مقرر کیا تھا۔ حد یہ ہے کہ سواد اعظم کی اکثریت پڑھے لکھے حضرات تک فاضل بریلوی کی خدمات، ان کے مسلک و مشرب اور علمی دنیا میں ان کے مقام و مرتبے سے پوری آگاہی نہیں رکھتے۔ اہل سنت وجماعت ہونے کے باوجود مختلف علماء اور روحانی خانوادوں نے بعض فروعی مسائل میں اپنے اپنے الگ مسلک بنا رکھے ہیں، ادھر دوسری طرف سے ہر شخص کے قول وفعل کی ذمہ داری فاضل بریلوی پر ڈالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا۔

سچی بات یہ ہے کہ سوادِ اعظم آخری دور میں علمی و عملی لحاظ سے فاضل بریلوی ایسی قد آور دوسری شخصیت پیش کرے اور اگر نہیں پیش کی جاسکتی اور یقیناً نہیں کی جا سکتی تو پھر دین فہمی میں انہیں حجت تسلیم کرلے، آج بشمول دیگر جماعتوں کے اہل سنت میں فاضل بریلوی کے پائے کا عالم دین کون ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ اعتقادیات ایسے اہم مسائل میں تو ان کی فہم سند اور حجت ہے مگر جن فروعی مسائل میں وہ ہماری مخصوص رائے کی موافقت نہ کریں وہاں ان کا فکر مرجوح اور ثانوی حیثیت اختیار کرلیتا ہے، اور ہم میں سے بعض حضرات بڑی دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ وہ تو صرف عالم دین تھے اور ہم مشائخ طریقت ہیں۔ یہ بالکل وہی جواب ہے جو شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے معمولات ومعتقدات سے متعلق علمائے دیوبند دیا کرتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اور باتوں کی طرح دین و شریعت کے بارے میں بھی ہم لوگ نرم مزاجی اور سبک روی کا شکار ہو گئے ہیں، ہم اپنے ذہن میں عقائد و نظریات اور معمولات و معتقدات کا ایک سانچہ پہلے بنا لیتے ہیں اور کم علمی یا سادگی سے اسے حرفِ آخر اور قطعیت کا درجہ دے دیتے ہیں، پھر ہر چھوٹی بڑی شخصیت کو اس پیمانے سے ناپنا شروع کر دیتے ہیں ورنہ کوئی ہمیں بتائے کہ وہی فاضل بریلوی جو جدید نظریات اور نجد سے درآمد شدہ خیالات کے بارے میں ہمارے نزدیک حجۃ الاسلام کی حیثیت رکھتے ہیں، سجدۂ تعظیمی، بوسہ و طوافِ قبور اور قوالی و مزامیر ایسے نسبتاً چھوٹے مسائل کے بارے میں کیوں غیر ثقہ اور مولوی کہہ کر غیر اہم بنا دیئے جاتے ہیں۔ یہ مولوی اور مشائخ کا چکر بھی عجیب ہے۔ آج جب کہ سارے مکاتبِ فکر کا ہر چھوٹا بڑا مولوی شیخِ طریقت بن کر پیری مریدی کر رہا ہے، فاضل بریلوی ایسی نابغۂ روزگار ہستی جس پر سلسلۂ عالیہ قادریہ کو فخر حاصل ہے کیونکر اس وسیع دائرے سے خارج ہو جاتی ہے۔

اگر فاضل بریلوی نرے مولوی ہیں تو حقیقی شیخ اور مرشد کی راہ کی کوئی ایسی جامع تعریف ہمیں بتائے جس میں اس دور کے سارے علماء اور سجادہ نشین تو آجائیں مگر فاضل بریلوی اس سے خارج ہو جائیں اور اگر یہ مرتبہ تزکیۂ نفس، صفائے باطن، علم کی معراج اور ذات رسالت مآب ﷺ سے نسبت کاملہ کے حصول سے حاصل ہوتا ہے تو لاریب فاضل بریلوی اس دور کے بہت بڑے صوفی، شیخ طریقت اور مرشدِ راہ تھے، لاکھوں نے ان سے تعلق جوڑ کر خدا کی معرفت حاصل کی، کروڑوں نے ان کے ذریعے سے ایمان و اعتقادیات کی بنیادیں مضبوط کیں، ہزاروں نے ان سے عشق و محبت نبوی کی لازوال دولت کا فیض لے کر دوسروں میں تقسیم کیا، سینکڑوں نے ان سے امتِ محمدیہ کے علوم اخذ کر کے دوسروں میں پھیلائے، ان کا قلم عمر بھر آنحضور ﷺ، صحابہ کرام، اہل بیت عظام، اولیائے امت اور صلحائے ملت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عزت و ناموس کی پاسبانی اور نگرانی کے فرائض انجام دیتا رہا ہے۔

اہل سنت و جماعت کے علماء اور روحانی پیشوا اپنا قابلِ فخر ماضی رکھتے ہیں مگر انہوں نے اتباعِ سنت کے سلسلے میں اپنے سلف کی شدت کو نرمی میں بدل دیا ہے، اس

وقت وہ بے شمار ایسی باتوں کو دل سے برا جاننے کے باوجود اپنی محافل اور خانقاہوں میں گوارا کر لیتے ہیں جنہیں ان کے اسلاف کسی صورت میں برداشت نہ کرتے، اس طرز عمل نے اہل سنت کے خلاف بالعموم اور فاضل بریلوی کے خلاف بالخصوص مذموم پروپیگنڈے کو تقویت بخشی ہے

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه و ذلك أضعف الإيمان. (الحدیث)

(تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے اسے بزور مٹائے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے برا کہے، اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے اسے ضرور برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے) کے مطابق ہمارے علماء اور خانقاہوں کے منتظمین، سجدۂ تعظیمی، طواف وبوسۂ قبور، اعراس کے موقع پر ناچ، بھنگڑا، تھیٹر، عام قوالی و سماع ایسی باتوں سے خانقاہوں کو کیوں پاک نہیں کرتے، یا کم از کم ان سے براءت کا اظہار کیوں نہیں کرتے؟ اس سے خود تصوف، مسلک اہل سنت اور بزرگان دین کی بدنامی ہو رہی ہے جبکہ دوسری طرف ہمار پریس اور ذرائع ابلاغ ڈبہ پیر ایسے لوگوں کے کردار کو حقیقی مشائخ کی کردار کشی کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ ہمارا پریس آج تک یہ امتیاز نہیں کر سکا کہ شیخ یا مرشد کسے کہا جاتا ہے اور کن لوگوں کے لئے یہ لفظ نہ صرف غلط بلکہ برعکس نام زنگی نہند کافور کی حیثیت رکھتا ہے۔

خانقاہوں میں اعراس کا انعقاد، اکتساب فیوض و برکات، انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کی تجدید، احتساب نفس اور تزکیۂ باطن کی خاطر ہوتا ہے۔ اگر مذکورہ بالا مقاصد حاصل نہ ہوں تو پھر نشستند وگفتند و برخاستند کے سوا کیا باقی رہ جاتا ہے؟ اہل سنت و جماعت کے وہ حلقے جو بعض فروعی خانقاہی مسائل میں فاضل بریلوی سے اپنا الگ مسلک رکھتے ہیں اور اپنے معمولات و معتقدات پر یلغار کے وقت علمی و شرعی بنیادیں فاضل بریلوی کے خوشۂ دامان سے حاصل کرتے ہیں، ہماری اس کتاب کے مندرجات کو بار بار پڑھیں، فاضل بریلوی کے مسلک حقہ پر غور فرمائیں، اگر انہیں فاضل بریلوی کی کسی بات سے کوئی اختلاف ہے تو وہ اپنے مسلک کی تائید میں شرعی دلائل قائم کریں

اور واضح طور پر اپنا الگ راستہ اختیار کریں، اس سے فاضل بریلوی کی شخصیت ناکردہ گناہ سے بچ جائے گی۔

سنت وبدعت، تصوف وطریقت اور خانقاہی امور کے بارے میں فاضل بریلوی کا مسلک صاف ستھرا اور ٹھوس شرعی بنیادوں پر قائم ہے، اسے چیلنج کرنے کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے، حق وباطل اور خطا و ثواب کا فیصلہ زمانہ اور وقت خود کرلے گا۔ سواد اعظم حضرت فاضل بریلوی کا پیروکار ہے، اسے کسی دوسری شخصیت کا سہارا لے کر تضحیک و تمسخر کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ سواد اعظم کے بارے میں کوئی فیصلہ دینے سے پہلے اس کے مسلم رہنما اور قائد فاضل بریلوی کا مسلک و مشرب معلوم کیا جائے۔

رہی یہ بات کہ کچھ خانوادے یا علماء بعض مسائل میں الگ نقطۂ نظر رکھتے ہیں تو ان کے نقطۂ نظر اور مسلک و مشرب کی ذمہ داری خود انہی پر عائد ہوتی ہے، اس سے مسلک اہل سنت کو الزام دینا کسی طرح صحیح نہیں۔ البتہ سواد اعظم کے ہر باشعور شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے مقتدا اور دینی پیشوا کی تحقیق اور سعی و کاوش سے مکمل آگاہی حاصل کرنے کی کماحقہ کوشش کرے اور خود عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرے۔ ہمارے علماء اور دینی قائدین کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ فاضل بریلوی کے مشن اور مضبوط علمی بنیادوں پر چلائی گئی تحریک کو پوری طرح نہ سنبھال کر انہوں نے سوادِ اعظم کو جو نقصان پہنچایا ہے اگر اس کی تلافی اس وقت نہ کی گئی تو پھر شاید وقت کبھی اس کی مہلت نہ دے۔

فاضل بریلوی نے اپنے کام کا آغاز جس تجدیدی شان اور صدری قوت سے کیا تھا، اگر اسے پچاس سال تک اسی رفتار سے چلایا جاتا تو آج برصغیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔ ہر تحریک اور پروگرام کے لئے مضبوط بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے، جذبۂ عشقِ رسول ﷺ اور نسبتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو از سرِ نو اجاگر و بیدار کرنے کی اس تحریک کی بنیاد اس مرد قلندر نے اس قدر مضبوط اور پائیدار ڈالی ہے کہ جسے زمانہ کے انقلابات دھندلا بھی نہیں سکتے۔ آج وقت کی آواز اور حالات کا تقاضا ہے کہ سواد اعظم کے رہنما،

علماء، طلبہ، دانشور، روحانی پیشوا اور باشعور عوام تمام اصولی و فروعی مسائل میں اپنے آپ کو فاضل بریلوی کے مضبوط اور محتاط پلیٹ فارم پر جمع کریں، ہنگامی مفادات کی خاطر فکری و عملی انتشار کو راہ نہ دیں، اس کے علاوہ جو بھی راہ اختیار کی گئی وہ غلط اور ہلاکت کی راہ ہوگی۔ نیز خانقاہی نظام میں غیر ضروری اضافے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے، کمیت میں اضافہ، کیفیت میں اضمحلال اور تنزل کا باعث ہوا کرتا ہے، پہلے سے موجود خانقاہوں کے نظام کو بہتر بنانے پر توجہ دی جائے۔

سجادہ نشینی کے لیے مقررہ شرائط کی پاسداری کا لحاظ یکسر ختم کر دیا گیا ہے، دنیوی ریاست کے مطابق ہر بزرگ کے انتقال پر اس کے بیٹے کو جانشین بنانا ضروری ہو گیا ہے، چاہے اس میں اس منصب کی ذرہ بھر بھی اہلیت نہ ہو۔ گزشتہ زمانے میں مالدار لوگ خانقاہوں میں مقیم فقراء، درویشوں اور طالب علموں کیلئے گرانقدر جائیدادیں وقف کرتے تھے، خانقاہوں کے خدا ترس منتظمین اس جائیداد کا ایک ایک پیسہ مستحقین میں تقسیم کرتے تھے لیکن رفتہ رفتہ یہ پابندیاں ختم ہو گئیں اور کارِ خیر کے لئے وقف شدہ جائیدادیں ناجائز اور غلط کاموں پر صرف ہونے لگیں۔

دوسری طرف خوش عقیدگی اور تن آسانی نے خانقاہوں کے ساتھ ایک ایسا طبقہ پیدا کر دیا ہے جسے عرف عام میں ملنگ کہا جاتا ہے۔ ہر خانقاہ پر بوڑھے اور ہٹے کٹے نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد پھٹے پرانے کپڑے پہنے، ہاتھوں میں گھنگرو لئے نشے میں دھت، شور و فغاں میں مشغول اور طرح طرح کی عجیب حرکات میں مصروف نظر آتی ہے، بے جا عقیدت نے ان غیر متشرع اور نکمے لوگوں کے لئے ادب و احترام کی فضا تو خیر بنا ہی رکھی ہے، البتہ ان کی خدمت کرنا اور روپے پیسے سے امداد کرنا بھی تو گویا طریقت کا ایک حصہ یا صاحب مزار بزرگ سے حسن عقیدت کا تقاضا سمجھ لیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ نیم خواندہ مولویوں، کم علم واعظین اور پکی روٹی کے تعلیم یافتہ حضرات نے بھی اپنے اس عظیم محسن اور عبقری عالم دین کو بدنام کرنے میں خاصا کردار ادا کیا ہے۔ یہ لوگ وحدۃ الوجود ایسے نازک اور عالمانہ مسائل سے کم کسی مسئلے پر بات ہی نہیں کرتے۔ حیرت در حیرت ان مدارس کے اربابِ بست و کشاد پر ہے جو

فاضل بریلوی ایسے دیدہ ور عالم دین کے علمی ورثے کے امین ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں مگر سند فضیلت اور دستارِ فراغت ایسے شخص کے حوالے کرتے ہیں جو فاضل بریلوی کی کتابوں کو تحت اللفظ بھی نہیں پڑھ سکتا! ایسے حضرات نے اپنے وعظ و تقاریر اور سلسلہ تصنیف و تالیف کا سارا دارومدار تیسرے درجے کی روایات، بے سر وپا حکایات اور مہمل طریق پر رکھ دیا ہے، مجھے یہ بات کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اہل سنت و جماعت کے علماء کی نوجوان نسل (الا ماشاء اللہ) اپنے اسلاف کے علم و تحقیق کے میدان خارزار سے تقریر و وعظ اور محفل آرائی کی سہل انگاریوں کی طرف چل پڑی ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ خانقاہی نظام کے سلسلے میں ساری ذمہ داری علمائے اہل سنت پر عائد ہوتی ہے، کیونکہ اس سارے نظم کے وارث یہی حضرات ہیں۔ اس میں تساہل اور معمولی فروگذاشت کے اثرات کا اندازہ انہیں اچھی طرح کر لینا چاہیے، علمی و فکری طور پر یہ انحطاط کسی ایک جماعت یا گروہ تک محدود نہیں ہے، لیکن اہل سنت و جماعت بر صغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، سراج الہند شاہ عبدالعزیز، حضرت مجدد الف ثانی، خاتم الحکماء مولانا فضل حق خیر آبادی اور فاضل بریلوی ایسے مایہ ناز علماء اور مفکرین کی ترجمان اور جانشین ہے، اپنی ذمہ داری اور فرائض کا بھرجال احساس کرے۔ نیز دینی علوم میں مہارت اور بصیرت اور عصری علوم میں سیادت و قیادت کا منصب حاصل کرنے کے لیے اپنی نوجوان نسل کو مناسب تربیت دے۔

یہاں میں اہل سنت و جماعت کے واعظین اور مصنفین سے مؤدبانہ طور پر گذارش کرتا ہوں کہ وہ اپنی تحریر و تقریر میں سنجیدگی، متانت اور علمی وقار پیدا کریں، سوقیانہ اندازِ تحریر و تقریر صرف ان لوگوں کو زیب دیتا ہے جن کا دامن دلائل سے خالی اور جن کی جھولی براہین سے تہی ہوتی ہے۔ مجھے یہ بات تسلیم ہے کہ فاضل بریلوی میں جوش ہے مگر یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ عشق نبوی کے جس بلند مقام پر فاضل بریلوی فائز تھے اور علم و فضل میں جو تجدیدی مرتبہ انہیں حاصل تھا، اس کے حوالے سے اس جوش اور شدت کا انہیں پورا پورا حق حاصل ہے۔ علم و فضل کی بجائے صرف اس جوش میں ان کی پیروی کوئی صحت مند علامت نہیں ہے۔ فاضل بریلوی کا

یہ جوش اور طنطنہ صرف انہی کا حصہ ہے۔ وہ اپنے دور کے عبقری اور عظیم مسلمان تھے، عشقِ رسالت مآب ﷺ میں اس وقت ان کا کوئی ثانی نہ تھا، ان کا علم و فضل صدیوں پر محیط اور بھاری تھا، آج ان کا نام استعمال کرنے والے حضرات کو بغور اپنا ناقدانہ تجزیہ کرنا چاہیے، اس معقول، مہذب اور سائنٹفک دنیا کو بات منوانے کے طور طریق مختلف ہیں، وہ اپنائے بغیر فاضل بریلوی کے مشن کو کامیابی سے آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔

نیز فاضل بریلوی ایسی ہمہ گیر عالمانہ شخصیت کے جانشینوں کو اپنے فکر و عمل کی ساری مساعی صرف اختلافی مسائل تک ہی محدود و مرکوزنہ کردینا چاہیے بلکہ ان کا دینی و علمی فرض ہے کہ وہ آگے بڑھ کر ملتِ اسلامیہ کی ناخدائی کا فریضہ انجام دیں۔ معیشت و معاشرت کے گھمبیر مسائل میں گھری ہوئی قوم کی رہنمائی کریں۔ دنیا کے جدید مسائل کا ادراک حاصل کریں اور انہیں اسلام کی آفاقی اور فطری تعلیمات کی روشنی میں حل کریں۔

ہر دور کے اپنے مسائل ہوتے ہیں، موجودہ دور مادیت کے جن مضبوط ہتھیاروں سے مسلح ہو کر مذہب پر حملہ آور ہوا ہے اس کی نظیر ہمیں یونانی فکر اور فلسفے کی یلغار میں بھی نہیں ملتی، بنابریں ہمارے علماء اور مذہبی دانشوروں کو چاہئے کہ وہ لادینیت اور الحاد کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے اکابر کی طرح اپنے آپ کو پورا طرح تیار کریں، اور دینی و دنیاوی علوم میں تبحر حاصل کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شریعت کی حاکمیت
اس کے محک و معیار
اور مناط و مدار ہونے پر
فاضل بریلوی
کا فکر انگیز مقالہ

"شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع، شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا، طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے، شریعت ہی پر طریقت کا دارومدار ہے، شریعت ہی اصلِ کار اور محک و معیار ہے، شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے، اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ تعالی کی راہ سے دور پڑے گا، طریقت اس راہ روشن کا ٹکڑا ہے اس کا اس سے جدا ہونا محال و نا سزا ہے، طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعتِ مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے، جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی اور زندقہ ہے۔

(فاضل بریلوی)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین ووارثانِ انبیاء ومرسلین صلوات اللہ و سلامہ علی نبینا وعلیہم اجمعین اس مسئلے میں کہ زید کہتا ہے کہ حدیث شریف العلماء ورثة الأنبياء میں علمائے شریعت و طریقت دونوں داخل ہیں اور جو جامع شریعت و طریقت ہیں وہ وراثت کے رتبہ اعظم واجل ودرجۂ اتم واکمل پر فائز ہیں اور عمرو کا بیان ہے:

ا۔ شریعت نام ہے چند فرائض وواجبات و سنن واستحباب وچند مسائل حلال وحرام کا جیسے صورت وضو ونماز وغیرہ۔

۲۔ اور طریقت نام ہے وصول الی اللہ تعالیٰ کا۔

۳۔ اس میں حقیقت نماز وغیرہ منکشف ہوتی ہے۔

۴۔ یہ بحر ناپید اکنار و دریائے زخار ہے اور وہ بمقابلہ اس کے دریا کے ایک قطرہ ہے۔

۵۔ وراثت انبیاء کا یہی وصول الی اللہ مقصود و منشا اور یہی شانِ رسالت و نبوت کا مقتضی خاص اسی کے لئے وہ مبعوث ہوئے۔

۶۔ بھائیو! علمائے صوری وقشری کسی طرح اس وراثت کی قابلیت نہیں رکھتے۔

۷۔ نہ وہ علمائے ربانی وغیرہ کہے جاسکتے ہیں۔

۸۔ ان کے دامِ تزویر سے اپنے آپ کو دور رکھنا والعیاذ باللہ تعالیٰ، یہ شیطان ہیں۔

۹۔ منزل اعلیٰ طریقت کے سد راہ ہوئے ہیں۔

۱۰۔ یہ باتیں میں اپنی طرف سے نہیں کہتا، بہت سے علمائے حقانی واولیائے ربانی نے اپنی اپنی تصانیف میں ان کو تصریح سے لکھا ہے، الی آخر الہذیانات۔

التماس یہ کہ ان دونوں میں کس کا قول صحیح اور اس مسئلے کی کیا تنقیح ہے؟ اگر عمرو غلطی پر ہے تو اس پر کوئی شرعی تعزیر بھی ہے یا نہیں؟ وہ کہتا ہے میری غلطی جب ثابت ہو گی کہ میرے اقوال کا ابطال اولیاء کے اقوال ہدایت مآل سے کیا جائے ورنہ نہیں۔

الجواب

عمرو کا قول کہ شریعت، چند احکام فرض و واجب و حلال و حرام کا نام ہے محض اندھا پن ہے، شریعت تمام احکام جسم و جان، روح و قلب و جملہ علوم الٰہیہ و معارفِ نامتناہیہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ٹکڑے کا نام طریقت و معرفت ہے۔ ولہذا باجماعِ قطعی جملہ اولیائے کرام تمام حقائق کو شریعتِ مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے، اگر شریعت کے مطابق ہوں، حق و مقبول ہیں ورنہ مردود مخذول۔ تو یقیناً قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مناط و مدار ہے، شریعت ہی محک و معیار ہے، شریعت راہ کو کہتے ہیں اور شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا أفضل الصلوۃ و التحیہ کا ترجمہ محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ، یہ قطعاً عام و مطلق ہے نہ کہ صرف چند احکام جسمانی سے خاص، یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں اس کا مانگنا اور اس پر ثبات و استقامت کی دعا کرنا ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے کہ ﴿ إهدنا الصراط المستقيم ﴾ ہم کو محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ چلا۔ ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ۔

قرآن عظیم میں فرمایا: ﴿إن ربي على صراط مستقيم﴾

بے شک اس سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے۔ یہی وہ راہ ہے جس کا مخالف بددین گمراہ ہے۔

قرآن عظیم نے فرمایا:

﴿و أن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولاتتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله ذلكم وصّكم به لعلكم تتقون﴾

شروع رکوع سے احکام شریعت بیان کر کے فرماتا ہے اور اے محبوب تم فرمادو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے تو اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے جدا کر دیں گے۔ اللہ تمہیں اس کی تاکید فرماتا ہے

تاکہ تم پرہیزگاری کرو۔

دیکھو قرآن عظیم نے صاف فرمادیا کہ شریعت ہی صرف وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے، اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ کی راہ سے دور پڑے گا۔

طریقت یہی شریعت ہے

عمرو کا قول کہ طریقت نام ہے وصول الی اللہ کا، محض جنون و جہالت ہے، ہر دو حرف پڑھا ہوا جانتا ہے کہ طریق، طریقہ، طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے، اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادتِ قرآن عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک پہنچائے گی، جنت میں نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں لے جائے گی، کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن عظیم باطل و مردود فرما چکا، لاجرم ضرور ہوا کہ طریقت یہی شریعت ہے، اسی راہ کا روشن ٹکڑا ہے، اس کا اس سے جدا ہونا محال و ناسزا ہے، جو اسے شریعت سے جدا جانتا ہے اسے راہِ خدا سے توڑ کر راہِ ابلیس مانتا ہے مگر حاشا طریقت حقہ راہِ ابلیس نہیں، قطعاً راہِ خدا ہے تو یقیناً وہ شریعت مطہرہ ہی کا ٹکڑا ہے۔

طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے، ورنہ بے اتباعِ شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سناسیوں کو ہوتے ہیں پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں، اسی نارِ جہنم و عذابِ الیم تک پہنچاتے ہیں۔

شریعت ہی منبع طریقت ہے

شریعت کو قطرہ، طریقت کو دریا کہنا اس مجنون پکے پاگل کا کام ہے، جس نے دریا کا پاٹ کسی سے سن لیا اور نہ جانا کہ یہ وسعت اس میں کہاں سے آئی اور نہ ہی اس کے منبع اور خزانے سے واقفیت حاصل کی۔ خزانے میں وسعت نہ ہوتی تو اس میں کس گھر سے آتی۔ شریعت منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا ایک دریا، بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعالی ہے، منبع سے پانی نکل کر دریا بن کر جن زمینوں پر گزرے انہیں سیراب

کرنے میں اسے منبع کی احتیاج نہیں، نہ اس سے نفع لینے والوں کو اصل منبع کی اس وقت حاجت مگر شریعت وہ منبع ہے کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر آن اس کی احتیاج ہے، منبع سے اس کا تعلق ٹوٹے تو یہی نہیں کہ صرف آئندہ کے لئے مدد موقوف ہو جائے، فی الحال جتنا پانی آچکا ہے چند روز تک پینے نہانے، کھیتیاں، باغات سینچنے کا کام دے، نہیں نہیں، منبع سے تعلق ٹوٹتے ہی یہ دریا فوراً فنا ہو جائے گا۔ بوند تو بوند، نم کا نام نظر نہ آئے گا، نہیں نہیں میں نے غلطی کی، کاش اتنا ہی ہوتا کہ دریا سوکھ گیا، پانی معدوم ہوا، باغ سوکھے، کھیت مرجھائے، آدمی پیاسے تڑپ رہے ہیں، ہرگز نہیں بلکہ یہاں اس مبارک منبع سے تعلق چھوٹتے ہی یہ تمام دریا البحر المسجور ہو کر شعلہ فشاں آگ ہو جاتا ہے جس کے شعلوں سے کہیں پناہ نہیں۔

شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں، اس کی روشنی بڑھنے کی کوئی حد نہیں، زیادت چاہنے، افزائش پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔ یہ روشنی بڑھ کر صبح اور پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں زیادہ تک ترقی کرتی ہے جس سے حقائق اشیاء کا انکشاف ہوتا اور نورِ حقیقی تجلی فرماتا ہے۔ یہ مرتبہ علم میں معرفت اور مرتبہ تحقیق میں حقیقت ہے تو حقیقت میں وہی ایک شریعت ہے کہ بہ اختلافِ مراتب اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں، جب یہ نور بڑھ کر صبحِ روشن کے مثل ہوتا ہے، ابلیسِ لعین خیر خواہ بن کر آتا ہے اور سے کہتا ہے إطفئ المصباح فقد أشرق الإصباح، "چراغ ٹھنڈا کر کہ اب تو صبح خوب روشن ہو گئی"۔

اگر آدمی دھوکے میں نہ آیا اور نور فانوس بڑھ کر دن ہو گیا، ابلیس کہتا ہے کیا اب بھی چراغ نہ بجھائے گا، آفتاب روشن ہے، احمق اب تجھے چراغ کی کیا حاجت ہے۔ ؂

ابلہے کو روزِ روشن شمع کافوری نہد

ہدایتِ الٰہی اگر دستگیر ہے تو بندہ لاحول پڑھتا اور اس ملعون کو دفع کرتا ہے کہ او عدو اللہ یہ جسے تو دن یا آفتاب کہہ رہا ہے، آخر کیا ہے؟ اسی فانوس کا تو نور ہے، اسے بجھایا تو نور کہاں سے آئے گا؟ اس وقت وہ دغاباز خائب و خاسر پھرتا ہے اور بندہ نور علی

نور يهدي الله لنوره من يشاء کی حمایت میں نورِ حقیقی تک پہنچتا ہے، اور اگر دام میں آ گیا اور سمجھا کہ ہاں دن تو ہو گیا اب مجھے چراغ کی کیا حاجت رہی؟ ادھر فانوس بجھایا اور معاً اندھیرا گھپ کہ ہاتھ سے ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا جیسا کہ قرآن عظیم نے فرمایا:

﴿ظلمٰت بعضها فوق بعض إذا أخرج يده لم يكد يرٰها و من لم يجعل الله له نورا فماله من نور﴾

(ایک پر ایک اندھیریاں ہیں، اپنا ہاتھ نکالے تو نہ سوجھے اور جسے خدا نور نہ دے اس کے لئے نور کہاں؟)

یہ ہیں وہ کہ طریقت بلکہ حقیقت تک پہنچ کر اپنے آپ کو شریعت سے مستغنی سمجھے اور ابلیس کے فریب میں آ کر اس الٰہی فانوس کو بجھا بیٹھے، کاش یہی ہوتا کہ اس کے بجھنے سے جو عالمگیر اندھیرا ان کی آنکھوں چھایا، جس نے دن دہاڑے چوپٹ کر دیا ان کو اس کی خبر ہوتی کہ شاید توبہ کرتے، فانوس کا مالک ندامت والوں پر مہر رکھتا ہے۔ پھر انہیں روشنی دیتا مگر ستم اندھیر تو یہ ہے کہ دشمن ملعون نے جہاں فانوس خاموش کرائی اس کے ساتھ ہی اپنی سازشی بتی جلا کر ان کے ہاتھ میں دے دی، یہ اسے نور سمجھ رہے ہیں اور وہ حقیقۃً نار ہے، یہ مگن ہیں کہ شریعت والوں کے پاس کیا ہے ایک چراغ ہے، ہمارا نور آفتاب کو لجا رہا ہے، وہ قطرہ اور یہ ایک دریا ہے اور خبر نہیں کہ وہ حقیقۃً نور ہے اور یہ دھوکے کی ٹٹی، آنکھ بند ہوتے ہی حال کھل جائے گا کہ

با کہ باختہ عشق در شب دیجور

بالجملہ شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس، ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ پر مرتے دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اسی قدر ہادی کی زیادہ حاجت ولہذا حدیث میں آیا حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: المتعبد بغير فقه كالحمار في الطاحون۔

''بغیر فقہ کے عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے جیسا چکی کھینچنے والا گدھا کہ مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہیں''۔

امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:

کسر ظهري إثنان جاهل متنسك و عالم متنهك.

"دو شخصوں نے میری پیٹھ توڑ دی یعنی وہ بلائے بے درماں ہیں، جاہل عابد اور عالم کہ اعلانیہ بے باکانہ گناہوں کا ارتکاب کرے۔"

طریقت کو غیر شریعت جان کر حصر کر دینا شریعت کو معاذ اللہ معطل، مہمل، لغو اور باطل کر دینا ہے

عمرو کا طریقت کو غیر شریعت جان کر حصر کر دینا کہ یہی مقصود ہے، انبیاء صرف اسی کے لئے مبعوث ہوئے، صراحۃً شریعت مطہرہ کو معاذ اللہ معطل، مہمل، لغو اور باطل کر دینا ہے اور یہ صرف کفر وارتداد وزندقہ والحاد اور موجب لعنت وابعاد ہے۔ ہاں یہ کہتا تو حق تھا کہ اصل مقصود وصول الی اللہ ہے مگر حیف ہے اس پر جو اپنی جہالتِ شدیدہ سے نہ جانے یا جانے اور عناد شریعت کے باعث نہ مانے کہ وصول الی اللہ کا راستہ یہی شریعت محمد رسول اللہ ﷺ ہے اور بس۔ ہم اوپر قرآن عظیم سے ثابت کر آئے ہیں کہ شریعت کے سوا اللہ تک راہیں بند ہیں، طریقت، اگر وہ اپنے زعم میں کسی راہ مخالف شریعت کا نام سمجھا ہے تو حاشا وہ خدا تک پہنچائے بلکہ وہ مسدود اور اس کا چلنے والا مردود اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اس کی تہمت ملعون ومطرود، کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو شریعت کے خلاف دوسری راہ کی طرف بلایا ہے حاشا وکلا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

ربانيين فقهاء معلمين

ربانی کے معنی ہیں فقیہ مدرس۔ (رواہ ابن حاتم عن سعید بن جبیر)

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی فرماتے ہیں:

سئل إبن المبارك: من الناس؟ فقال: العلماء.

یعنی حضرت عبداللہ بن مبارک سے کسی نے پوچھا کہ ناس یعنی آدمی کون ہیں؟

فرمایا: علماء۔ امام غزالی فرماتے ہیں: جو عالم نہ ہو ابن المبارک نے اسے آدمی نہ گنا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب ہم ذیل میں مشائخ صوفیاء اور بزرگان دین کے وہ اقوال نقل کرتے ہیں جو انہوں نے شریعت کی حاکمیت، اہمیت اور اس کے اصل اور محک و معیار ہونے اور طریقت کواس کی فرع قرار دینے کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

لا ترى لغير ربك وجودا مع لزوم الحد و حفظ الأوامر والنواهي فإن انحزم فيك شيئ من الحدود فاعلم أنك مفتون و قد لعب بك الشيطان فارجع إلى حكم الشرع و الزمه و دع عنك الهوىٰ لأن كل حقيقة لا تشهد لها الشريعة فهي باطلة.

"غیر خدا کو معبود نہ دیکھنا، اس کے ساتھ ہو تو اس کی باندھی ہوئی حدوں سے کبھی جدا نہ ہو اور اس کے ہر امر و نہی کی حفاظت کر، اگر حدود شریعت سے کسی حد میں خلل آیا تو جان لے کہ تو فتنہ میں پڑا ہوا ہے، بے شک شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے تو فوراً حکم شریعت کی طرف پلٹ آ اور اس سے لپٹ جا اور اپنی خواہش نفسانی چھوڑ۔ اس لئے کہ جس حقیقت کی شریعت تصدیق نہ فرمائے وہ حقیقت باطل ہے"۔

(طبقات الاولیاء)

۲. إذا وجدت في قلبك بغض شخص أو حبه فأعرض أفعاله على الكتاب و السنة، فإن كانت محبوبة فيها فأحبه و إن كانت مكروهة فاكره

لئلا تحبه بهواك و تبغضه بهواك قال الله تعالیٰ ولا تتبع الھوی فیضلك عن سبیل الله.

"جب تو اپنے دل میں کسی کی دشمنی یا محبت پائے تو اس کے کاموں کو قرآن و حدیث پر پیش کر، اگر ان میں پسندیدہ ہوں تو تو اس سے محبت رکھ اور ناپسند ہوں تو کراہت۔ تاکہ اپنی خواہش سے نہ کسی کو دوست رکھے نہ دشمن۔ (الطبقات الکبریٰ)

الولاية ظل النبوة ، و النبوة ظل الألوهية، و كرامة الولي استقامة فعله على قانون قول النبي ﷺ۔

"ولایت پرتوِ نبوت ہے اور نبوت پرتوِ الوہیت اور ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی ﷺ کے قانون پر ٹھیک اترے۔ (بہجۃ الاسرار)

حضرت سری سقطی

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں :

میرے پیر حضرت سری سقطی نے مجھے دعا دی :

جعلك الله صاحب حديث صوفيا ولا جعلك صوفيا صاحب حديث.

" اللہ تمہیں حدیث دان کر کے صوفی بنائے اور حدیث دان ہونے سے پہلے تمہیں صوفی نہ کرے "۔ (احیاء العلوم)

حجۃ الاسلام غزالی

حضرت سری سقطی کی اس دعا کی شرح میں فرماتے ہیں :

أشار إلى من حصل الحديث و العلم ثم تصوف أفلح، و من تصوف قبل العلم خاطر بنفسه.

" حضرت سری سقطی نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس نے پہلے حدیث و علم حاصل کر کے تصوف میں قدم رکھا وہ فلاح کو پہنچا اور جس نے علم حاصل کرنے سے پہلے صوفی بننا چاہا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا "۔ (احیاء العلوم)

سید الطائفہ جنید بغدادی

آپ سے عرض کی گئی کہ کچھ لوگ زعم کرتے ہیں کہ :

إن التكاليف كانت وسيلة إلى الوصول فقد وصلنا.

"یعنی احکام شریعت تو وصول کا وسیلہ تھے، اور ہم واصل ہو گئے یعنی اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت ؟"

فرمایا :

صدقوا في الوصول و لكن إلى سقر والذي يسرق و يزني خير ممن يعتقد ذلك ولو أني بقيت ألف عام ما نقضت من أورادي شيئا إلا بعذر شرعي.

"وہ سچ کہتے ہیں واصل ضرور ہوئے مگر کہاں تک، جہنم تک، چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں، میں اگر ہزار برس جیوں تو فرائض وواجبات تو بڑی چیز ہیں جو نوافل و مستحبات مقرر کر لئے، بے عذر شرعی ان میں سے کچھ کم نہ کروں"۔

(الیواقیت والجواہر)

حضرت بایزید بسطامی

آپ نے عمی بسطامی کے والد رحمہما اللہ سے فرمایا، چلو اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو بنامِ ولایت مشہور کیا ہے، وہ شخص مرجعِ ناس اور زہد میں مشہور تھا۔ جب وہاں تشریف لے گئے اتفاقاً اس شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا، حضرت ابویزید فوراً واپس آئے اور اس سے سلام علیک نہ کی اور فرمایا :

هذا رجل غير مأمون على أدب من آداب رسول الله ﷺ فكيف يكون مأمونا على ما يدعيه.

"یہ شخص رسول اللہ ﷺ کے آداب سے ایک ادب پر توامین ہے نہیں جس چیز کا دعویٰ کر رہا ہے، اس پر کیا امین ہو گا۔" (قشیریہ)

حضرت ابو سعید خراز

آپ فرماتے ہیں :

كل باطن يخالفه ظاهر فهو باطل.

"وہ باطن کہ ظاہر اس کی مخالف کر رہا ہے، باطل ہے۔(قشیریہ)

حضرت حارث محاسبی

آپ فرماتے ہیں :

من صح باطنه بالمراقبة و الإخلاص زين الله ظاهره بالمجاهدة و إتباع السنة.

"جو اپنے باطن کو مراقبہ اور اخلاص سے صحیح کرلے گا، اسے لازم ہے کہ اللہ تعالی اس کے ظاہر کو مجاہدہ و پیروی سنت سے آراستہ فرمادے"۔(قشیریہ)

ظاہر ہے کہ انتفائے لازم کو انتفائے ملزوم لازم تو ثابت ہوا کہ جس کا ظاہر زیور شرع سے آراستہ نہیں وہ باطن میں بھی اللہ عزوجل کے ساتھ اخلاص نہیں رکھتا۔

سیدنا ابو عثمان حیری

آپ کا ارشاد ہے : **خلاف السنة يا بني في الظاهر علامة رياء في الباطن**

"اے میرے بیٹے! ظاہر میں سنت کا خلاف اس کی علامت ہے کہ باطن میں ریاکاری ہے"۔

حضرت ممشاد دینوری

آپ فرماتے ہیں : **أدب المريد حفظ آداب الشرع على نفسه .**

" مرید کا ادب یہ ہے کہ آداب شرع کی اپنے نفس پر محافظت کرے"۔ (قشیریہ)

حضرت ابو علی رودباری

آپ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص مزامیر سنتا ہے اور کہتا ہے، یہ سب میرے لئے حلال ہیں، اس لئے کہ میں ایسے درجے تک پہنچ گیا ہوں کہ احوال کے اختلاف کا مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوتا، فرمایا: **نعم قد وصل و لکن إلی سقر.**

"ہاں پہنچا تو ضرور ہے مگر جہنم تک"۔ (قشیریہ)

حضرت ابو القاسم نصر آبادی

فرماتے ہیں: **أصل التصوف ملازمة الکتاب و السنة.**

"تصوف کی جڑ یہ ہے کہ کتاب و سنت کو لازم پکڑے رہے۔ (الطبقات الکبریٰ)

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی

فرماتے ہیں:

قوم من المفتونین لبسوا لبسة الصوفیة لینسبوا بها إلی الصوفیة و ما هم من الصوفیة بشئ بل هم فی غرور و غلط یزعمون أن ضمائرهم خلصت إلی الله و یقولون هذا الظفر بالمراد و الارتسام بمراسم الشریعة رتبة العوام و هذا هو عین الإلحاد و الزندقة و الإبعاد فکل حقیقة ردتها الشریعة فهی الزندقة.

"یعنی کچھ فتنہ کے بارے ہووں نے صوفیوں کا لباس پہن لیا ہے کہ صوفی کہلائیں حالانکہ ان کو صوفیاء سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ وہ غرور و غلط میں بچے ہیں کہ ان کے دل خالص خدا کی طرف ہو گئے ہیں اور یہی مراد کو پہنچ جانا ہے اور رسوم شریعت کی پابندی عوام کا مرتبہ ہے، ان کا یہ قول خالص الحاد و زندقہ اور اللہ کی بارگاہ سے دور کیا جانا ہے اس لئے کہ جس

حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے"۔
پھر حضرت جنید کا ارشاد نقل فرمایا کہ جو چوری اور زنا کرے وہ ان لوگوں سے بہتر ہے۔ (عوارف المعارف)

شیخ اکبر محی الدین محمد ابن عربی

ارشاد فرماتے ہیں :

إياك أن ترمي ميزان الشرع من يدك في العلم الرسمي بل بالعمل بكل ما حكم به و إن فهمت منه خلاف ما يفهمه الناس مما يحول بينك و بين إمضاء ظاهر الحكم به فلا تعول عليه فإنه مكر إلهي بصورة علم إلهي من حيث لا تشعر.

" خبردار! علم ظاہر میں جو شرع کی میزان ہے اسے ہاتھ سے نہ پھینکنا بلکہ جو کچھ اس کا حکم ہے فوراً اس پر عمل کر اور اگر عام علماء کے خلاف تیری سمجھ میں اس سے کوئی ایسی بات آئے جو ظاہر شرع کا حکم نافذ کرنے سے تجھے روکنا چاہے تو اس پر اعتماد نہ کرنا کہ وہ علم الٰہی کی صورت میں ایک مکر ہے جس کی تجھے خبر نہیں"۔ (الیواقیت والجواہر)

دوسرے مقام پر آپ کا ارشاد ہے :

إعلم أن ميزان الشرع الموضوعة في الأرض هي ما بأيدي العلماء من الشريعة فمهما خرج ولي عن ميزان الشرع المذكورمع وجود عقل التكليف وجب الإنكار عليه.

"یقین جان کہ میزان شرع جو اللہ عزوجل نے زمین میں مقرر فرمائی ہے وہ وہی ہے جو علمائے شریعت کے ہاتھ میں ہے تو جب کبھی کوئی ولی اس میزان شرع سے باہر نکلے اور اس کی عقل کہ مدار احکام شرعیہ ہے باقی ہو تو اس پر انکار واجب ہے۔"

ایک اور جگہ فرمایا :

إعلم أن موازين الأولياء المكملين لاتخطئ الشريعة أبدا فهم محفوظون في مخالفة الشريعة.

مزید فرمایا:

إعلم أيدك الله إن الكرامة من الحق من إسمه البر فلا تكون إلا للأبرار و هو حسية و معنوية. فالعامة ما تعرف إلاالحسية مثل الكلام على الخاطر و الإخبار بالمغيبات الماضية و الكائنة و الآتية و المشي على الماء و اختراق الهواء و طي الأرض و الاحتجاب عن الأبصار و المعنوية لايعرفها إلاالخواص، و هي أن يحفظ عليه آداب الشريعة و يوفق لإتيان مكارم الأخلاق و اجتناب سفسافها و المحافظة على أداء الواجبات مطلقا في أوقاتها. فهذه كرامات لايدخلها مكر و لا استدراج، و الكرامات التي ذكرنا أن العامة تعرفها فكلها يمكن أن يدخلها المكر الخفي، ثم لا بد أن تكون نتيجة عن استقامة أو تنتج استقامة و إلا فليس بكرامة، و المعنوية لايدخلها شئ مما ذكرنا فإن العلم يصحبها،و قوة العلم و شرفه تعطيك أن المكر لايدخلها فإن الحدود الشرعية لاتنصب حباله للمكر الإلٰهي، فإنها عن الطريق الواضحة إلى نيل السعادة، العلم هو المطلوب، و به تقع المنفعة و لو لم يعمل به، فإنه لايستوي الذين يعلمون والذين لايعلمون، فالعلماء هم الأمنون من التلبيس. اھ۔

"یقین جان اللہ تیری مدد کرے کہ کرامت حق سبحانہ کے نام بر کی بارگاہ سے آتی ہے تو صرف ابرار نکوکار ہی پاتے ہیں اور وہ دو قسم ہے، محسوس ظاہری و معقول معنوی ' عوام صرف کرامات محسوسہ کو جانتے ہیں جیسے کسی کے دل کی بات بتا دینا، گزشتہ و موجودہ و آئندہ غیبوں کی خبر دینا، پانی پر چلنا، ہوا پر اڑنا، صدہا منزل زمین ایک قدم میں طے کر جانا، آنکھوں سے چھپ جانا کہ سامنے موجود ہوں اور کسی کو نظر نہ آئیں، اور کرامات معنویہ کو صرف خواص پہچانتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ اپنے نفس پر آداب شرعیہ کی حفاظت رکھے، عمدہ خصلتیں حاصل کرنے اور بری عادتیں سے بچنے کی توفیق دیا جائے، تمام واجبات ٹھیک وقت پر ادا کرنے کا التزام رکھے، ان سب میں مکرِ نہاں کی مداخلت ہو سکتی ہے، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ظاہری کرامتیں استقامت کا نتیجہ ہوں یا خود

استقامت پیدا کریں ورنہ کرامت نہ ہو گی، اور کرامات معنویہ میں مکر و استدراج کی مداخلت نہیں، اس لئے کہ علم ان کے ساتھ ہے۔ علم کی قوت علم کا شرف خود ہی تجھے بتائے گا کہ ان میں مکر کا دخل نہیں اس لئے کہ شریعت کی حدیں کسی کے لئے مکر کا پھندا قائم نہیں کرتیں۔ اس وجہ سے شریعت سعادت پانے کا عین صاف اور روشن راستہ ہے، علم ہی مقصود ہے اور اسی سے نفع پہنچتا ہے اگرچہ اس پر عمل نہ بھی ہو کہ مطلقا ارشاد ہوا ہے کہ عالم و بے علم برابر نہیں تو علماء ہی مکر و اشتباہ سے امان میں ہیں۔" ا

حضرت سید ابراہیم دسوقی

فرماتے ہیں :الشريعة هي الشجرة و الحقيقة هي الثمرة۔

"شریعت درخت ہے اور حقیقت پھل ہے"۔(الطبقات الکبریٰ)

درخت و ثمر کی نسبت بھی بتا رہی ہے کہ درخت قائم ہے تو اصل موجود ہے مگر جو اصل کاٹ بیٹھا وہ نرا محروم و مردود ہے۔

حضرت سید علی الخواص

فرمایا :علم الكشف الصحيح لا يأتي قط إلاموافقا للشريعة المطهرة.

"سچا علم کشف کبھی نہیں آتا مگر شریعت مطہرہ کے موافق۔" (کتاب الجواہر والدرر)

امام عبد الوہاب شعرانی

فرمایا :إن الله قد أقدر إبليس كما قال الغزالي وغيره أن يقيم للمكاشف صورة المحل الذي ياخذ علمه منه من سماء أو عرش أو كرسي أو قلم أو لوح، فربما يظن المكاشف أن ذلك العلم عن الله عز و جل فأخذ به فضل و أصلي، فمن هنا أوجبوا على المكاشف أن يعرض ماأخذه من العلم من طريق كشفه على الكتاب و السنة قبل العمل به، فإن وافق فذاك و إلاحرم العمل.

ا: فتوحات مکیہ جلد دوم

"بے شک اللہ نے ابلیس کو قدرت دی ہے جیسے امام غزالی وغیرہ اکابر نے تصریح کی ہے کہ صاحب کشف آسمان، عرش، کرسی، لوح، قلم جہاں سے اپنے علوم حاصل کرتا ہے، اس مکان کی ساختہ تصویر اس کے سامنے قائم کردے (اور حقیقت میں وہ عرش و کرسی و لوح و قلم نہ ہوں، شیطان کا دھوکا ہوں، اب شیطان اس دھوکے کی ٹٹی سے اپنا شیطانی علم القاء کرے) اور یہ صاحب کشف اسے اللہ کی جانب سے گمان کر کے عمل کر بیٹھے، خود بھی گمراہ ہو اوروں کو بھی گمراہ کرے، اسی لئے ائمہ اولیاء نے کشف والے پر واجب کیا ہے کہ جو علم بذریعہ کشف حاصل ہو اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے کتاب و سنت پر عرض کرے، اگر موافق ہو تو بہتر ورنہ اس پر عمل حرام ہے۔ (ملخص)

نابیناؤ! تم نے شریعت کی حاجت دیکھی، شریعت کا دامن نہ تھامو، تو شیطان کچے دھاگے کی لگام دے کر تمہیں گھمائے گھمائے پھرے، جب تو حدیث نے فرمایا کہ عابد بے فقہ چکی کا گدھا۔

مزید آپ کا ارشاد ہے:

التصوف إنما هو زبدة عمل العبد بأحكام الشريعة .

"تصوف کیا ہے بس احکام شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے۔"

سید عبد الغنی نابلسی

فرمایا: **ما يدعيه بعض المتصوفة في زماننا إنكم معشر أهل العلم الظاهر تأخذون أحكامكم من الكتاب و السنة و إنا نأخذ من صاحبه، هذا كفر لا محالة بالإجماع من وجوه الأول التصريح بعدم الدخول تحت أحكام الكتاب و السنة، مع وجود شروط التكليف، من العقل و البلوغ.**

"وہ جو ہمارے زمانے کے بعض صوفی بننے والے ادعاء کرتے ہیں کہ اے علم ظاہر والو! تم اپنے احکام کتاب و سنت سے لیتے ہو اور ہم خود صاحب قرآن سے لیتے ہیں یا بالاجماع قطعاً بوجوہ کثیرہ کفر ہے، از اں جملہ یہ کہ عقل و بلوغ شرائط تکلیف ہوتے ہوئے کہہ دیا کہ ہم زیر احکام شریعت نہیں۔" (حدیقہ ندیہ)

حضرت عارف ممدوح شریعت مطہرہ کی تعظیم کے بارے میں حضرات عالیہ سید الطائفہ وسری سقطی وابو یزید بسطامی وابو سلمان دارانی وذاالنون مصری، وبشر حافی اور ابو سعید خراز وغیرہم رضی اللہ عنہم کے اقوال کریمہ ذکر کر کے فرماتے ہیں:

أنظر أيها العاقل الطالب للحق! أن هولاء عظماء مشايخ الطريقة و كبراء أرباب الحقيقة، كلهم يعظمون الشريعة المحمدية، و كيف و هم ما وصلوا إلا بذلك التعظيم و السلوك، على هذا المسلك المستقيم، و لم ينقل عن أحد منهم، و لا عن غيرهم من السادة الصوفية الكاملين، أنه احتقر شيئا من أحكام الشريعة المطهرة و لامتنع من قبوله، بل كلهم مسلمون له و يبنون علومهم الباطنة على السيرة الأحمدية، فلا يغرنك طامات الجهال المتنكين الفاسدين المفسدين الضالين المضلين الزائغين عن الشرع القويم، على صراط الجحيم،خارجين عن مناهج علماء الشريعة المحمدية، مارفين عن مسالك مشايخ الطريقة لإعراضهم عن التأدب بآداب الشريعة، و تركهم الدخول في حصونها المنيعة، فهم كافرون بإنكارها، يدعون الاستنارة بأنوارها و مشايخ الطريقة قائلون بآداب الشريعة، معتقدون تعظيم أحكام الله، و لهذا اتحفهم بالكمالات القدسية، و هؤلاء المغروررون بالانفشار، اللابسون خلقة العار الذين هم مسلمون فى الظاهر، و إذا حققتهم، فهم كفار لم يزالوا معتكفين على أصنام الأوهام، مفتونين بما يلقي لهم الشيطان من الوساوس فى الإفهام فالويل كل الويل لهم، و لمن تبعهم أو أحسن أمرهم، فهم قطاع طريق الله تعالىٰ. (حدیقہ ندیہ جلداول)

"اے عاقل حق کے طالب! دیکھ کہ یہ عظمائے مشائخ طریقت یہ کبرائے ارباب حقیقت سب کے سب شریعت مطہرہ کی تعظیم کر رہے ہیں اور کیوں نہ کریں کہ وہ واصل نہ ہوئے مگر اسی تعظیم اقدس اسی سیدھی راہ شریعت پر چلنے کے سبب۔ اور ان سے یاان کے سوااور سرداران اولیائے کاملین کسی ایک سے بھی منقول نہیں کہ اس نے

شریعت مطہرہ کے کسی حکم کی تحقیر کی یا اس کے قبول سے باز رہا ہو، بلکہ وہ سب اس کے حضور گردن رکھے ہوئے ہیں اور اپنے باطنی علوم کو روش محمدی ﷺ برپا کرتے ہیں تو زنہار تجھے دھوکے میں نہ ڈالیں حد سے گزری ہوئی باتیں ان جاہلوں کی کہ سالک بنتے ہیں جو بگڑے اوروں کو بگاڑتے ہیں، آپ گمراہ، اوروں کو گمراہ کرتے ہیں، شرع مستقیم سے کج ہو کر جہنم کی راہ چلتے ہیں، علمائے شریعت کی راہ سے باہر، مشائخ طریقت کے مسلک سے خارج اس لئے کہ آداب شریعت اختیار کرنے سے روگردانی کئے، اس کے مستحکم قلعوں میں پناہ لینے کو چھوڑے بیٹھے ہیں تو وہ انکار شریعت کے سبب کافر ہیں اور دعوی یہ کہ اس کے انوار سے روشن ہیں، مشائخ طریقت تو آداب شریعت پر قائم ہیں، احکام الٰہی کی تعظیم کے معتقد ہیں، اسی لئے اللہ نے انہیں کمالات قدس کا تحفہ دیا اور یہ اپنی خرافات پر مغرور یہ عار کا لباس پہنے ہوئے کہ ظاہر میں مسلمان اور حقیقت میں کافر ہیں، یہ ہمیشہ اپنے اوہام کے بتوں کے آگے آس مارے ہیں، شیطان جو وسوے ان کے افکار میں ڈالتا ہے انہیں پر مفتون ہوئے ہیں، تو خرابی پوری خرابی ان کے لئے اور جو ان کا پیرو ہو یا ان کے کام کو اچھا جانے اس لئے کہ یہ راہ خدا کے راہزن ہیں۔"

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی

فرماتے ہیں:

خارق عادت اگر از ولی موصوف باوصاف ولایت ظاہر بود کرامت گویند و اگر از مخالف شریعت صادر شود استدراج حفظنا الله و إیاکم۔"[1]

شیخ الاسلام احمد نامقی جامی

آپ نے حضرت خواجہ مودود چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ "اول مصلے بر طاق نہ و برو علم آموز کہ زاہد بے علم مسخرہ شیطان است"۔[2]

1: لطائف اشرفیہ 2: نفحات الانس

حضرت نور الدین جامی

آپ فرماتے ہیں:

"اگر صد ہزار خارق عادت بر ایشاں ظاہر شود چوں نہ ظاہر ایشاں موافق احکام شریعت ست و نہ باطن موافق آداب طریقت باشد آں از قبیل مکر و استدراج خواہد بود نہ از مقولہ ولایت و کرامت"۔ (نفحات الانس) ۱

۱: مقال العرفاء باعزاز الشرع و العلماء

حقیقت بیعت وارشاد

اوصاف و شرائط مرشد

اقسام بیعت

کیا پیری مریدی مدارِ نجات ہے؟

ایسے مسائل پر شاندار تحقیقی مقالہ

سوال: اگر زید کا پیر و مرشد نہ ہو تو وہ فلاح پائے گا یا نہیں؟ اور اس کا پیر و مرشد شیطان ہو گا یا نہیں؟ کیونکہ اللہ رب العزت حکم فرماتا ہے: وابتغوا إليه الوسيلة اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ۔

الجواب

ہاں اولیائے کرام قدسنا الله بأسرارهم کے ارشاد سے دونوں باتیں ثابت ہیں اور عنقریب ہم ان دونوں کو قرآن کریم سے استنباط کریں گے، ایک یہ کہ بے پیر فلاح نہ پائے گا، حضرت سیدنا شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی قدس سرہ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں:

سمعت كثيرا من المشايخ يقولون من لم ير مفلحا لا يفلح.

"یعنی میں نے بہت اولیاء کرام کو فرماتے سنا کہ جس نے کسی فلاح پائے ہوئے کی زیارت نہ کی، وہ فلاح نہ پائے گا۔"

دوسرے یہ کہ بے پیرے کا پیر شیطان ہے۔ عوارف المعارف میں ہے:

روي عن أبي يزيد أنه قال من لم يكن له أستاذ فإمامه الشيطان.

"یعنی سیدنا بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوا کہ فرماتے جس کا کوئی پیر نہیں اس کا امام شیطان ہے۔"

رسالہ مبارکہ امام اجل ابو القاسم قشیری میں ہے:

يجب على المريد أن يتأدب بشيخ فإن لم يكن له أستاذ لا يفلح أبدا هذا أبو يزيد يقول من لم يكن له أستاذ فإمامه الشيطان.

"یعنی مرید پر واجب ہے کہ کسی پیر سے تربیت لے کہ بے پیر ا کبھی فلاح نہ پائے گا، یہ ہیں ابو یزید کہ فرماتے ہیں جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے۔"

پھر فرمایا: میں نے ابو علی دقاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ پیڑ جب کسی بونے والے کے بغیر آپ اگے تو پتے لاتا ہے مگر پھل نہیں دیتا، یونہی مرید کے لئے

اگر کوئی پیر نہ ہو جس سے وہ قدم قدم پر راستہ معلوم کرے تو وہ خواہش نفس کا پجاری ہے، راہ نہ پائے گا۔

حضرت سیدنا میر سید عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ السامی سبع سنابل شریف میں فرماتے ہیں ؎

چو پیرت نیست پیر تست ابلیس
کہ راہ دیں زدست از مکر و تلبیس

مطلقاً نجات، بیعت و مریدی پر موقوف نہیں

فلاح دو قسم ہے، اول انجام کار رستگاری اگرچہ معاذ اللہ سبقت عذاب کے بعد ہو، یہ عقیدۂ اہل سنت میں ہر مسلمان کے لئے لازم اور کسی بیعت و مریدی پر موقوف نہیں، اس کے لئے صرف نبی ﷺ کو مرشد جاننا بس ہے، بلکہ ابتدائے اسلام میں کسی دور دراز پہاڑ یا گمنام ٹاپو کے رہنے والے غافل جن کو نبوت کی خبر ہی نہ پہنچی اور دنیا سے صرف توحید پر گئے بالآخر ان کے لئے بھی فلاح ثابت۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل محشر اور انبیاء سے مایوس پھر کر میرے حضور حاضر ہوں گے، میں فرماؤں گا أنا لھا میں ہوں شفاعت کے لئے، پھر اپنے رب سے اذن چاہوں گا، وہ مجھے اذن دے گا، میں سجدے میں گروں گا، ارشاد ہوگا:

یا محمد! إرفع رأسك، و قل تسمع ،و سل تعطه، و اشفع تشفع.

"اے محمد (ﷺ)! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو کہ تمہاری بات سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا کیا جائے گا اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہے۔"

میں عرض کروں گا اے میرے رب! میری امت، میری امت! فرمایا جائے گا جاؤ جس کے دل میں جو بھر ایمان ہو اسے دوزخ سے نکال لو، انہیں نکال کر میں دوبارہ حاضر ہوں گا، سجدہ کروں گا، وہی ارشاد ہوگا، اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو کہ سنا جائے گا

مانگو کہ دیا جائے گا، شفاعت کرو کہ قبول ہے، میں عرض کروں گا اے میرے رب! میری امت! میری امت! ارشاد ہوگا جاؤ جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہو، نکال لو! میں انہیں نکال کر سہ بارہ حاضر ہو کر سجدہ کروں گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور جو کہو منظور ہے، جو مانگو عطا ہے، شفاعت کرو مقبول ہے۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب میری امت میری امت! ارشاد ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے کم سے کم سے کمتر ایمان ہو، اسے نکال لو، میں انہیں نکال کر چوتھی بار حاضر و ساجد ہوں گا، ارشاد ہوگا۔ اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو کہ سنیں گے، مانگو کہ دیں گے، شفاعت کرو کہ قبول کریں گے۔ میں عرض کرونگا۔ الٰہی! مجھے ان کے نکالنے کی اجازت دے جنہوں نے تجھے ایک جانا ہے، ارشاد ہوگا یہ تمہارے سبب نہیں بلکہ مجھے اپنے عزت و جلال و کبریا و عظمت کی قسم، ہر موحد کو اس سے نکال لوں گا۔

دوم کامل رستگاری و بے سبقت عذاب دخولِ جنت ہو، اس کے دو پہلو ہیں :۔

اول وقوع، یہ مذہب اہل سنت میں محض مشیتِ الٰہی پر ہے، جسے چاہے ایسی فلاح عطا فرمائے، اگرچہ لاکھوں کبائر کا مرتکب ہو اور چاہے تو ایک گناہ صغیرہ پر گرفت کرلے اگرچہ لاکھوں حسنات رکھتا ہو، یہ عدل ہے اور فضل، **یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء** دوم امید یعنی انسان کے اعمال و افعال، اقوال اور احوال ایسے ہوں کہ اگر انہیں پر خاتمہ ہو تو کرمِ الٰہی سے امید واثق ہو کہ بلا عذاب داخل جنت کیا جائے، یہی وہ فلاح ہے جس کی تلاش کا حکم ہے کہ **سابقوا إلى مغفرة من ربكم و جنة عرضها كعرض السماء و الأرض** اس لئے کہ کسبِ انسانی اسی سے متعلق۔ یہ پھر دو قسم، قسم اول فلاحِ ظاہر، حاشا اس سے وہ مراد نہیں کہ نرے ظاہر داروں کو مطلوب جن کی نظر صرف اعمال جوارح پر مقصور، ظاہر احکام شرع سے آراستہ اور معاصی سے منزہ کر لیا اور متقی و مفلح بن گئے اگرچہ باطن ریاء، عجب، حسد، کینہ، تکبر، حب مدح، حبِ جاہ، محبتِ ریا، حبِ شہرت، تعظیمِ امراء، تحقیر مساکین، اتباعِ شہوات، مداہنت، کفرانِ نعم، حرص، غل، طولِ اَمل، سوئے ظن، عنادِ حق، اصرارِ باطل، مکر، عذر، خیانت، غفلت، قسوت، طمع، تملق، اعتمادِ خلق، نسیانِ خالق، نسیانِ موت، جرأت علی اللہ،

نفاق، اتباعِ شیطان، بندگیٔ نفس، رغبتِ بطالت، کراہتِ عمل، قلتِ خشیت، جزع، عدم خشوع، غضب للنفس اور تساہل فی اللہ وغیرہا مہلکات آفات سے گندہ ہو رہا ہو جیسے مزبلہ پر زربفت کا خیمہ۔ او پر زینت اندر نجاست، پھر کیا یہ باطنی خباثتیں ظاہری صلاح پر قائم رہنے دیں گی، حاشا معاملہ پڑنے دیجئے، کونسی ناگفتنی ہے کہ نہ کہیں گے، کونسی ناکردنی ہے کہ اٹھا رکھیں گے اور پھر بدستور صالح۔

دوم: فلاحِ باطنی کہ قلب و قالب رذائل سے متخلی اور فضائل سے متجلی کر کے بقایائے شرک خفی دل سے دور کئے جائیں یہاں تک کہ **لا مقصود إلا الله.** پھر **لا مشهود الا الله**، پھر **لا موجود الا الله**، متجلی ہو، یعنی اولا ارادہ غیر سے خالی ہو، پھر غیر نظر سے معدوم، پھر حق حقیقت جلوہ فرمائے کہ وجود اسی کے لئے ہے، باقی سب ظلال و پرتو، یہ منتہائے فلاح اور فلاح احسان ہے، فلاح تقوی میں تو عذاب سے دوری اور جنت کا چین تھا کہ **فمن زحزح عن النار و أدخل الجنة فقد فاز** "جو جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ ضرور فلاح کو پہنچا" اور فلاحِ احسان اس سے اعظم ہے کہ عذاب کا کیا ذکر، کسی قسم کا اندیشہ و غم بھی ان کے پاس نہیں آتا۔ **ألا إن أولياء الله لا خوف عليهم و لا هم يحزنون.**

پھر اس فلاح کے لئے ضرور پیر و مرشد کی حاجت ہے چاہے قسم اول کی ہو یا دوم کی۔

مرشد کی اقسام

اب مرشد بھی دو قسم ہے، اول عام کہ کلام اللہ و کلام الرسول و کلام ائمہ شریعت و طریقت و کلام علمائے دین اہل رشد و ہدایت ہے اسی سلسلہ صحیحہ پر کہ عوام کا ہادی کلام علماء علماء کا رہنما، کلام ائمہ ائمہ کا مرشد، کلام رسول رسول کا پیشوا، کلام اللہ عزوجل، فلاح ظاہر ہو خواہ فلاحِ باطن اسے اس مرشد سے چارہ نہیں، جو اس سے جدا ہے بلاشبہ کافر ہے یا گمراہ اور اس کی عبادت برباد و تباہ۔

دوم بندہ کسی عالم سنی صحیح العقیدہ صحیح الاعمال جامع شرائط بیعت کے ہاتھ میں

ہاتھ دے، یہ مرشد خاص جسے پیر و شیخ کہتے ہیں، پھر دو قسم ہے۔

شیخ اتصال

جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پر نور سید المرسلین ﷺ تک متصل ہو جائے، اس کے لئے چار شرطیں ہیں۔

شرائط مرشد

۱۔ شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس ﷺ تک پہنچا ہو، بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعے سے اتصال ناممکن، بعض لوگ بلا بیعت بزعم وراثت اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں، یا بیعت تو کی تھی مگر خلافت نہ ملی تھی، بلااذن مرید کرنا شروع کر دیتے ہیں یا سلسلہ ہی وہ کہ قطع کر دیا گیا، اس میں فیض نہ رکھا گیا، لوگ براہ ہوس اس میں اذن و خلافت دیتے چلے آتے ہیں، یا سلسلہ فی نفسہ صحیح تھا مگر بیچ میں کوئی ایسا شخص واقع ہوا جو بوجہ انتفائے بعض شرائط قابل بیعت نہ تھا، اس سے جو شاخ چلی وہ بیچ میں سے منقطع ہے، ان صورتوں میں اس بیعت سے ہر گز اتصال نہ ہوگا، بیل سے دودھ یا بانجھ سے بچہ مانگنے کی مت جدا ہے۔

۲۔ شیخ سنی صحیح العقیدہ ہو، بد مذہب نہ ہو۔

۳۔ عالم ہو، علم فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقائد اہلسنت سے پورا واقف، کفر و اسلام اور ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو، صدہا کلمات و حرکات ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے، اور جاہل براہ جہالت ان میں پڑ جاتے ہیں، اول تو باخبر ہی نہیں ہوتے کہ ان سے قول یا فعل کفر صادر ہوا اور بے اطلاع توبہ ناممکن تو مبتلا کے مبتلا ہی رہے اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سلیم الطبع جاہل ڈر بھی جائے توبہ بھی کرے مگر وہ جو سجادۂ مشیخت پر ہادی مرشد بنے بیٹھے ہیں، ان کی عظمت کہ خود ان کے قلوب میں ہے کب قبول کرنے دے۔ **و إذا قيل له اتق الله أخذته العزة بالإثم** اور اگر ایسے ہی حق پرست ہوئے اور مانا تو کتنا؟ اتنا کہ آپ توبہ کرلیں گے، قول

وفعل کفر سے جو بیعت فسخ ہوگئی، اب کس کے ہاتھ پر بیعت کریں اور شجرہ اس جدید شیخ کے نام سے دیں، اگرچہ شیخ اول ہی کا خلیفہ ہو یہ ان کا نفس کیونکر گوارا کرے، نہ اس پر راضی ہوں گے کہ آج سے سلسلہ بند کریں، مرید کرنا چھوڑ دیں، لاجرم وہی سلسلہ کہ ٹوٹ چکا جاری رکھیں گے لہٰذا عالمِ عقائد ہونا لازم۔

۴۔ فاسق معلن نہ ہو۔

اس شرط پر حصولِ اتصال کا توقف نہیں کہ مجرد فسق باعثِ فسخ نہیں مگر پیر کی تعظیم لازم ہے اور فاسق کی توہین واجب، دونوں کا اجتماع باطل۔ تبیین الحقائق امام زیلعی وغیرہ میں دربارۂ فاسق ہے :۔

في تقديمه للإمامة تعظيمه، و قد وجب عليهم إهانته.

شیخِ ایصال

شرائط مذکورہ کے ساتھ مفاسدِ نفس، مکائدِ شیطان اور مصائدِ ہوا سے آگاہ ہو، دوسرے کی تربیت جانتا اور اپنے متوسل پر شفقت تامہ رکھتا ہو کہ اس کے عیوب پر اسے مطلع کرے، ان کا علاج بتائے، جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں، حل فرمائے، نہ محض سالک ہو نہ نرا مجذوب، عوارف شریف میں فرمایا: "یہ دونوں قابلِ پیری نہیں" اس لئے کہ اول خود ہنوز راہ میں ہیں اور دوسرا طریق تربیت سے غافل بلکہ مجذوب سالک ہو یا سالکِ مجذوب اور اول ادنیٰ ہے۔

اقسام بیعت

بیعت بھی دو قسم ہے : بیعت برکت، بیعت ارادت۔

بیعت برکت

یعنی صرف تبرک کے لئے داخل سلسلہ ہو جانا، آجکل عام بیعتیں یہی ہیں وہ بھی نیک نیتوں کی ورنہ بہتوں کی بیعت دنیاوی اغراضِ فاسدہ کے لئے ہوتی ہے وہ خارج از

بحث ہیں، اس بیعت کے لئے شیخ اتصال کہ شرائط اربع کا جامع ہو، بس ہے۔ بیکار یہ بھی نہیں، مفید اور بہت مفید اور دنیاو آخرت میں بکار آمد ہے، محبوبان خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھا جانا ان سے سلسلہ متصل ہو جانا ہے فی نفسہ سعادت ہے،

اول: ان خاص خاص غلاموں سالکان راہ سے اس امر میں مشابہت، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تشبه بقوم فهو منهم

"جو جس قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انہیں میں سے ہے"۔

سیدنا شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عوراف المعارف میں فرماتے ہیں:

واعلم أن الخرقة خرقتان، خرقةالإرادةوخرقة التبرك، والأصل الذي قصده المشايخ للمريدين خرقة الإرادة،وخرقة التبرك تشبه بخرقة الإرادة،فخرقة الإرادة للمريد الحقيقي، و خرقة التبرك للمتشبه، و من تشبه بقوم فهو منهم.

ثانیا: ان غلامانِ خاص کے ساتھ ایک سلک میں منسلک ہونا ؎

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

ثالثا: محبوبانِ خدا آیۂ رحمت ہیں، وہ اپنا نام لینے والے کو اپنا کر لیتے ہیں اور اس پر نظرِ رحمت رکھتے ہیں۔ امام یکتا سیدی ابو الحسن نور الملۃ والدین علی قدس سرہ "بہجۃ الاسرار" میں فرماتے ہیں:

"حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی اگر کوئی شخص حضور کا نام لیوا ہو اور اس نے نہ حضور کے دست مبارک پر بیعت کی ہو نہ حضور کا خرقہ پہنا ہو، کیا وہ حضور کے مریدوں میں شمار ہو گا؟

فرمایا: جو اپنے آپ کو میری طرف نسبت کرے اور اپنا نام میرے دفتر میں شامل کرے، اللہ اسے قبول فرمائے گا اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو تو اسے توبہ دے گا، وہ

میرے مریدوں کے زمرے میں ہے اور بے شک اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے مریدوں اور ہم مذہبوں اور میرے ہر چاہنے والے کو جنت میں داخل فرمائے گا"۔

بیعت ارادت

کہ اپنے ارادہ واختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ، مرشد، ہادی برحق، واصل بحق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کردے، اسے مطلقاً اپنا حاکم ومالک ومتصرف جانے، اس کے چلانے پر راہ سلوک چلے، کوئی قدم بے اس کی مرضی کے نہ رکھے، اس کے لئے اس کے بعض احکام یا اپنی ذات میں خود اس کے کچھ کام اگر اس کے نزدیک صحیح نہ معلوم ہوں، انہیں افعال خضر علیہ السلام کے سمجھے، اپنی عقل کا قصور جانے، اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے، اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے، غرض اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے، یہی بیعت سالکین ہے اور یہی مقصود مشائخ مرشدین ہے۔ یعنی اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے، یہی حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لی ہے۔ جیسے سیدنا عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

بایعنارسول اللهﷺ على السمع و الطاعة، في العسر و اليسر، و المنشط و المكره، و أن لا ننازع الأمر أهله.

"ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس پر بیعت کی کہ ہر آسانی ودشواری، ہر خوشی و ناگواری میں حکم سنیں گے اور اطاعت کرینگے اور صاحب حکم کے کسی حکم میں چون و چرانہ کریں گے، شیخ ہادی کا حکم رسول کا حکم ہے اور رسول کا حکم اللہ کا حکم اور اللہ کے حکم میں مجالِ دم زدن نہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وما كان لمؤمن ولامؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمراأن يكون لهم الخيرة من أمرهم، و من يعص الله و رسوله، فقد ضل ضلالا مبينا﴾

"کسی مسلمان مرد و عورت کو نہیں پہنچتا کہ جب اللہ ورسول کسی معاملے میں کچھ

فرمادیں پھر انہیں اپنے کام کا کوئی اختیار ہے اور جس نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ ہوا"۔

عوارف شریف میں ارشاد فرمایا:

دخوله في حكم الشيخ دخوله في حكم الله و رسوله، و إحياء سنة المبايعة.

"شیخ کے زیر حکم ہونا اللہ و رسول کے زیر حکم ہونا ہے، اور اس بیعت کی سنت کا زندہ کرنا"۔

نیز فرمایا:

ولايكون هذا إلا لمريد حصر نفسه مع الشيخ، و انسلخ من إرادة نفسه و فنى في الشيخ بترك اختيار نفسه.

"یہ نہیں ہوتا مگر اس مرید کے لئے جس نے اپنی جان کو شیخ کی قید میں کر دیا اور اپنے ارادے سے باہر آیا، اپنا اختیار چھوڑ کر شیخ میں فنا ہو گیا"۔

پھر فرمایا:

ويحذر الاعتراض على الشيوخ فإنه السم القاتل للمريدين يعترض على الشيخ بباطنه فيفلح، ويذكر المريد في كل ما أشكل عليه من تصاريف الشيخ قصة الخضر عليه السلام، كيف كان يصدر من الخضر تصاريف ينكرها موسىٰ، ثم لما كشف عن معناها بأن وجه الصواب في ذلك، فهكذا ينبغي للمريد أن يعلم أن كل تصرف أشكل عليه صحته من الشيخ عند الشيخ فيه بيان، و برهان للصحة.

"پیروں پر اعتراض سے بچے کہ یہ مریدوں کے لئے زہر قاتل ہے کم کوئی مرید ہوگا جو اپنے دل میں شیخ پر کوئی اعتراض کرے پھر فلاح پائے، شیخ کے تصرفات جو کچھ اسے صحیح معلوم نہ ہوتے ہوں ان میں خضر علیہ السلام کے واقعات یاد کرے کیونکہ ان سے وہ باتیں صادر ہوئی تھیں بظاہر جن پر سخت اعتراض تھا، پھر جب وہ اس کی وجہ بتاتے تھے، ظاہر ہو جاتا تھا کہ حق یہی تھا جو انہوں نے کیا یونہی مرید کو یقین رکھنا

چاہئے کہ شیخ کا جو فعل مجھے صحیح معلوم نہیں ہوتا، شیخ کے پاس اس کی صحت پر دلیل قطعی ہے"۔

امام ابو القاسم قشیری رسالہ میں فرماتے ہیں، میں نے حضرت ابو عبد الرحمن سلمی کو فرماتے سنا کہ ان کے شیخ حضرت ابو سہل صعلوکی نے فرمایا:

من قال لأستاذه لم لا يفلح أبدا.

"جو اپنے پیر سے کسی بات میں کیوں کہے گا فلاح نہ پائے گا"۔

جب یہ اقسام معلوم ہو لئے اب حکم مسئلہ کی طرف چلئے مطلق فلاح کیلئے مرشد عام کی قطعا ضرورت ہے، فلاح تقوی ہو یا فلاح احسان، اس مرشد سے جدا ہو کر ہرگز نہیں مل سکتی اگرچہ مرشد خاص رکھتا بلکہ خود مرشد خاص بنتا ہو۔ پھر اس سے جدائی دو طرح ہے:

مرشد عام سے جدائی کی دو اقسام

صرف عمل میں، جیسے کسی کبیرے کا مرتکب یا صغیرہ پر مصر، اور اس سے بدتر ہے وہ جاہل کہ علماء کی طرف رجوع نہ لائے اور اس سے بدتر وہ کہ باوصف جہل ذی رائے بنے، احکام علماء میں اپنی رائے کو دخل دے، یا حکم کے خلاف اپنے یہاں کے باطل رواج پر اڑے اور اسے حدیث و فقہ سے بتا دیا جائے کہ یہ رواج بے اصل ہے، جب بھی اسی کو حق کہے بہر حال یہ لوگ فلاح پر نہیں اور بعض بعض سے زائد ہلاک میں ہیں مگر صرف ترکِ عمل کے سبب نہ بے پیرا ہو نہ اس کا پیر شیطان جبکہ اولیاء و علماء دین کا سچے دل سے معتقد ہو اگرچہ شامت نفس نافرمانی پر لائے۔ دوم منکر ہو کر جدائی۔

وہ فرقے جن کا پیر شیطان ہے

وہ ابلیسی مسخرے کہ علمائے دین پر ہنستے اور ان کے احکام کو لغو سمجھتے ہیں انہیں میں ہیں وہ جھوٹے مدعیان فقر جو کہتے ہیں کہ عالموں فقیروں کی سدا سے ہوتی آئی ہے

یہاں تک کہ بعض خبیثوں صاحب سجادہ بلکہ قطبِ وقت بننے والوں کو یہ لفظ کہتے سنے گئے کہ عالم کون ہے، سب پنڈت ہیں، عالم تو وہ ہو جو انبیائے بنی اسرائیل کے معجزے دکھلائے، وہ دہریے ملحد فقیر وولی بننے والے کہ کہتے ہیں، شریعت راستہ ہے ہم تو پہنچ گئے ہیں، راستے سے کیا کام؟

امام ابو القاسم قشیری قدس سرہ رسالہ مبارکہ میں فرماتے ہیں:

أبو علي الروذباري البغدادي أقام بمصر ومات بهاسنة اثنتين وعشرين و ثلاث مائة صحب الجنيد والنوري أظرف المشايخ و أعلمهم بالطريقة، سئل عمن يستمع الملاهي، ويقول هي لي حلال لأني وصلت إلى درجة لا تؤثر في اختلاف الأحول، فقال نعم. قد وصل و لكن إلى سقر.

"یعنی سیدی ابو علی روزباری بغدادی نے مصر میں اقامت اختیار فرمائی اور یہیں ۳۲۲ھ میں وفات پائی۔ سید الطائفہ جنید وابو الحسن احمد نوری رضی اللہ عنہما کے اصحاب میں ہیں، مشائخ میں ان سے زیادہ علم طریقت کسی کو نہ تھا، اس جناب سے سوال ہوا کہ ایک شخص مزامیر سنتا اور کہتا ہے یہ میرے لئے حلال ہیں اس لئے کہ میں ایسے درجے تک پہنچ گیا کہ احوال کا اختلاف مجھ پر کچھ اثر نہیں ڈالتا، فرمایا: ہاں پہنچا تو ضرور مگر کہاں تک؟ جہنم تک۔"

عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ کتاب الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں فرماتے ہیں، حضور سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی، کچھ لوگ کہتے ہیں:

إن التكاليف كانت وسيلة إلى الوصول و قد وصلنا.

"شریعت کے احکام تو وصول کا وسیلہ تھے اور ہم واصل ہو گئے"۔

فرمایا:

صدقوا في الوصول و لكن إلى سقر، و الذي يسرق و يزني خير ممن يعتقد ذلك.

"وہ سچ کہتے ہیں واصل تو ضرور ہوئے مگر جہنم تک، چور اور زانی ایسے عقیدے

والوں سے بہتر ہیں۔

وہ جاہل اجہل یا ضال اضل کہ بے پڑھے یا چند کتابیں پڑھ کر بزعم خود عالم بن کر ائمہ سے بے نیاز ہو بیٹھے، جیسا قرآن وحدیث ابو حنیفہ وشافعی سمجھتے تھے ان کے زعم میں یہ بھی سمجھتے ہیں بلکہ ان سے بھی بہتر کہ انہوں نے قرآن وحدیث کے خلاف حکم دیئے، یہ ان کی غلطیاں نکال رہے ہیں، یہ گمراہ بددین غیر ملقدین ہوئے۔

فلاح و تقویٰ کے لئے مرشد خاص کی ضرورت نہیں

اس کے لئے مرشد خاص کی بایں معنی ضرورت نہیں کہ بے اس کے یہ فلاح مل ہی نہ سکے جیسا کہ اوپر گزرا، فلاح ظاہر ہے، اس کے احکام واضح ہیں، آدمی اپنے علم سے یا علماء سے پوچھ کر متقی بن سکتا ہے، اعمالِ قلب میں اگرچہ بعض دقائق ہیں مگر محدود اور کتبِ ائمہ مثل امام ابو طالب مکی، امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہما میں مشروح، تو بے بیعت خاص بھی اس کی راہ کشادہ، اس کا دروازہ مفتوح۔

سلوک کی راہ عام نہیں، نہ ہر شخص اس کا اہل ہے

تقویٰ عموماً ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور اس فلاح یعنی عذاب سے رستگاری کے لئے بفضلِ الٰہی حسب وعدہ صادقہ کافی ووافی، احسان یعنی سلوک راہ ولایت اعلیٰ درجے کا مطلوب ومحبوب ہے مگر اس کی طرح فرض نہیں ورنہ اولیاء کے سوا کہ ہر دورہ میں صرف ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوتے ہیں، باقی کروڑ ہا مسلمان، ہزار ہا علماء و صلحاء سب معاذ اللہ تارک فرض وفساق ہوں، اولیاء کرام نے بھی کبھی اس راہ کی عام دعوت نہ دی، کروڑوں میں سے معدودے چند کو اس پر چلایا اور اس کے طالبوں میں سے بھی جسے اس بار کے قابل نہ پایا واپس فرمایا، فرض سے واپس کرنا کیونکر ممکن تھا؟

﴿لایکلف اللہ نفسا إلا وسعها﴾

عوارف شریف میں ہے:

"خرقۂ تبرک ہر ایک کو دیا جا سکتا ہے اور خرقۂ ارادات اسی کو دیا جائے گا جو اس کا

اہل ہو، نااہل سے اس راہ کے شرائط کا مطالبہ نہ کیا جائے گا، صرف اتنا کہیں گے کہ شریعت کا پابند رہ اور اولیاء کی صحبت اختیار کر کہ شاید اس کی برکت اسے خرقہ ارادت کا اہل کر دے، تو ظاہر ہوا کہ اس کا ترک منافی فلاح نہیں، نہ کہ معاذ اللہ مرید شیطان کرے"۔

اکابر علماء وائمہ میں ہزارہا وہ گزرے ہیں جن سے یہ بیعت خاصہ ثابت نہیں یا کی تو آخر عمر میں بعد حصول مرتبہ امامت اور وہ بھی بیعت برکت جیسے امام ابن حجر عسقلانی نے سیدی مدین قدس سرہ کے دست اقدس پر۔

بیعت سے منکر کا حکم

ہاں جو اس کا ترک بوجہ انکار کرے، اسے باطل ولغو جانے وہ ضرور گمراہ بے فلاح اور مرید شیطان ہے جبکہ انکار مطلق ہو اور اگر اپنے عصر و مصر میں کسی کو بیعت کے لئے کافی نہ جانے تو اس کا حکم اختلاف منشا سے مختلف ہوگا اگر یہ اپنے تکبر کے باعث ہے تو:

﴿أليس في جهنم مثوى للمتكبرين﴾

"کیا جہنم میں متکبروں کا ٹھکانا نہیں؟"

اور اگر بلاوجہ شرعی بدگمانی کے باعث سب کو نااہل جانے تو یہ بھی کبیرہ ہے اور مرتکب کبیرہ مفلح نہیں اور اگر ان میں وہ باتیں ہیں جو اشتباہ میں ڈالتی ہیں اور یہ بے نظیر احتیاط بچتا ہے تو الزام نہیں۔

إن من الحزم سوء الظن دع ما يريبك.

فلاح احسان کے لئے مرشد خاص کی ضرورت ہے

فلاح احسان کیلئے بے شک مرشد خاص کی حاجت ہے اور وہ بھی شیخِ ایصال کی، شیخِ اتصال اس کے لئے کافی نہیں، اور اس کے ہاتھ پر بھی بیعتِ ارادت، بیعت برکت، یہاں بس نہیں، اس راہ میں وہ شدید باریکیاں وہ سخت تاریکیاں ہیں کہ جب تک کامل مکمل اس راہ کے جملہ نشیب و فراز سے آگاہ و ماہر حل نہ کرلے حل نہ ہوں گی، نہ کسب

سلوک کا مطالعہ کام دے گا کہ یہ دقائق تقویٰ کی طرح محدود و معدود نہیں جن کا ضبط کتاب کر سکے :

الطرق إلى الله بعدد أنفاس الخلائق.

"اللہ تک راستے اتنے ہیں جتنی تمام مخلوقات کی سانسیں"۔

حضور سیدنا غوث اعظم فرماتے ہیں :

إن الله لايتجلى لعبد في صفتين و لا في صفة لعبدين .

"اللہ عزوجل نہ ایک بندے پر دو صفتوں پر تجلی فرمائے اور نہ ایک صفت سے دو بندوں پر۔" (رواه في البهجة الشريفة)

اور ہر راہ کی دشواریاں، باریکیاں، گھاٹیاں جدا ہیں جن کو نہ یہ خود سمجھ سکے گا نہ کتاب بتائے گی اور وہ پرانا دشمن، مکار پر فن، ابلیس لعین ہر وقت ساتھ ہے، اگر بتانے والا، آنکھیں کھولنے والا ساتھ نہ ہو تو خدا جانے کس کھوہ میں گرائے؟ کس گھاٹی میں ہلاک کرے؟ ممکن کہ سلوک در کنار معاذ اللہ ایمان تک ہاتھ سے جائے جیسا کہ بارہا واقع ہو چکا ہے۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا ابلیس کے مکر کو رد فرمانا اور اس کا کہنا کہ اے عبد القادر! تمہیں تمہارے علم نے بچالیا ورنہ اسی دھوکے سے میں نے ستر اہل طریق ہلاک کئے ہیں، معروف و مشہور اور کتب ائمہ مثل بہجۃ الاسرار شریف وغیرہا میں مروی و مسطور۔

حاشا یہ مرشد عام کا عجز نہیں بلکہ اس کے سمجھنے سے سالک کا عجز ہے۔ مرشد عام میں سب کچھ ہے: ﴿**ما فرطنا في الكتاب من شيء**﴾

"ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی۔" مگر احکام ظاہر عام لوگ سمجھ نہیں سکتے جس کے سبب عوام کو علماء، علماء کو ائمہ، ائمہ کو رسول کی طرف رجوع فرض ہوئی کہ ﴿ **فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون**﴾

یہی حکم یہاں بھی ہے اور یہاں اہل ذکر وہ مرشد خاص باوصاف مذکورہ ہے، تو جو اس راہ میں قدم رکھے،

ا۔ اور کسی کو پیر نہ بنائے۔

۲۔ کسی مبتدع۔

۳۔ کسی جاہل کا مرید جو پیر اتصال بھی نہیں۔

۴۔ ایسے کا مرید جو صرف پیر اتصال ہے قابل ایصال نہیں اور اس کے بھروسے پر یہ راہ طے کرنا چاہے۔

۵۔ شیخ ایصال ہی کا مرید ہو مگر خود رائی برتے اس کے احکام پر نہ چلے تو یہ شخص اس فلاح کو نہ پہنچے گا اور اس راہ میں ضرور اس کا پیر شیطان ہو گا جس سے تعجب نہیں کہ اسے اصل فلاح بلکہ نفس ایمان سے دور کر دے۔ **و العیاذ باللہ رب العلمین.**

غالب یہی ہے کہ بے پیر اس راہ چلنے والا ان آفتوں میں گرفتار ہو جاتا ہے اور گرگ شیطان اسے بے راعی کی بھیڑ پاکر نوالہ کر لیتا ہے، اگرچہ ممکن کہ لاکھوں میں ایک ایسا ہو جسے جذبِ ربانی کفایت و کفالت کرے اور بے توسط پیر اسے مکائد نفس و شیطان سے بچا کر نکال لے جائے، اس کے لئے مرشدِ عام مرشدِ خاص کا کام دے گا۔ خود حضور اقدس ﷺ اس کے مرشدِ خاص ہوں گے کہ بے توسطِ نبی کوئی وصول ممکن نہیں مگر یہ ہے تو نہایت نادر ہی اور نادر کے لئے حکم نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کے لطائف لامتناہی ہیں، اس بیان سے آیہ کریمہ:

﴿**یأیها الذین أمنوا اتقوا الله و ابتغوا إلیه الوسیلة و جاهدوا في سبیله لعلکم تفلحون**﴾ کے مبارک جملوں کا حسنِ ترتیب واضح ہوا، یہ فلاح احسان کی طرف دعوت ہے، اس کے لئے تقوی شرط ہے تو اولاً اس کا حکم فرمایا کہ **اتقوا الله** اب کہ تقویٰ پر قائم ہو کر راہِ احسان میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور یہ عادۃً بے وسیلۂ شیخ ناممکن ہے لہذا دوسرے مرتبہ میں قبل سلوک تلاش پیر کو مقدم فرمایا کہ ﴿**وابتغوا إلیه الوسیلة**﴾ اس لئے کہ **الرفیق ثم الطریق**، اب کہ سامان ہو لیا، اصل مقصود کا حکم دیا کہ ﴿**و جاهدوا في سبیله**﴾ اس کی راہ میں مجاہدہ کرو ﴿**لعلکم تفلحون**﴾ تاکہ فلاح احسان پاؤ۔

یہاں سے ظاہر ہوا کہ یہاں بے پیر افلاح نہ پائے گا اور جب فلاح نہ پائے گا خاسر ہو گا، تو حزب اللہ سے نہ ہوا حزب الشیطان سے ہو گا کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

﴿ألا إن حزب الشيطان هم الخسرون﴾
"سنتا ہے، شیطان ہی کا گروہ خاسر ہے۔"
﴿ألا إن حزب الله هم المفلحون﴾
"سنتا ہے اللہ ہی کا گروہ فلاح والا ہے۔"

تو دوسرا جملہ بھی ثابت ہوا کہ بے پیرے کا پیر شیطان ہے جس کا بیان ابھی گزرا۔ **نسأل الله العفو**

حاصل تحقیق یہ چند جملے ہوئے:

۱۔ ہر بد مذہب فلاح سے دور، ہلاک میں چور ہے، مطلقاً بے پیرا ہے اور ابلیس اس کا پیر، اگرچہ بظاہر کسی انسان کا مرید ہو بلکہ خود پیر بنے، راہِ سلوک میں قدم رکھے یا نہ رکھے ہر طرح **لا یفلح** و **شیخہ الشیطان** کا مصداق ہے۔

۲۔ سنی صحیح العقیدہ کہ راہِ سلوک میں نہ پڑا۔ اگر فسق کرے فلاح پر نہیں مگر پھر بھی نہ بے پیرا ہے، نہ اس کا پیر شیطان بلکہ جس شیخ جامع شرائط کا مرید ہو اس کا مرید ہے ورنہ مرشد عام کا۔

۳۔ اگر یہ تقوی کرے تو فلاح پر بھی ہے اور بدستور اپنے شیخ یا مرشد عام کا مرید، غرض سنی کہ مضائقِ سلوک میں نہ پڑا کسی خاص بیعت نہ کرنے سے بے پیرا نہیں ہوتا نہ شیطان کا مرید، ہاں فسق کرے تو فلاح پر نہیں اور متقی ہو تو مفلح بھی ہے

۴۔ اگر مضائق سلوک میں بے پیر خاص قدم رکھا اور راہ کھلی ہی نہیں، نہ کوئی مرض مثل عجب و انکار پیدا ہوا تو اپنی پہلی حالت پر ہے، اس میں کوئی تغیر نہ آیا، شیطان اس کا پیر نہ ہوگا اور متقی تھا تو فلاح پر بھی ہے۔

۵۔ یہ مرض پیدا ہوئے تو فلاح پر نہ رہا اور بحالتِ انکار و فسادِ عقیدہ مرید شیطان بھی ہو گیا۔

۶۔ اگر راہ کھلی تو جب تک پیر اتصال کے ہاتھ پر بیعتِ ارادت نہ رکھتا ہو غالب ہلاک ہے، اس بے پیرے کا پیر شیطان ہوگا اگرچہ بظاہر کسی نا قابل پیر یا محض شیخِ اتصال کا مرید یا خود شیخ بنتا ہو۔

۷۔ہاں اگر محض جذب ربانی کفالت فرمائے تو ہر بلا دور ہے اور اس کے پیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔۱

۱: فتاویٰ افریقہ : ۱۴۳۔۱۴۵

فاضل بریلوی

کی زندگی کا ایک ایک گوشہ

اتباع سنت اور پیروی شریعت کی

صحیح تصویر تھا

اس سلسلے میں آپ کی زندگی کے

چند روشن اوراق

دنیا میں کسی شخصیت کا جائزہ لینے کے لئے ہمارے پاس دو ہی پیمانے ہیں، ایک اس کے افکار و نظریات، دوسرا اس کا عمل و کردار۔ فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی دعوت اور آپ کے نظریات و افکار کا خلاصہ شاہکار قدرت، نجات دہندہ انسانیت حضرتِ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ لافانی محبت، آپ کی آفاقی اور ابدی عظمتوں کی تقدیس اور آپ کی حیات طیبہ کو زندگی کے ہر موڑ پر رہبر و رہنما بناتا ہے۔ اپنی زندگی کے اس عظیم مشن و مقصد کے راستے میں جہاں جہاں انہیں الجھاؤ اور رکاوٹ محسوس ہوئی ہے، انہوں نے اپنی پوری قوت اور طاقت کے ساتھ راہ کے کانٹوں، جھاڑیوں اور کوڑا کرکٹ کو ہٹانے کی کوشش کی ہے اور یہی وہ جرم ہے جسے لوگوں نے تشدد، تصلب اور تکفیر بازی کا نام دے کر اس سچے عاشق رسول ﷺ اور متبع سنت اور صاحب نظر عالم کو بدنام کرنے کی ایک باقاعدہ مہم چلا رکھی ہے۔

زندگی کے عام معاملات سے اہم مسائل تک آنحضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور سنت مبارکہ کی اتباع و پیروی کے بارے میں آپ نے جو قلمی تبلیغ کی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ آپ کی نجی زندگی کے بظاہر معمولی اور چھوٹے چھوٹے واقعات کا ایک مختصر نمونہ بھی آپ کے سامنے پیش کریں، عموماً شخصیات کے رجحانات اور کردار کا پتا اس قسم کے واقعات سے ہی چلا کرتا ہے۔

فاضل بریلوی قریبی دور کی شخصیت ہیں اور ابھی تک ان کی عزیمت صحبت سے فیض اٹھانے والے بھی خال خال موجود ہیں، اس لئے آپ کے شب و روز اور معمولات کے متعلق تفصیلی حالات معلوم کرنا چنداں دشوار نہیں۔ جہاں تک ہم نے آپ کی

زندگی کا مطالعہ کیا ہے، آپ کی پوری حیات اسوۂ رسول ﷺ کی جیتی جاگتی تصویر تھی، اس گئے گزرے دور میں احیائے سنت اور اسوۂ رسول ﷺ کی جو مثال آپ نے قائم فرمائی ہے اس کی نظیر دور دور تک نظر نہیں آتی۔ مسند علم کی صدر نشینی، ارشاد و تلقین کی جلوہ گری، زہد و ریاضت کی خلوت گزینی اور مرجعیتِ انام بظاہر الگ الگ راستے ہیں اور یہاں پر اتباعِ سنت میں احتیاط کا دامن بھی پوری طرح سنبھالنا آسان کام نہیں مگر فاضل بریلوی نے ہر شعبہ میں لائق تقلید امام اور شیخ و مرشد کا کردار ادا کیا ہے۔ آپ کی زندگی سے متعلق یہ چند واقعات اس پچاس سالہ جدو جہد کی پوری ترجمانی اور عکاسی کرتے ہیں جو زبان و قلم کے ذریعے جاری رہی۔ ان واقعات میں ان کے موافقین اور مخالفین دونوں کے لئے عبرت و موعظت کے بے شمار اسباق ہیں، فاضل بریلوی سے اپنا انتساب رکھنے والے حضرات اس آئینے کے سامنے اپنا محاسبہ کر سکتے ہیں کہ آج علمی عملی، اخلاقی، اور روحانی اعتبار سے وہ صحیح طور پر فاضل بریلوی کے نعم الخلف لنعم السلف کہلانے یا ان کی جانشینی کے کس حد تک مستحق ہیں تو دوسری طرف ان کے مخالفین کے لئے بھی اس میں بہت کچھ سامانِ عبرت ہے، ان حضرات میں کتنے ایسے دیدہ ور عالم ہیں جو مسائل شریعت اور اتباع سنت میں فاضل بریلوی کے سے حزم و احتیاط سے کام لیتے ہیں، علمی تبحر، فقہی بصیرت اور مختلف علوم میں مہارت کے سلسلے میں فاضل بریلوی کے ہم پایہ ہیں یا استغناء، انکساری، جدو جہد، ایثار، توکل، سادگی، ایسے باطنی فضائل میں ان سے کوئی نسبت رکھتے ہیں، اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک معمولی طالب علم سے لے کر اساتذہ تک فاضل بریلوی کو بدعتی اور ان کے افکار و نظریات کو بدعت بدعت کہتے نہیں تھکتے۔ اگر ان افکار و نظریات اور اس کردار والا شخص بدعتی اور بدعات کا مؤید و مبلغ ہے تو پھر حقیقی اور سچے مسلمان کی تعریف ہمیں بتائی جائے جس سے فاضل بریلوی تو خارج ہو جائیں اور ان کے مخالفین اس میں آجائیں، ہم پوری ذمہ داری اور دیانتداری کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر حقیقی اور کامل مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ اس کا کوئی قول و فعل آنحضور ﷺ کی متابعت سے باہر نہ ہو تو بلاشبہ فاضل بریلوی کا شمار برصغیر کے ان چند ممتاز اور کامل مسلمانوں میں ہے

جن پر اس دھرتی کو فخر حاصل ہے اور اگر موحد، مومن اور متقی کی تعریف ہے کہ جو ہمارے معتقدات پر یقین رکھتا ہے، وہی اس اعزاز کا مستحق ہے باقی نہیں، تو پھر فاضل بریلوی ہی پر کیا منحصر ہے؟ برصغیر کے پہلے مسلمان سے لے کر سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز تک اور ان کے بعد سوادِ اعظم کی اکثریت اس سے خارج ہو جاتی ہے۔

اب ہم فاضل بریلوی کی زندگی کے چند واقعات بیان کرتے ہیں جن کا تعلق اتباع سنت اور پیروی شریعت سے ہے۔ یہ واقعات ایسے نہیں جن پر سرسری نگاہ ڈال کر انسان گزر جائے، بلکہ ان واقعات میں صدہا داستانیں پوشیدہ ہیں اور ان کے ایک ایک لفظ میں روحانی امراض کے علاج، تزکیۂ نفس اور اتباعِ سنت پر ابھارنے کا جذبہ موجود ہے جو اس دور میں ڈھونڈے سے کہیں نہیں ملتا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بروایں دام بر مرغِ دگر نہ

ایک مرتبہ نواب رام پور نینی تال جا رہے تھے، اسپیشل بریلی شریف پہنچا تو حضرت شاہ مہدی حسن میاں صاحب نے اپنے نام سے ڈیڑھ ہزار کے نوٹ ریاست کے مدار المہام کی معرفت بطور نذر اسٹیشن سے حضور کی خدمت میں بھیجتے ہیں اور والئ ریاست کی جانب سے مستدعی ہوتے ہیں کہ ملاقات کا موقع دیا جائے، تو حضور کو مدار المہام صاحب کے آنے کی خبر ہوئی تو اندر سے دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے کھڑے مدار المہام صاحب سے فرمایا کہ میاں کو میرا سلام عرض کیجئے اور یہ کہیے گا یہ الٹی نذر کیسی مجھے میاں کی خدمت میں نذر پیش کرنا چاہئے نہ کہ میاں مجھے نذر دیں، یہ ڈیڑھ ہزار ہوں یا جتنے ہوں، واپس لے جایئے فقیر کا مکان نہ اس قابل کہ کسی والئ ریاست کو بلا سکوں اور نہ میں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔۱

نیست بر لوحِ دلم جز الف قامت یار

جناب سید ایوب علی کا بیان ہے کہ ایک روز فریضۂ فجر ادا کرنے کے لئے خلافِ معمول کسی قدر حضور کو دیر ہو گئی، نمازیوں کی نگاہیں بار بار کاشانۂ اقدس کی طرف اٹھ رہی تھیں کہ عین انتظار میں جلد جلد تشریف لائے۔ اس وقت برادرم قناعت علی نے اپنا یہ خیال مجھ سے کہا کہ اس تنگ وقت میں دیکھنا یہ ہے کہ حضور سیدھا قدم مسجد میں پہلے رکھتے ہیں یا بایاں ؟ مگر قربان! اس ذات کریم کے کہ دروازۂ مسجد کے زینہ پر جس وقت قدم مبارک پہنچتا ہے تو سیدھا تو سیمی فرشِ مسجد پر قدم پہنچتا ہے تو سیدھا، قدیمی فرش پر قدم پہنچتا ہے تو سیدھا، آگے صحن میں ایک صف بچھی تھی، اس پر قدم پہنچتا ہے تو سیدھا، اور اسی پر بس نہیں، ہر صف پر تقدیم سیدھے ہی قدم سے فرمائی، یہاں

۱: حیات اعلیٰ حضرت: ۱۹۲

تک کہ محراب میں مصلے پر قدم پاک سیدھا ہی پہنچتا ہے اور اس پر کیا منحصر ہے بنی پاک کرنے اور استنجا فرمانے کے سوا حضور کے ہر فعل کی ابتداء سیدھے ہی جانب سے ہوتی تھی۔ چنانچہ عمامہ مبارک کا شملہ سیدھے شانہ پر رہتا، عمامہ مبارکہ کے پیچ سیدھی جانب ہوتے، عمامہ مقدسہ کی بندش اس طور ہوتی کہ بائیں دست مبارک میں گردش اور دہنا دست مبارک پیشانی پر ہر پیچ کی گرفت کرتا تھا، اگر کسی صاحب کو کوئی شے دینا ہوتی اور اس نے الٹا ہاتھ لینے کو بڑھایا، فوراً اپنا دست مبارک روک لیتے اور فرماتے سیدھے ہاتھ میں لیجئے، الٹے ہاتھ میں شیطان لیتا ہے۔ ا

اعداد بسم اللہ شریف (۷۸۶) عام طور پر لوگ لکھتے ہیں تو ابتداء ۷ سے کرتے ہیں، پھر ۸ لکھتے ہیں، اس کے بعد ۶، مگر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ۶ تحریر فرماتے اور پھر ۸ تب ۷۔ یونہی نقش کے خطوط سیدھی ہی جانب سے کشش فرماتے اور تہ فرمانے میں بھی اس کا لحاظ تھا کہ نقش کے سیدھے رخ کی طرف یعنی جس طرف ۷۸۶ ہے ادھر سے نیچے کی طرف تہ کرتے ہوئے لاتے، پھر سیدھی جانب سے فیتے تعویذی صورت میں کر دیتے۔

مسجد سے باہر آتے وقت پہلے الٹا قدم نکالنے کا حکم فرمایا گیا ہے، اس لئے حضور اس موقع پر الٹا قدم جوتے کے بائی حصے پر قائم فرما کر سیدھے پاؤں میں پہلے جوتا پہنتے پھر الٹے میں۔ بیت الادب میں داخل ہوتے وقت عصائے مبارک باہر بازو کو کھڑا فرما کر جاتے، شاید اس میں دو مصلحتیں مضمر تھیں، ایک تو یہ کہ دوسرا شخص آنے نہ پائے دوسرے عصائے مبارک مسجد میں ساتھ رہتا تھا بلکہ اس کے سہارے سے قیام میں قیام فرماتے۔ اسی لئے احتیاط ملحوظ رکھتے۔

ایک مرتبہ حضور عالت اعتکاف اپنی مسجد میں مقیم تھے۔ شب کا وقت، جاڑے کا زمانہ اور اس وقت دیر سے شدید بارش مسلسل ہو رہی تھی، حضور کو نماز عشاء کے لئے وضو کرنے کی فکر ہوئی کہ پانی تو موجود، مگر بارش میں کس جگہ بیٹھ کر وضو کیا جائے؟ بالآخر مسجد کے اندر لحاف گدے کی چار تہ کر کے اس پر وضو کیا اور ایک قطرہ فرش پر نہ

ا: حیات اعلیٰ حضرت: ۱۷۷-۷۸

گرنے دیا اور پوری رات جاڑوں کی اور اس پر باد وباراں کا طوفان، یونہی جاگ کر ٹھٹھر کر کاٹ دی۔ (حیات اعلیٰ حضرت: ۱۷۹)

ایک مرتبہ تین چار فوجی عقیدتاً خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے، حضور نے نیچی نظر کر لی، انہوں نے کچھ عرض کیا، حضور نے بغیر نظر اٹھائے انہیں جواب دیا، چونکہ ہم خدام حضور سے سنے ہوئے تھے کہ ناف سے زانوؤں تک مرد کا جسم عورت ہے اور اس کا چھپانا واجب، اور یہ لوگ نیکر پہنے ہوئے تھے جس کی وجہ سے زانو کھلے ہوئے تھے، فوراً ایک کپڑا لے کر سب کے زانو ڈھک دیئے، اس کے بعد حضور نے نظر ملا کر کلام فرمایا۔۱

قید میں بھی رہی ترے وحشی کو تری زلف کی یاد

جناب سید ایوب علی کا بیان ہے کہ برسات کا موسم تھا' عشاء کے وقت ہوا کے تیز جھونکے مسجد کے کڑوے تیل کا چراغ بار بار گل کر دیتے تھے جس کے روشن کرنے میں بارش کی وجہ سے سخت دقت ہوتی تھی، اور اس کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ خارج مسجد دیا سلائی جلانے کا حکم تھا۔ اس زمانہ میں ناروے کی دیا سلائی استعمال کی جاتی تھی جس کے روشن کرنے میں گندھک کی بدبو نکلتی تھی، لہٰذا اس تکلیف کی مدافعت حضور کے خادم خاص حاجی کفایت اللہ صاحب نے یہ کی کہ ایک لالٹین میں معمولی چار شیشے لگوا کر کپی میں انڈی کا تیل ڈالا اور روشن کر کے حضور کے ساتھ ساتھ مسجد کے اندر لے جا کر رکھ دی، تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ حضور کی نظر اس پر پڑی، ارشاد فرمایا: حاجی صاحب! آپ نے یہ مسئلہ بارہا سنا ہوگا کہ مسجد میں بدبودار تیل نہیں جلانا چاہئے۔ انہوں نے عرض کیا: حضور! اس میں انڈی کا تیل ہے، فرمایا: راہ گیر دیکھ کر کیسے سمجھیں گے کہ اس لالٹین میں انڈی کا تیل جل رہا ہے؟ وہ تو یہی کہیں گے کہ دوسروں کو تو فتوے دیا جاتا ہے کہ مٹی کا بدبودار تیل مسجد میں نہ جلاؤ اور خود مسجد میں لالٹین جلوا رہے ہیں، ہاں اگر آپ برابر اس کے پاس بیٹھے ہوئے یہ کہتے رہیں کہ اس لالٹین میں انڈی کا

۱: حیات اعلیٰ حضرت: ۸۰۔۱۷۹

تیل ہے، اس لالٹین میں انڈی کا تیل ہے تو مضائقہ نہیں۔ چناچہ حاجی صاحب نے فوراً اس لالٹین کو گل کر کے خارج مسجد کر دیا۔ (حیات اعلیٰ حضرت : ۱۸۲)

سید ایوب علی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ اعلی حضرت کی آنکھیں دکھنے آگئی تھیں، اس زمانہ میں بوقت حاضری مسجد متعدد بار ایسا اتفاق ہوا کہ کبھی قبل نماز اور کبھی بعد نماز مجھے پاس بلا لیا اور فرمایا سید صاحب! دیکھیے تو آنکھ کے حلقہ سے باہر پانی تو نہیں آیا ہے ورنہ وضو کر کے نماز اعادہ کرنا ہو گی۔ (حیات اعلیٰ حضرت : ۱۸۳)

مولوی محمد حسین میرٹھی موجد طلسمی پریس کا بیان ہے کہ اعلیحضرت نماز میں اس قدر احتیاط اور جزئیات مسائل کا ایسا خیال فرماتے کہ عام لوگ نہیں، بلکہ اکثر علماء اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں، ایک سال میں ۲۰ رمضان شریف سے اعلیٰ حضرت کی مسجد میں معتکف ہوا، ۲۶ رمضان سے اعلیٰ حضرت نے بھی اعتکاف فرمایا، ایک دن قبل اعتکاف عصر کے وقت تشریف لائے اور نماز پڑھا کر تشریف لے گے۔ میں مسجد کے اپنے کونے میں چلا گیا، تھوڑی دیر میں مجھ سے ایک صاحب نے فرمایا: آپ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی۔ میں نے کہا میں نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھ لی، انہوں نے کہا: حضرت تو اب پڑھ رہے ہیں، مجھے اس وجہ سے یقین نہیں آیا کہ بعد عصر نوافل نہیں اور اگر کسی وجہ سے نماز نہیں ہوئی تھی تو حضرت کا ایسا حافظہ نہیں کہ مجھے بھول جاتے اور مطلع نہ فرماتے، انہوں نے مجھ سے کہا دیکھیئے وہ پڑھ رہے ہیں، میں نے بڑھ کر دیکھا تو واقعی پڑھ رہے تھے، مجھے حیرت ہوئی اور آگے بڑھ کر کھڑا رہا، سلام پھیرنے پر عرض کیا: حضور! میری سمجھ میں نہیں آیا؟ ارشاد فرمایا کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد سانس کی حرکت سے میرے انگرکھے کا بند ٹوٹ گیا تھا، چونکہ نماز تشہد پر ختم ہو جاتی ہے، اس وجہ سے میں نے آپ سے نہیں کہا اور گھر جا کر بند درست کرا کر اپنی نماز پھر پڑھ لی۔ (حیات اعلیٰ حضرت : ۱۸۳)

مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی موجد طلسمی پریس کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا سید دیدار علی صاحب الوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، جماعت کا وقت تھا، مسجد کے کنوئیں پر ایک بہشتی کا لڑکا پانی بھر رہا تھا، جلدی کی وجہ سے اسی

لڑکے سے پانی طلب فرمایا، اس نے کہا مولانا! میرے بھرے ہوئے پانی سے آپ کو وضو کرنا جائز نہیں اور نہیں دیا، مولانا کو غصہ آیا اور فرمایا: کہ جب ہم تجھ سے لے رہے ہیں تو کیوں جائز نہیں؟ اس نے کہا مجھے دینے کا اختیار نہیں، میں نابالغ ہوں، مولانا کو اور غصہ آیا۔ جماعت ہو رہی ہے اور یہاں اور دیر لگ رہی ہے۔ فرمایا: تو جہاں جہاں پانی دیتا ہے ان کا وضو کیسے جائز ہو جاتا ہے؟ اس نے کہا وہ لوگ تو مجھ سے مول لیتے ہیں اور غصہ آیا مگر اس نے نہیں دیا، آخر کار خود بھرا اور جلدی جلدی وضو کر کے نماز میں شریک ہوئے۔ جب غصہ کم ہوا اور سلام پھیرا تو خیال آیا کہ بہشتی کا لڑکا از روئے فقہ صحیح کہتا تھا، دیدار علی! تم سے تو اعلیٰ حضرت کے یہاں کے خدمتگاروں کے بچے بھی زیادہ علم رکھتے ہیں، یہ سب اعلیٰحضرت کے اتباعِ شریعت کا فیض ہے، یہ خیال آکر بہت شرم آئی، پھر ادب و عقیدت سے اعلیٰ حضرت سے ملے اور پھر حضور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خلافت و اجازت حاصل کی۔ (حیات اعلیٰ حضرت: ۱۸۱-۱۸۰)

نبیرۂ حضرت محدث سورتی، مولانا قاری احمد صاحب کا بیان ہے کہ مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے سالانہ جلسہ میں اعلیٰ حضرت قبلہ پیلی بھیت تشریف لائے، ایک روز صبح کو حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ پیلی بھیت کے مشہور بزرگ شاہ جی محمد شیر میاں علیہ الرحمہ سے ملنے تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ شاہ صاحب بے حجابانہ عورتوں کو بیعت کر رہے ہیں، اعلیٰ حضرت بمقتضائے کمال غیرت علی احکام الشرع بغیر ملے ہوئے واپس تشریف لے آئے، دوسرا کوئی ہوتا تو بگڑ جاتا لیکن حضرت شاہ جی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کمال بے نفسی و حق پسندی اس طرح جلوہ گر ہوا کہ شام کو جب اعلیٰ حضرت بریلی تشریف لیجانے لگے تو شاہ جی میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسٹیشن تک پہنچانے گئے اور صبح کے واقعہ پر اظہار افسوس کر کے فرمایا: کہ مولانا! اب آئندہ میں عورتوں کو پس پردہ بٹھا کر ان سے بیعت لیا کروں گا۔ اس کے بعد اعلیٰحضرت نے ان سے مصافحہ اور معانقہ فرمایا۔ (حیات اعلیٰ حضرت: ۱۸۰)

حضرت شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب مارہروی کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے عرس حضرت صاحب البرکات شاہ برکت اللہ قدس سرہ العزیز کے قبل مولانا کو

طلب کر لیا تھا، درگاہ شریف کے ایک حجرے میں تشریف فرما تھے، مبارک جان نامی علی گڑھ کی ایک مشہور اور بڑی متمول رنڈی کسی کے یہاں مارہرہ آئی ہوئی تھی۔ درگاہ معلیٰ میں حاضر ہوئی اور روضہ شریف کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر گانا آغاز کرنا ہی چاہتی تھی، سازندوں نے ساز لگائے تھے کہ مولانا کی نظر پڑ گئی اور بے اختیار ہو کر حجرہ سے باہر تشریف لا کر ان سے فرمایا: کہ تم یہاں کیسے آئے؟ یہ درگاہ معلیٰ، ناچ گانے شیطانی کاموں کی جگہ نہیں، فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ! یہ فرمایا اور درگاہ سے ان لوگوں کو باہر کر دیا۔ (حیات اعلیٰ حضرت: ۱۸۲)

جناب حاجی کفایت اللہ صاحب، جناب حاجی خدا بخش صاحب کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے صبح کی نماز اعلیحضرت کے پیچھے پڑھی۔ جب حضرت نماز پڑھ چکے تو ایک مسافر صاحب آئے ہوئے تھے، انہوں نے اعلیٰ حضرت کو ایک خط دیا، وہ صاحب اعلیٰ حضرت کے مرید تھے۔ جس وقت وہ مرید ہوئے تھے ان کی ڈاڑھی حدِ شرع سے کم تھی، انہوں نے خواہش کی کہ کوئی وظیفہ حضور مجھ کو تعلیم فرمائیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ جس وقت تمہاری ڈاڑھی حدِ شرع کے مطابق ہو جائیگی اس وقت میں وظیفہ وغیرہ بتادوں گا، وہ صاحب اس کے متعلق ایک بزرگ کا خط لائے تھے کہ ان کو کچھ بتادیا جائے۔ حضرت نے فرمایا: جب تک تم ڈاڑھی حدِ شرع تک بڑھا کر نہ آؤ گے اس وقت تک تم کسی کی سفارش لاؤ تم کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ جب ڈاڑھی تمہاری حدِ شرع کے مطابق ہو جائے گی میں خود ہی بتادوں گا، اس میں کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت: ۱۸۵)

گردن نہ جھکی اس کی شہنشاہ کے آگے

سید ایوب علی کا بیان ہے کہ بدایونی مقدمہ کی فتح یابی پر مبارک بادیوں کا سلسلہ ختم ہوا ہی تھا کہ سرکار مارہرہ کے عرس سراپا قدس کا زمانہ آگیا۔ حضرت سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین دامت فیوضہ اعلیٰ حضرت کو عرس شریف میں شرکت کے لئے مدعو فرماتے ہیں اور یہی ظاہر کرتے ہیں کہ اہالیانِ بدایوں میں اکثریت آپ

کے موفقین کی ہے، انہوں نے یہ طے کیا ہے کہ جس روز اعلی حضرت بدایوں اسٹیشن سے گزریں گے، اسی روز شہر کے کسی باغ میں پھول باقی نہ رکھیں گے، اس کثرت سے گل ریزی کرنے کا انتظام ہو رہا ہے اور لوگ نہایت ہی مشتاق ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا، میں خود ہی ارادہ کر رہا تھا کہ بہت عرصہ سے حاضری بھی نہیں ہوئی ہے، ضرور حاضری کا قصد رکھتا ہوں۔

غرض یہ خبر مشتہر ہوتے ہی مخلصین نے ہمراہ چلنے کے واسطے اپنے یہاں کی تواریخ تقریبات ہٹادیں، عوام وخواص جس کو دیکھے مارہرہ شریف چلنے کا سامان کر رہا ہے لہذا اس کثرت کو دیکھتے ہوئے حضور نے فرمایا: بہتر ہو گا اگر اسپیشل کا انتظام کر لیا جائے۔ حضرت سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب نے ادھر تو اعلی حضرت قبلہ کو دعوت شرکت عرس کی دی، ادھر نواب حامد علی خان والئ ریاست رامپور کو بھی (جو حضرت کے معتقدوں میں تھے اور اسی بنا پر ایک مرتبہ نینی تال اپنی کوٹھی میں مدعو بھی کیا تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ مہدی حسن میاں صاحب قبلہ وہاں تشریف بھی لے گئے تھے اور قریب ایک ہفتہ کے وہاں قیام بھی فرمایا تھا) عرس کی شرکت کی دعوت دی اور یہ بھی ظاہر فرمادیا کہ اعلیحضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی مدظلہ بھی امسال عرس شریف کے موقع پر تشریف لائیں گے۔

چونکہ نواب رامپور برسوں سے حضور کے علم جفر کے کمال دیکھ کر زیارت کا مشتاق اور کوشاں تھا، اس موقع کو غنیمت جان کر دعوت منظور کر لیتا ہے، اور اظہار نیاز مندی و خوش اعتقادی کے لئے بہت کچھ ساز و سامان ریاست سے مارہرہ شریف پہنچ جاتا ہے۔ ریلوے اسٹیشن سے بستی تک سڑکوں کے دونوں جانب روشنی کے قریب قریب گیس کے ہنڈے لگادیئے گئے اور ہر ٹرین پر زائرین کو لینے کے لئے ریاست کی موٹر اور ہاتھی جن پر زری کی جھولیں پڑی تھیں، گشت لگا رہے تھے۔

جب ریاست کی طرف سے ساز و سامان مارہرہ شریف پہنچ گیا اور والئ ریاست نے یہ طے کر دیا کہ جس وقت اعلیٰ حضرت بریلی سے روانہ ہوں گے میں بھی اسپیشل سے روانہ ہو جاؤں گا، اس وقت حضرت شاہ مہدی حسن صاحب قبلہ نے مزید، رجسٹری

کرنے کے لئے ایک خط حضور پر نور اعلیٰ حضرت قبلہ کی خدمت میں بدیں مضمون بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے مارہرہ آنے کے بارے میں کسی سے کہا ہے کہ "میں تو پیشاب پھرنے کو بھی وہاں نہ جاؤں گا"۔ جس وقت یہ خط یہاں آیا حضور فوراً باہر تشریف لے آئے، چہرہ سے اثرِ جلال نمایاں تھا، فرمایا: میں جانتا ہوں کہ جس لئے میاں نے یہ خط بھیجا ہے، لکھتے ہیں کہ میں نے کسی سے کہا ہے کہ میں پیشاب پھرنے کو بھی مارہرہ نہ جاؤں گا! یہ فقرہ محض اس لئے دماغ سے اتارا گیا ہے کہ میں اس کے جواب میں یہ لکھ دوں کہ آپ کو کسی نے غلط باور کرایا ہے، میں ضرور آؤں گا، مجھ سے رجسڑی کرانا مقصود ہے تاکہ نواب کو دکھانے کے لئے ہو جائے۔ میاں سمجھتے ہیں کہ میں اس چار دیواری کے اندر بیٹھا ہوں اسے کیا خبر ہو گی حالانکہ میرے خبر دینے والوں نے ذرہ ذرہ کی مجھے خبر دیدی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میری روانگی ہوتے ہی نواب کا اسپیشل روانہ ہو جائے گا جو بالکل تیار کھڑا ہے۔ چونکہ وہ خط اعلیٰ حضرت نے اتنا ہی پڑھا تھا اس لئے آگے پڑھنے کو مصطفےٰ میاں سے فرمایا جس میں لکھا ہوا تھا، یہ سن کر میرا دل پاش پاش ہو گیا، فرمایا: جس کا دل پاش پاش ہو جائے وہ خط لکھنے پر قادر ہو سکتا ہے؟ بس اب نہ جاؤں گا اور نہ تشریف لے گئے۔ (حیات اعلیٰ حضرت: ۹۳۔۱۹۰)

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ پیلی بھیت شریف حضرت مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی قدس سرہ العزیز کے عرس سراپا قدس سے واپسی صبح کی گاڑی سے ہوئی، حضور نے اس وقت اسٹیشن پر آکر وظیفہ کی صندوقچی حاجی کفایت اللہ صاحب سے طلب فرمائی، کسی نے جلدی سے آرام کرسی ویٹنگ روم سے لا کر بچھادی، ارشاد فرمایا: یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے۔ جتنی دیر تک وظیفہ پڑھا، آرام کرسی کے تکیہ سے پشت مبارک نہ لگائی۔ (حیات اعلیٰ حضرت: ۴۱)

نہ شاخ پہ میوہ سر بہ زمیں

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک صاحب جن کا نام مجھے یاد نہیں، حضور کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت بھی کبھی کبھی ان کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ان کے یہاں تشریف فرما تھے کہ ان کے

محلہ کا ایک بچارہ غریب مسلمان ٹوٹی ہوئی پرانی چارپائی جو صحن کے کنارے پڑی تھی ، جھجکتے ہوئے بیٹھا ہی تھا کہ صاحب خانہ نے نہایت کڑوے تیوروں سے اس کی طرف دیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکائے اٹھ کر چلا گیا۔ حضور کو صاحب خانہ کی اس مغرورانہ روش سے سخت تکلیف پہنچی، مگر کچھ نہ فرمایا، کچھ دنوں کے بعد وہ حضور کے یہاں آئے، حضور نے اپنی چارپائی پر جگہ دی، وہ بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں کریم بخش حجام حضور کا خط بنانے کے لئے آئے، وہ اس فکر میں تھے کہ کہاں بیٹھوں ؟ حضور نے فرمایا : کہ بھائی کریم بخش کیوں کھڑے ہو ؟ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان صاحب کے برابر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا، وہ بیٹھ گئے۔ پھر تو ان صاحب کے غصہ کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے سانپ پھنکاریں مارتا ہے اور فوراً اٹھ کر چلے گئے پھر کبھی نہ آئے۔ خلافِ معمول جب عرصہ گزر گیا تو حضور نے فرمایا، اب فلاں صاحب تشریف نہیں لاتے ہیں ؟ پھر خود ہی فرمایا میں بھی ایسے متکبر مغرور سے ملنا نہیں چاہتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حیات اعلیٰ حضرت : ۴۰

سجدہ تعظیمی

یہ وہ مسئلہ ہے جس کے بارے میں آج ہماری خانقاہیں پوری طرح بدنام کردی گئی ہیں۔ خانقاہوں پر اکتساب فیوض وبرکات کے لئے جانے والے مسلمانوں کو بدعتی، قبر پرست اور مشرک وغیرہ کے خطابات دیئے جارہے ہیں حالانکہ بوسہ و طوافِ قبور سے لیکر سجدہ تعظیمی تک ہر مسئلے میں تمام علمائے اہل سنت بالخصوص فاضل بریلوی کا مسلک کتاب وسنت پر مبنی ہے اور سلف صالحین کے طرز عمل سے ہر طرح مطابق ہے ۔ جہاں تک مزارات پر جانے کا تعلق ہے یہ عمل خود آنحضور ﷺ کے طرز عمل سے مستند روایات سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ کے مبارک دور کے بعد ہر زمانہ کے بزرگوں اور صلحائے کا معمول رہا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کے دینی ومذہبی زعماء کی مجموعی سوچ ہر دور میں مشائخ اور بزرگانِ دین کے آستانوں کو قبلۂ شوق اور کعبۂ عشق بنائے رہی ہے ہیں۔ ہمیں یہ بات تسلیم ہے کہ ان میں سے کسی شخص نے بھی غیر شرعی حرکت کی اجازت نہیں دی مگر تاریخی طور پر یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ کسی دور میں یا کسی علاقے میں بزرگانِ دین کے مزارات، اعراس اور آستانوں کو مسلم معاشرے نے اپنے تہذیبی تسلسل سے خارج کردیا ہو؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر ملتِ اسلامیہ کے چودہ سو سالہ دینی و تہذیبی ورثے سے روگردانی وانحراف کرنے کی بجائے حقیقت پسندی سے کام لیا جائے، اگر کہیں کوئی غیر شرعی فعل ہورہا ہے تو اس کی ذمہ داری اس شخص پر ڈالی جائے جو اسے کررہا ہے۔

یہ امر کس سے مخفی ہے کہ ہماری خانقاہیں اگر ایک زمانے میں تعلیم وتربیت کی عظیم درس گاہیں تھیں تو وہ آج بھی مسلم معاشرے کی اجتماعیت کا مظہر ہیں۔ فاضل

بریلوی نے قرآن مجید، چالیس مستند احادیث، ایک سو فقہی نصوص اور بزرگانِ دین کے اقوال سے سجدہ تعظیمی کے حرام ہونے پر "الزبدة الزكية فی تحريم سجود التحية" نامی تحقیقی کتاب سپرد قلم کی ہے۔ اسے پڑھ کر اس سچے عاشقِ رسول اور متبعِ سنت دیدہ ور عالم کی فکر و نظر کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

فاضل بریلوی نے سجدۂ تعظیمی کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کے بعد کوئی ایسی صورت باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ ان کو بدعت آفرینی کا الزام دیا جائے۔ اگر مزارات پر کوئی نادان یا جاہل زائر معلومات نہ رکھنے کے باعث غیر شرعی حرکت کرتا ہے تو وہ قابلِ اصلاح ہے اور اس کی غلطی کا الزام فاضل بریلوی یا کسی عالم دین کے ذمے نہیں ڈالا جاسکتا، کیونکہ یوں تو مساجد میں اکثر و بیشتر بعض کم علم رکھنے والے نماز میں غلطی کر جاتے ہیں یا حج کے موقع پر جہاں اکثر لوگ صحیح طور سے مناسک ادا کر رہے ہوتے ہیں، وہاں ایسے حجاج بھی ہوتے ہیں کہ مناسک حج ٹھیک سے ادا نہیں کر رہے ہوتے تو کیا ایسی صورت میں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ سرے سے مساجد میں نماز نہ پڑھی جائے یا حج ادا نہ کیا جائے؟

فاضل بریلوی کی کتابوں سے انتخاب یا اقتباس لینا خاصا دشوار مسئلہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ سینکڑوں کتابوں اور بے شمار افکار و آراء کا خلاصہ اور نچوڑ ہے تاہم "الزبدة الزكية في تحريم سجود التحية" سے ہم کچھ اقتباسات پیش کر رہے ہیں:۔

سجدہ تعظیمی

مسلمان !اے مسلمان !اے شریعتِ مصطفوی کے تابعِ فرمان جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرتِ عزت جل جلالہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ، اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مُہین و کفر مبین اور سجدۂ تحیۃ حرام و گناہِ کبیرہ۔ بالیقیں اس کے کفر ہونے میں اختلافِ علمائے دین ایک جماعت فقہاء سے تکفیر منقول۔

جامع ترمذی، صحیح ابن حبان، صحیح مستدرک، مسند بزار اور سنن بیہقی میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروری ہے :۔

قال: جاء ت إمرأة إلى رسول الله ﷺ فقالت:

يارسول الله! أخبرني ما حق الزوج على الزوجة؟

قال: لوكان ينبغي لبشرأن يسجد لبشرلأمرت المرأة أن تسجد لزوجها إذا دخل عليها، لما فضله الله عليها.

هذا لفظ البزار و الحاكم والبيهقي.و عند الترمذي المرفوع منه بلفظ لو كنت آمر أحد أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها.

"ایک عورت نے بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی :

یارسول اللہ ! شوہر کا عورت پر کیا حق ہے ؟

فرمایا : اگر کسی بشر کو لائق ہوتا کہ دوسرے بشر کو سجدہ کرے تو میں عورت کو فرماتا کہ جب شوہر گھر آئے اسے سجدہ کرے، اس فضیلت کے سبب جو اللہ نے اسے پر کی ہے"۔

مسند احمد ، حاکم ، مستدرک ، طبرانی ، جامع کبیر ، بیہقی ، ابو نعیم ، دلائل النبوۃ اور

بغوی شرح السنہ میں یعلیٰ بن مرہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

قال: خرج النبی ﷺ یوما فجاء بعیر یدعو حتی سجد له. فقال المسلمون: نحن احق ان نسجد للنبی ﷺ.

فقال: لو كنت آمر احدا ان یسجد لغیر الله لأمرت المرأة ان تسجد لزوجها.

ایک دن حضور اقدس ﷺ باہر تشریف لے گئے تھے ایک اونٹ آیا اور قریب آکر حضور کو سجدہ کیا، مسلمانوں نے عرض کی ہم تو زیادہ حقدار ہیں کہ نبی ﷺ کو سجدہ کریں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں کسی کو غیر خدا کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو فرماتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔

ابو نعیم غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

قال: خرجت مع رسول الله ﷺ فی بعض أسفاره فرأیت منه عجبا من ذلك ان مضینا، فنزلنا منزلا، فجاء رجل فقال:

یا نبی الله! إنه كان لي حائط، فیه عیشي و عیش عیالي، و لي فیه ناضحان فاغتلما علي فمنعاني أنفسهما، و حائطي و ما فیه، و لا یقدر أحد أن یدنو منهما فنهض نبی الله ﷺ بأصحابه حتی أتی الحائط فقال لصاحبه: إفتح.

فقال: یا نبی الله! أمرهما أعظم من ذلك.

قال: إفتح. فلما حرك الباب أقبلا لهما كحفیف الریح، فلما انفرج الباب، و نظرا إلى نبي الله، بركا ثم سجدا، فأخذ نبی الله ﷺ برأسهما، ثم دفعهما إلی صاحبهما فقال: استعملهما و أحسن علفهما.

فقال القوم: یا نبی الله! تسجد لك البهائم، فبلاء الله عندنا بك أحسن حین هدانا الله من الضلالة، و استنقذنا بك من المهالك، أفلا تأذن لنا في السجود لك؟

فقال النبی ﷺ: إن السجود لیس لي إلا للحي الذي لا یموت، و لو

أني أمر أحدا من هذه الأمة بالسجود لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها.

"ہم ایک سفر میں حضور اقدس ﷺ کی رکاب انور میں تھے ہم نے ایک عجب دیکھا کہ ایک منزل میں اترے، وہاں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی :

یا نبی اللہ ! میرا ایک باغ ہے کہ میری اور میرے عیال کی وہی وجہ معاش ہے، اس میں میرے دو شتر آب کش تھے، دونوں مست ہو گئے ہیں، نہ اپنے پاس آنے دیں، نہ باغ میں قدم رکھنے دیں۔ کسی کی طاقت نہیں کہ قریب جائے۔ حضور انور ﷺ و صحابہ کرام اٹھ کر اس کے باغ کو گئے، فرمایا کھول دے۔

عرض کی : یا نبی اللہ ! ان کا معاملہ اس سے سخت تر ہے۔

فرمایا : کھول۔ دروازے کو جنبش ہوئی تھی کہ دونوں شور کرتے ہوا کی طرح جھپٹے، دروازہ کھلا اور انہوں نے جب حضور اقدس ﷺ کو دیکھا فوراً سجدے میں گر پڑے، حضور ﷺ نے ان کا سر پکڑ کر مالک کے سپرد کر دیا اور فرمایا :

ان سے کام لے اور چارہ خوب دے۔

حاضرین نے عرض کی : یا نبی اللہ ! چوپائے حضور کو سجدہ کرتے ہیں تو حضور کے سبب ہم پر اللہ کی نعمت تو بہتر ہے، اللہ نے گمراہی سے ہم کو راہ دکھائی اور حضور کے ہاتھوں پر ہمیں دنیا و آخرت کے مہلکوں سے نجات دی، کیا حضور ہم کو اجازت نہ دیں گے کہ ہم حضور کو سجدہ کریں۔

نبی ﷺ نے فرمایا :

بے شک سجدہ میرے لئے نہیں وہ تو اسی زندہ کے لئے ہے جو کبھی نہ مرے گا، میں امت میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو سجدۂ شوہر کا"۔

ابو داؤد، سنن و طبرانی کبیر میں اور حاکم و بیہقی قیس بن سعد رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی :۔

قال: أتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم.

فقلت: رسول الله ﷺ أحق أن يسجد له.

قال: فأتيت النبي ﷺ فقلت إني أتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون

لمرزبان لهم، فأنت يا رسول الله أحق أن نسجد لك. قال أرأيت لو مررت بقبري أ كنت تسجد له ؟ قلت: لا.

قال: فلا تفعلوا لو كنت آمر أن يسجد لأحد لأمرت النساء أن يسجدن لأزواجهن لما جعل الله لهم عليهن من الحق.

"میں شہر حیرہ (نزد کوفہ) گیا۔ وہاں کے لوگوں کو دیکھا اپنے شہریار کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ زیادہ مستحق سجدہ ہیں، خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ حال وخیال عرض کیا۔ فرمایا: بھلا اگر تم ہمارے مزار کریم پر گزرو تو کیا مزار کو سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کی نہ۔، فرمایا: تم نہ کرو۔ میں کسی کو کسی کے سجدے کا حکم دیتا تو عورتوں کو شوہروں کے سجدے کا حکم فرماتا اس حق کے سبب جو اللہ نے ان کا ان پر رکھا ہے"۔

ابو داؤد نے سکوتاً اس حدیث کو حسن بتایا اور حاکم نے تصریحاً کہا "یہ حدیث صحیح ہے" اور ذہبی نے اسے مقرر رکھا **كما في الاتحاف.**

جامع ترمذی میں بطریق الامام عبد اللہ بن مبارک عن حنظلہ بن عبید اللہ اور سنن ابن ماجہ میں بطریق جریر بن حازم عن حنظلہ بن عبد الرحمن الدوسی اور شرح معانی الآثار امام طحاوی میں بطریق حماد بن سلمہ و حماد بن زبیر و یزید بن زریع و ابی ہلال کلھم عن حنظلہ الدوسی انس رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے: **قال: قال رجل:**

يا رسول الله! الرجل منا يلقى أخاه أو صديقه ينحني له. قال لا.

"ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم میں کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لئے جھکے؟ فرمایا نہ"۔

امام طحاوی کے لفظ یہ ہیں:۔

قالوا: يا رسول الله! أينحني بعضنا لبعض إذا التقينا. قال: لا.

"صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ملتے وقت ہم میں ایک دوسرے کے لئے جھکے؟ فرمایا نہ"۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

قبر کی طرف سجدہ کی ممانعت

امام احمد، امام مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی اور امام طحاوی ابو مرثد غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :۔

لاتصلوا إلى القبور و لا تجلسوا عليها.

"قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو، نہ ان پر بیٹھو"۔

امام بخاری اپنی صحیح میں تعلیقاً اور امام احمد و عبد الرزاق و ابو بکر بن ابی شیبہ و وکیع بن الجراح و ابو نعیم استاذ امام بخاری و ابن منیع مسنداً انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی :۔

رأني عمر رضى الله تعالى عنه و أنا أصلي إلى قبر.

فقال: القبر أمامك فنهاني.

و في رواية للوكيع: قال لي بقبر لا تصل إليه.

وفي رواية الفضل بن دكين:

فناداه القبر القبر! فتقدم و صلى و جاوز القبر.

"مجھے امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبر کی طرف نماز پڑھتے دیکھا فرمایا: تمہارے آگے قبر ہے، قبر سے بچو، قبر سے بچو، اس کی طرف نماز نہ پڑھو۔ یوں منع فرمایا یہ نماز ہی میں قدم اٹھا کر قبر کے آگے ہو گئے"۔

اجلہ ائمہ مالک و محمد و بخاری و مسلم و ابو داؤد و نسائی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

قاتل الله اليهود و النصارىٰ اتخذوا قبور أنبيائهم مساجدا.

"یہود و نصاریٰ کو اللہ مارے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدے کا مقام کر لیا"۔

سجدہ تعظیمی کے حرام ہونے پر

ڈیڑھ سو نصوص فقہ میں سے چند نصوص

تبیین الحقائق امام فخر الدین زیلعی جلد اول صفحہ نمبر ۲۰۲ غنیۃ المستملی محقق ابراہیم حلبی ص ۲۶۶ فتح اللہ المعین للعلامۃ السید ابی السعود الازہری جلد اول: ۲۹۰ :۔

التواضع نهايته توجد في السجود، لهذا لو سجد لغير الله يكفر.

"تواضع کی انتہا سجدے پر ہے اس لئے غیر خدا کو سجدہ کفر ہے"۔

مبسوط امام جلیل شمس الائمہ سرخسی اس سے جامع الرموز ص ۵۳۵ :۔

"من سجد لغير الله على وجه التعظيم كفر".

"غیر خدا کو سجدہ تعظیمی کرنے والا کافر ہے"۔

امام اجل صدر شہید شرح جامع صغیر میں ان سے امام سمعانی خزانۃ المفتین قلمی کتاب الکراہیۃ میں، جواہر الاخلاطی قلمی کتاب الاستحسان، اس سے عالمگیریہ جلد ۵ ص ۳۶۸، جامع الفصولین جلد ۲ ص ۳۱۴ برمز من یعنی مجمع النوازل مرموز جز یعنی وجز المحیط سے جامع الرموز ۸۳۵ محیط، مجمع الانہر، جلد ۲ ص ۵۲۰ اور یہ لفظ صدر شہید کے ہیں :۔

من قبل الأرض بين يدي السلطان أو أمير أو سجد له فإن كان على وجه التحية لايكفر و لكن ارتكب الكبيرة.

"جس نے بادشاہ یا کسی سردار کے سامنے زمین چومی یا اسے سجدہ کیا اگر بطور تحیۃ (تعظیم) ہو کافر نہ ہوگا، ہاں مرتکب کبیرہ ہوا۔ جامع الرموز وغیرہ کے لفظ یہ ہیں :۔

لا يجوز فإنه كبيرة.

"زمین بوسی و سجدہ تحیت ناجائز و کبیرہ ہیں"۔

اس سے آگے امام حافظ الدین محمد بن محمد کردری کی وجیز سے ایک عبارت نقل

کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے :۔

" یہاں سے معلوم ہوا کہ سجدہ کہ جُہال اپنے سرکش پیروں کو کرتے ہیں اور اسے پائیگاہ کہتے ہیں بعض مشائخ کے نزدیک کفر ہے اور گناہ کبیرہ تو بالاجماع ہے۔ پس اگر اسے اپنے پیر کے لئے جائز جانے تو کافر ہے، اور اگر اس کے پیر نے اسے سجدہ کا حکم کیا اور اسے پسند کر کے اس پر راضی ہوا تو وہ شیخ نجدی خود بھی کافر ہوا اگر کبھی مسلمان تھا بھی "۔

یعنی ایسے متکبر خدا فراموش خود پسند اپنے لئے سجدے کے خواہشمند غالبًا شرع سے آزاد بے قید و بند ہوتے ہیں۔ یوں تو آپ ہی کافر ہیں اور اگر کبھی ایسے نہ بھی تھے تو حرام قطعی یقینی اجماعی کو اچھا جان کر اب ہوئے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

سجدہ تو سجدہ زمین بوسی بھی حرام ہے

جامع صغیر امام کبیر، اس سے فتاویٰ تاتارخانیہ، اس سے عالمگیریہ جلد ۵ ص ۳۶۹، کافی شرح وافی قلمی ہر دو تصنیف امام جلیل ابو البرکات نسفی صاحبِ کنز، غایۃ البیان علامہ انزاری قلمی، شرح ہدایہ کفایہ امام جلال الدین کرلالی، شرح ہدایہ جلد ۴ ص ۴۳، تبیین الحقائق امام زیلعی، شرح کنز جلد ۶ ص ۲۵، تنویر الابصار امام شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی، در مختار، علامہ مدقق علاء الدین محمد دمشقی کتاب الحظر، مجمع الانہر شرح ملتقی الابہر جلد ۲ ص ۵۲، فتح المعین علی الکنز جلد ۳ ص ۴۰۲، تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری جلد ۸ ص ۲۲۶، شرح کنز لملا مسکین، فتاوی غرائب، اس سے فتاوی ہندیہ۔ ان نصوص جلیلہ میں ہے :

ما يفعلونه من تقبيل الأرض بين يدي العلماء و العظماء فحرام، و الفاعل و الراضي به آثمان.

" عالموں اور بزرگوں کے سامنے زمین چومنا حرام ہے اور چومنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گنہ گار "۔

کافی و کفایہ و غایہ و تبیین و درر و مجمع و ابو السعود اور جواہر نے زائد کیا لأنه يشبه عبادة الوثن "اس لئے کہ وہ بت پرستی کے مشابہ ہے"۔

زمین بوسی حقیقۃً سجدہ نہیں کہ سجدہ میں پیشانی رکھنی ضرور ہے، جب یہ اس وجہ سے حرام اور مشابہ بت پرستی ہوئی کہ صورۃً قریب سجود ہے تو خود سجدہ کس درجہ سخت حرام اور بت پرستی کا مشابہ تام ہوگا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

مزارات کے بارے میں سجدہ تعظیم کے تین الگ مسائل

۱۔ مزارات کو سجدہ یا اس کے سامنے زمین چومنا حرام اور حدِ رکوع تک جھکنا ممنوع، منسک متوسط علامہ رحمتہ اللہ علیہ تلمیذ امام ابن الہمام، مسلک متقسط شرح ملا علی قاری ص ۳۹۳:

و لا يمس عند الزيارة الجدار، و لا يقبله، و لا يلتصق به، و لا يطوف، و لاينحني، ولا يقبل الأرض فإنه أى كل واحد غير مستحسنة.

"زیارت روضہ انور سید اطہر ﷺ کے وقت نہ دیوار کریم کو ہاتھ لگائے، نہ چومے، نہ اس سے چمٹے، نہ طواف کرے، نہ زمین چومے، کہ یہ سب بدعت قبیحہ ہیں۔

بوسہ میں اختلاف ہے اور چھونا چمٹنا اس کے مثل اور احوط منع، اور علت خلاف ادب ہونا۔" شرح لباب:۔

أما السجدة فلا شك إنها حرام، فلا يغر الزائر بما يرى من الجاهلين، بل يتبع لعلماء العاملين.

"رہا مزار کو سجدہ تو وہ حرام قطعی ہے، تو زائر جاہلوں کے فعل سے دھوکا نہ کھائے بلکہ علمائے باعمل کی پیروی کرے۔"

۲۔ مزار کو سجدہ درکنار، کسی قبر کے سامنے اللہ عزوجل کو سجدہ جائز نہیں اگرچہ قبلہ کی طرف ہو، طحطاوی علی الدر جلد اول ۱۸۳:۔

قوله مقبرة لأن فيه التوجه إلى القبر غالبا و الصلوة إليه مكروهة.

"مقبرے میں نماز مکروہ ہے کہ اس میں غالباً کسی قبر کو منہ ہوگا اور قبر کی طرف نماز مکروہ ہے۔"

حلیہ امام ابن امیر الحاج قلمی، أواخر ما يكره في الصلوة، ردالمحتار جلد اول ص ۳۹۴ :۔

أما المقبرة إذا كان فيها موضع أعد للصلوة، و ليس فيها قبر، و لا نجاسة، و قبلته إلى قبر، فالصلوة مكروهة.

" قبرستان میں جب کوئی جگہ نماز کے لئے تیار کی گئی ہو اور وہاں قبر نہ ہو اور نہ نجاست مگر اس کا قبلہ قبر کی طرف ہو جب بھی نماز مکروہ ہے۔"

رکوع و سجود والی نماز میں قبر سامنے ہونے کی کراہت اس کے نماز ہونے کے سبب نہیں، نماز تو نماز جنازہ بھی ہے اور اس میں میت کا سامنے ہونا شرط ورنہ نماز ہی نہ ہوگی، بلکہ رکوع و سجود کے باعث اور یقیناً معلوم کہ نماز کا رکوع و سجود اللہ عزوجل کے لئے ہے اور مصلی یقیناً استقبال قبلہ ہی کی نیت کرتا ہے نہ کہ توجہ الی القبر کی، بایں ہمہ قبر کا سامنے ہونا، اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کو ممنوع کرتا ہے تو خود قبر کو سجدہ کرنا، یا اسے سجدہ میں قبلۂ توجہ بنانا کس درجہ اشد ممنوع و حرام ہوگا، انصاف شرط ہے۔

بکر (قائل سجدۂ تعظیمی) سچا ہے تو مولیٰ علی یا کسی صحابی یا کسی امام تابعی یا امام اعظم، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، و امام یوسف، امام محمد، امام بخاری، امام مسلم یا ان کے کسی ایک شاگرد سے ثبوت صحیح دکھائے کہ انہوں نے کسی غیر خدا کو سجدہ کیا، یا اسے جائز بتایا، ورنہ قرآن مجید میں جو کچھ کاذبین پر ہے، اس سے ڈرے اور جلد سے جلد توبہ کرے، کذب فی الدنیا سے کذب فی الدین سخت تر ہے۔ آگے افتراء اختراع کی اور بھی پوری تند چڑھی کہ ان سب کا اجماع مسئلہ سجدہ تعظیمی میں ثابت ہے اور کوئی شخص انکار کی مجال نہیں رکھتا، پس اگر سجدۂ تعظیمی گمراہی بھی ہے تو اجماع امت سے گمراہی اس کی جاتی رہی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سچ فرمایا حدیث مجید نے **حبك الشي يعمي ويصم** "تعصب آدمی کو اندھا بہرا

کر دیتا ہے، سچ فرمایا رب العزت عز جلالہ نے **فإنها لا تعمي الأبصار ولكن تعمي القلوب التي في الصدور.**

"آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں"۔

سجدہ غیر پر امتِ کرشن کا ضرور اجماع ہے، جس پنڈت سے چاہو پوچھ لو۔ جس مندر میں چاہو دیکھ لو، لیکن امتِ محمد رسول اللہ ﷺ اس تہمت سے بری ہے۔

وسيعلم الذين ظلموا أي منقلب ينقلبون.

طرفہ یہ کہ گمراہی بھی ہے تو اجماع سے جاتی رہی یعنی امت گمراہی پر اجماع تو کر لیتی ہے لیکن اس اجماع سے گمراہی کی کایا پلٹ ہو کر ہدایت ہو جاتی ہے۔ **إنا لله و إنا إليه راجعون.**

اس سے آگے فاضل بریلوی نے تقریباً پندرہ صفحات میں حضرتِ آدم کو ملائک کا سجدہ اور حضرت یوسف علیہما السلام کو سجدے کی آیات پر بڑی مدلل بحث فرمائی ہے اور اس میں ایک ایک شبہے کے کئی کئی جواب دیئے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں :۔

"مخلوق میں نہایت عظمت انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے لئے ہے آدم و یوسف علیہما الصلوۃ و السلام دونوں نبی تھے تو غیر انبیاء مشائخ اور مزارات کو ان پر قیاس کر کے ان کے لئے سجدۂ تعظیمی بتانا ظلم شدید ہے، اور انبیاء کا حق تلف کرنا، یہ سب اسے شریعت سابقہ مان کر ہے۔ ہم بیان کر چکے کہ سرے سے سب کا ثبوت نہیں۔ اب نہ حکم ثابت نہ نسخ کی حاجت۔ سجدہ آدم کا حکم بشر کو نہ تھا ملائکہ کیلئے اب بھی ہو تو ہمیں کیا، سجدۂ یوسف بر بنائے اباحت اصلیہ ہونا ممکن، اور اباحت اصلیہ کا رفع نسخ نہیں، مسلم الثبوت میں ہے :

رفع الإباحة الأصلية ليس بنسخ.

اسی طرح کشف الاسرار وغیرہ میں ہے تو ارشاد حدیث **لا تفعلوا** واجب القبول اور سجدہ تحیۃ کا حرام ہونا ہی حکم خدا اور رسول جل وعلا و ﷺ"۔[1]

---

[1]: الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ، مطبوعہ محبوب المطابع، دہلی

سماع

ہمارے خانقاہی نظام میں سماع کو جو اہم حیثیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں، مگر خیال رہے کہ سماع کے لفظ سے فوری طور پر ذہن میں سماع کا جو نقش ابھرتا ہے وہ خانقاہوں میں مروجہ سماع کا ہے جس کی کیفیت (الا ماشاء اللہ) ایک میلے کی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس میں مسمع مستمع اور مسموع کے آداب کا لحاظ ختم ہو کر رہ گیا ہے، محبت الہیہ کی روحانی غذا کے برعکس یہ صورت حال جہلا اور نفسانی ومادی خیالات کے اسیر عوام کے لئے خدا سے دوری کا سبب بن رہی ہے۔ حضرت فاضل بریلوی نے پوری شدت کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ کے مطابق سلسلہ عالیہ چشتیہ کے بزرگان اور مشائخ کا دامن بھی اس نوعیت کے سماع سے قطعاً پاک ہے۔ چنانچہ مولانا فخر الدین زرادی خلیفہ سید محبوبِ الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول آپ نے نقل فرمایا ہے:۔

أما سماع مشايخنا رضى الله تعالىٰ عنهم فبري عن هذه التهمة، وهو مجرد صوت القوال مع الأشعار المشعرة من كمال صنعة الله.

(ہمارے مشائخ کا سماع اس تہمت (مزامیر و معازف) سے بالکل بری ہے۔ وہ تو گانے والے کے خالی ایسے اشعار کہنے کا نام ہے جو کمال قدرت کے عجائبات پر مشتمل ہوں) آپ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ خود سلسلہ عالیہ چشتیہ کے مشائخ نے سماع کی یہ صورت جائز نہیں رکھی۔ چنانچہ حضرت فاضل بریلوی کو اس کے ناجائز اور حرام ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ میں مروجہ سماع کے مجوزین سے انتہائی ادب کے ساتھ گزارش کرتا ہوں کہ وہ سوادِ اعظم کے اس عظیم پیشوا، اور ملت اسلامیہ کے مایۂ ناز عالم دین کی فقہی بصیرت، علومِ اسلامیہ میں گہری نظر، اور بزرگان دین سے حسنِ عقیدت پر اعتماد کر کے ان کے فتوے کے مطابق خانقاہوں میں سماع کی مجلسیں موقوف کر دیں، یا

کم از کم انہیں ان شرائط اور لوازمات کا پابند کریں جو وہ خود بیان کرتے ہیں۔ محافل سماع کی مروجہ صورت سے سنتِ نبویہ کی کوئی خدمت نہیں ہو رہی، پھر ستم یہ ہے کہ عام لوگوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ایسی محفلوں میں شامل ہونا یا کسی ذریعے سے ان کی رونق بڑھانا کارِ ثواب ہے۔ عام آدمی جو ایسی محافل میں پڑھے جانے والے کلام کو سمجھنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے، اور ان کے دل ان آوازوں سے محبت و اشتیاقِ خداوندی کی معمولی سی تڑپ بھی اپنے اندر محسوس نہیں کرتے کیوں کر ثواب کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ یہ بات ہر جگہ مشاہدے میں آسکتی ہے کہ محفلِ سماع میں ذوق و شوق سے شامل ہونے والی بھیڑ حی الی الصلوۃ کی روح پرور اور زندگی بخش آواز سن کر ہوا کے بادلوں کی طرح چھٹ جاتی ہے۔ اس بات کے ثبوت کے لئے مزید کسی دلیل کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ یہ جمِ غفیر دنیاوی شغل، مادی تسکین اور تماشے کے طور پر جمع ہوتا ہے؟ پھر بالاتفاق سماع شریعت و طریقت کا کوئی رکن ہے اور نہ فریضۂ سلسلہ عالیہ قادریہ اور نقشبندیہ کے اعراس اور محافل بھی تو سماع کے بغیر ہوتی ہیں۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ اگر سماع بالمزامیر کا سلسلہ موقوف کر دیا جائے، یا کم از کم اسے مقررہ شرائط کا پابند کر دیا جائے تو ایسے اعراس اور محافل کی رونق بہت حد تک کم ہو جائے گی، جن میں سماع کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ لیکن عرس ایسی پاکیزہ محفل میں صاحبِ عرس کی زندگی، ذکر و فکر، شب بیداری، تجدید عہد اور اخذ فیوض و برکات کے مقدس جذبہ کو چھوڑ کر نمود و نمائش، اژدہامِ خلقت اور میلے کا رجحان کیوں پیدا ہونے لگا ہے اور جان بوجھ کر یہ فضا کیوں بنائی جا رہی ہے؟ ظاہر بات ہے کہ جس وقت خانقاہوں کے سجادہ نشین اور علماء ایسی محافل میں ایک دوسرے کے دوش بدوش قوالوں کے لئے نذر وصول کرتے نظر آئیں گے۔ عوام ایسی محفل کو خالص دینی و شرعی مجلس سمجھنے میں قطعاً کوئی دیر نہیں لگائیں گے۔

یوں بھی اسلام جس پر وقار اور سنجیدہ معاشرے کا داعی ہے سماع اور رقص و وجد کی موجودہ شکل اس کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ اگر کسی صاحبِ حال صوفی نے مغلوب ہو کر کبھی ایسا کر لیا ہے تو وہ بالکل الگ مسئلہ ہے۔ طریقت کے ایک رکن کی حیثیت سے

سماع بالمزامیر کو صوفیاء نے کبھی جائز نہیں سمجھا۔ راقم السطور کے نزدیک متقدمین صوفیاء لفظ سماع سے کچھ مراد لیتے ہیں۔ جب کہ زمانہ حال میں سماع سے مراد سماع بالمزامیر ہی ہے۔ اس لئے یہ ایک طرح سے تعبیر کی غلطی بھی ہے۔ حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش اپنے مرشد سے نقل فرماتے ہیں :۔

السماع زاد المضطرین فمن وصل استغنی عن السماع.

"سماع حیران اور درماندہ لوگوں کا مایہ ہے جو حقیقیت پالیتا ہے وہ اس سے مستغنی ہو جاتا ہے"۔

علامہ بحر العلوم نے شرح مثنوی میں سرخیل صوفیاء شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا یہ مقولہ نقل کیا ہے :۔

سماع مفید رفع درجہ نمی تواند شد گرچہ مباح است، وشوق مے انگیزد۔

"سماع ترقی درجات کے لئے مفید نہیں، گو یہ مباح ہے اور شوق پیدا کرتا ہے"۔

صاحب تفسیر روح البیان رقمطراز ہیں :۔

إعلم أن الرقص و السماع حال المتلون، لا حال المتمکن.

"رقص اور سماع مبتدی سالک کی کیفیت ہے صاحبِ ارشاد اس سے بلند ہے"۔

حضرت ابوالحسن الشاذلی فرماتے ہیں :۔

السماع انحطاط فی درجة الحق إذا کان صادرا عن أهله بشرائطه وادابه.

"سماع درجہ حق میں ایک کمی ہے اگرچہ وہ اس کے اہل سے پورے شرائط اور آداب کی پابندی سے کیوں نہ ہو"۔

حضرت علامہ اقبال فقر کی حقیقت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں ؎

چیست فقر اے بندگان آب و گل — یک نگاہ راہ بیں یک زندہ دل
فقر کار خویش را سنجیدن است — بر دو حرف لا الہ پیچیدن است
فقر چوں عریاں شود زیر سپہر — از نہیب او بلرزد ماہ و مہر
فقر عریاں گرمی بدر و حنین — فقر عریاں بانگ تکبیر حسینؓ

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا است   ما امینیم ایں متاع مصطفیٰ است
فقر قرآں احتساب ہست و بود   نے رباب و رقص و مستی و سرود
آ تجھ کو بتا دوں میں تقدیر امم کیا ہے   شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر
کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ   بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں یہاں پر کوئی محاکمہ نہیں کرنا چاہتا۔ صرف مقصود یہ ہے کہ حلقہ صوفیا کے بیشتر نامور مشائخ بھی اس بارے میں وہی رائے رکھتے ہیں جو فاضل بریلوی کی ہے۔ میں آخر میں سرخیلِ صوفیاء حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات سے دو اقتباس پیش کرتا ہوں۔ انہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ فاضل بریلوی نے اس سے کوئی مختلف بات کہی ہے۔

متفق گردید رائے بو علی با رائے من

فرماتے ہیں :۔

"سماع و رقص فی الحقیقت داخل لھو و لعب است۔۔۔۔ و آیات و احادیث و روایات فقھیہ در حرمت غنا بسیار است حدے کہ احصائے آں متعذر است فقھیے ہیچ وقتی و زمانی فتویٰ باباحت سرود نہ دادہ است۔ ور قص وپا کوبی را مجوز نداشتہ و عمل صوفیاء در حل و حرمت سند نیست، ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و علامت نکنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ تعالیٰ مفوض داریم، ایں جا قول امام ابی حنیفہ و امام ابی یوسف و امام محمد معتبر است، نہ عمل ابوبکر شبلی و ابی حسن نوری۔ صوفیانِ خام ایں وقت عمل پیراں خود را بہانہ ساختہ سرود ور قص را دین و ملت خود گرفتہ اند و طاعت و عبادت ساختہ اُولئک الذین اتخذوا دینھم لھوا و لعبا۔[1]

"سماع و رقص فی الحقیقت لھو و لعب میں داخل ہے اور اس کی حرمت کے بارے میں آیات، احادیث اور فقہی روایات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ کسی زمانہ میں بھی کسی فقیہ نے سرود و رقص کے جواز کا

---

[1]: مکتوبات مجدد الف ثانی : مکتوب نمبر ۲۶۶ دفتر اول

فتوی نہیں دیا۔ حلت وحرمت کے بارے میں صوفیوں کا عمل سند نہیں ہے۔ یہی بہت ہے کہ ہم ان کو معذور رکھیں، ملامت نہ کریں اور ان کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کردیں۔ یہاں تو امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہے۔ نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو الحسن نوری کا عمل، اس زمانہ کے صوفیانِ خام اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ کر کے سرود و رقص کو اپنا دین و مذہب بنائے ہوئے ہیں، اور اسے طاعت و عبادت سمجھے ہوئے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے لہو و لعب کو اپنا دین بنا رکھا ہے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں :۔

"جمِ غفیر ازیں طائفہ تسکین و اضطراب خود را از سماع و نغمہ و وجد و تواجد جستند و مطلوبِ خود در اور پردہ ہائے نغمہ مکالمہ نمودند، لاجرم رقص و رقاصی راہ دین خود گرفتند با آنکہ شنیدہ ما جعل الله في الحرام شفاء... اگر شمہ از حقیقت صلواتیہ بر ایشاں منکشف شدے ہرگز دم از سماع و نغمہ نزدندے ۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ نہ زدندے

اے برادر ہر قدر کہ فرق درمیان نماز و نغمہ است
ہماں قدر فرق درمیاں کمالا ت کہ منشائے آں نماز است
و کما لاتے کہ منشائے آں نغمہ است بداں العاقل تكفيه الإشارة". (مکتوبات مجدد الف ثانی: مکتوب نمبر ۲۶۱ دفتر اول)

"اس طبقہ میں ایک بڑا گروہ ایسا ہے جو اپنی بے چینی کا علاج سماع و نغمہ اور وجد و تواجد میں ڈھونڈتا ہے، اور اپنے محبوب کو نغموں کی اوٹ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی لئے ان لوگوں نے رقص و رقاصی کو اپنا طریقہ بنالیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے یہ حدیث سنی ہے کہ "اللہ نے کسی حرام میں شفاء نہیں رکھی" اگر ان پر نماز کی حقیقت کا ایک شمہ بھی منکشف ہو جاتا تو وہ سماع و نغمہ کا دم ہرگز نہ بھرتے۔ میرے عزیز! نماز اور نغمہ میں جو

فرق ہے اسی قدر فرق نماز میں حاصل ہونے والے کمالات اور نغمہ سے پیدا ہونے والے احوال کے درمیان بھی ہے۔ عاقل کو اشارہ کافی ہے"۔

میں یہاں پر سماع مروجہ کے مجوزین علماء اور فقراء سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اسے اپنے خلاف مناظرانہ یا مخاصمانہ کاروائی نہ سمجھیں اور نہ ہی اس کی تردید و تنقیص کا نیا محاذ کھولنے کی کوشش کریں۔ چونکہ ہمارا موضوع فاضل بریلوی کے مسلک کی تحقیق ہے لہذا ان حضرات کو ہماری مجبوری کا احساس کرنا چاہیے۔

مسئلہ سماع

آپ سے سوال کیا گیا...... آج جس وقت میں آپ سے رخصت ہوا، اور واسطے نماز مغرب کے مسجد میں گیا۔ بعد نماز مغرب کے میرے ایک دوست نے کہا، چلو ایک جگہ عرس ہے۔ میں چلا گیا۔ وہاں جاکر کیا دیکھتا ہوں۔ بہت سے لوگ جمع ہیں اور قوالی اس طرح ہو رہی ہے کہ ایک ڈھول دو سارنگی بج رہی ہیں اور چند قوال پیران پیر دستگیر کی شان میں اشعار کہہ رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی نعت کے اشعار اور اولیاء کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں۔ یہ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں۔ کیا اس فعل سے رسول اللہ ﷺ اور اولیاء اللہ خوش ہوتے ہوں گے اور یہ حاضرین جلسہ گنہ گار ہوئے یا نہیں۔ اور ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں، اور اگر جائز ہے تو کس طرح کی؟

الجواب

ایسی قوالی حرام ہے۔ حاضرین سب گنہ گار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے، اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو، نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر جدا اور ایسا عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ۔ وجہ یہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے

نے بلایا۔ ان لوگوں کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا، یہ ڈھول سارنگی نہ سناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے۔ اس لئے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہوا۔

باجوں کی حرمت میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔ از انجملہ اجل و اعلیٰ حدیث صحیح بخاری شریف ہے کہ حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں :۔

ليكونن في أمتي أقوام يستحلون الحر و الحرير و الخمر و المعازف.

"ضرور میری امت میں وہ لوگ ہونے والے ہیں جو حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرم گاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑوں اور شراب اور باجوں کو۔"

(حديث صحيح جليل متصل و قد أخرجه أيضا أحمد و أبو داؤد و ابن ماجة و الإسمعيلي و أبو نعيم بأسانيد صحيحة لامطعن فيها، و صححه جماعة آخرون من الأئمة كما قاله بعض الحفاظ، قاله الامام ابن الحجر في كف الرعاع)

بعض جہال بدمست یا نیم ملا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی بادبدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محمل واقعے یا متشابہ پیش کرتے ہیں۔ انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے آگے محمل، محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے۔ پھر کہاں قول کہاں حکایت فعل، پھر کجا محرم کجا مبیح۔ ہر طرح یہی واجب العمل اسی کو ترجیح۔ مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے۔ کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے، اقرار لاتے۔ یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں۔ اپنے لئے حرام کو حلال بنالیں۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبانِ خدا اکابرِ سلسلۂ عالیہ چشت قدست اسرارہم کے سر دھرتے ہیں۔ نہ خدا کا خوف نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور محبوب الٰہی سیدی و مولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم و عنا بہم فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں : "مزامیر حرام است"

مولانا فخر الدین زرادی خلیفۂ حضور سیدنا محبوب الٰہی نے حضور کے زمانہ مبارکہ

میں خود حضور کے حکم احکم سے مسئلہ سماع میں رسالہ "کشف القناع عن اصول السماع" تحریر فرمایا۔ اس میں صاف ارشاد فرمادیا کہ :

أما سماع مشايخنا رضى الله تعالى عنهم فبرئ عن هذه التهمة، وهو مجرد صوت القوال مع الأشعار المشعرة من كمال صنعة الله تعالى.

"ہمارے مشائخ کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے بری ہے، وہ صرف قوال کی آواز ہے ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعتِ الٰہی سے خبر دیتے ہیں"۔

للہ انصاف اس امام جلیل خاندانِ عالی چشت کا یہ ارشاد مقبول ہو گا یا آج کل مدعیان خام کار کی تہمت بے بنیاد ظاہرۃ الفساد۔

سیدی مولانا محمد بن مالک بن محمد علوی کرمانی مرید حضور پرنور شیخ العالم فرید الحق و الدین گنج شکر و خلیفہ حضور سیدنا محبوبِ الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کتاب مستطاب "سیر الاولیاء" میں فرماتے ہیں :

"حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز مے فرمود کہ چند ایں چیزے باید تا سماع مباح شود۔ مسمع و مستمع و مسموع و آلۂ سماع۔ مسمع یعنی گوئندہ۔ مرد تمام باشد کودک نباشد و عورت نباشد مستمع آنکہ مے شنود از یادِ حق خالی نباشد و مسموع آنچہ بگویند فحش و مسخرگی نباشد و آلۂ سماع مزامیر است چوں چنگ و رباب و مثل آں مے باید کہ درمیاں نباشد، ایں چنیں سماع حلال است۔"

مسلمانو! یہ فتویٰ ہے سرور و سردار سلسلۂ عالیہ چشت حضرت سلطان الاولیاء کا۔ کیا اس کے بعد بھی مفتریوں کو منہ دکھانے کی گنجائش ہے؟

نیز "سیر الاولیاء شریف" میں ہے :۔

"یکے خدمت حضرت سلطان المشائخ عرض داشت کہ دریں روزہا بعضے از درویشانِ آستانہ دار در مجمع کہ چنگ و رباب و مزامیر بود رقص کردند فرمود نیکو نکردہ اند آنچہ نامشروع است ناپسندیدہ است، بعد ازاں یکے گفت چوں ایں طائفہ ازاں مقام بیرون آمدند بایشاں گفتند کہ شما چہ کردید دراں جمع

مزامیر بود سماع چگون شنید ید و رقص کردید ایشاں جواب دادند کہ ماچناں مستغرق سماع بودیم کہ ندانستیم کہ ایں جامزامیر است یانہ حضرت سلطان المشائخ فرمود ایں جواب ہم چیز نیست ایں سخن در معصیتہاہباید۔"

مسلمانو! کیا صاف ارشاد ہے کہ مزامیر ناجائز ہے اور اس عذر کا کہ ہمیں استغراق کے باعث مزامیر کی خبر نہ ہوئی۔ کیا مسکت جواب عطا فرمایا کہ ایسا حیلہ ہر گناہ میں چل سکتا ہے۔ شراب پئے اور کہہ دے شدتِ استغراق کے باعث ہمیں خبر نہ ہوئی، کہ شراب ہے یا پانی، زنا کرے اور کہہ دے غلبہ حال کے باعث ہمیں تمیز نہ ہوئی کہ جورو ہے یا بیگانی"۔

اسی میں ہے۔

"حضرت سلطان المشائخ فرمود من منع کردہ ام کہ مزامیر و محرمات درمیان نباشد ودریں باب بسیار غلو کرد تاحدیکہ گفت اگر امام راسہو افتد مرد تسبیح اعلام کنند وزن سبحان اللہ نگوید زیرا کہ نہ شاید آوازاں شنودن۔ پس پشت دست بر کف دست زند وکف دست بر کف دست نہ زند کہ بہ لھوے ماند تاایں غایت از ملاہی وامثال آں پرہیز آمدہ است۔ پس در سماع بطریق اولی کہ ازیں بابت نہ باشد۔ یعنی در منع دستک چندیں احتیاط آمدہ است۔ پس در سماع مزامیر بطریق اولی منع است۔

مسلمانو! جو آئمہ طریقت اس درجہ احتیاط فرمائیں کہ تالی کی صورت کو ممنوع بتائیں وہ اور معاذ اللہ مزامیر کی تہمت۔ للہ انصاف کیا خبط بے ربط ہے۔ اللہ تعالیٰ اتباع شیطان سے بچائے اور ان سچے محبوبانِ خدا کا سچا اتباع عطا فرمائے"۔ ۱

ایک اور موقع پر استفسار کیا گیا:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قوالی جو عرسوں میں یا ان کے علاوہ ہوتی ہے جس میں سوا نعتیہ غزلیات، عاشقانہ آلات یعنی مزامیر کے ساتھ بجائے جاتے ہیں جائز ہیں یا نہیں؟ بزرگ لوگ جو اس میں شریک ہوتے ہیں بلکہ بعض کی

۱: احکام شریعت: اول: ۲۸۔۲۵م مراد آباد

نسبت وصال ہو جانا بھی سنا جاتا ہے۔ یہ فعل ان کا کیسا ہے ؟ اگر یہ برا ہے تو گدیوں یعنی خانقاہوں میں پشت ہا پشت سے ہوتی چلی آتی ہے خلاف ہے یا نہیں اور ایسی خانقاہوں میں جانا اور ارادات اختیار کرنا اور بہتر سمجھنا اور ان کے سامنے سر نیاز خم کرنا کیسا ہے ؟ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

خالی قوالی جائز ہے۔ اور مزامیر حرام، زیادہ غلو اب منتسبانِ سلسلہ عالیہ چشتیہ کو ہے اور حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں :۔

"مزامیر حرام است"۔ حضرت مخدوم شرف الملۃ والدین یحیٰ منیری قدس سرہ العزیز نے مزامیر کو زنا کے ساتھ شمار کیا ہے۔ اکابر اولیاء نے ہمیشہ فرمایا ہے کہ مجرد شہرت پر نہ جاؤ۔ جب تک میزانِ شرع پر مستقیم نہ دیکھ لو۔ پیر بنانے کے لئے جو چار شرطیں لازم ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ مخالفت شرع مطہر آدمی خود اختیار نہ کرے ناجائز فعل کو ناجائز ہی جانے اور ایسی جگہ کسی ذات خاص سے بحث نہ کرے۔ ۱

ایک اور موقع پر کسی نے دریافت کیا :۔

کیا یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت محبوبِ الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبر شریف میں ننگے سر کھڑے ہوئے گانے والوں پر لعنت فرما رہے تھے ؟

آپ نے جواب میں فرمایا :۔

یہ واقعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے کہ آپ کے مزار شریف پر مجلس سماع میں قوالی ہو رہی تھی۔ آجکل تو لوگوں نے بہت اختراع کر لئے ہیں۔ ناچ وغیرہ بھی کراتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت بارگاہوں میں مزامیر بھی نہ تھے۔ حضرت سید ابراہیم ایرجی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جو ہمارے پیرانِ سلسلہ میں سے ہیں باہر مجلسِ سماع کے تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب صالحین سے آپ کے پاس آئے اور گزارش کی۔ مجلس میں تشریف لے چلئے۔ سید ابراہیم ایرجی نے فرمایا :

۱ : احکام شریعت : اول :۹۱

تم جاننے والے ہو، مواجہہ اقدس میں حاضر ہو، اگر حضرت راضی ہوں تو میں ابھی چلتا ہوں۔ انہوں نے مزارِ اقدس پر مراقبہ کیا، دیکھا کہ حضور قبر شریف میں پریشان خاطر ہیں اور ان قوالوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں :

"ایں بدبختان وقت مارا پریشان کردہ اند"۔

وہ واپس آئے اور قبل اس کے عرض کریں فرمایا آپ نے دیکھا۔ ا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ا : الملفوظ : اول : ۱۰۹

عورتوں کا مزارات پر جانا

اس بارے میں فاضل بریلوی سے پوچھا گیا :۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بزرگوں کے مزار پر عرسوں میں یا اس کے علاوہ عورتیں جاتی ہیں۔ پاکی ناپاکی کی حالت میں، بھلائی کی طلب و حاجت برائی کے لئے اور وہاں بیٹھتی ہیں تو اس قبرستان میں ان کا ٹھہرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر یہ باتیں بری ہیں تو اس بزرگ میں تصرف و قوت اس کے روکنے کی ہے یا نہیں اور کہا جاتا ہے کہ دربار بزرگان میں آنے والے ان کے مہمان ہیں۔ یہ صحیح ہے یا نہیں ؟ اور جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ بزرگ لوگ اپنے مزار سے تصرف نہیں کر سکتے اور یہ دلیل لاتے ہیں کہ اگر وہ تصرف کر سکتے تو وہاں رنڈیاں گاتی جاتی ناچتی ہیں۔ عورتیں غیر محرم رہتی ہیں۔ ان کے بچے پیشاب وغیرہ کرتے ہیں تو کیوں نہیں روکتے۔ یہ کہنا ان لوگوں کا اور ان کی یہ دلیل صحیح ہے یا نہیں اور اس کا کیا جواب ہے ؟

الجواب :۔

عورتوں کو مزاراتِ اولیاء و مقابر عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔ اولیائے کرام کا مزارات سے تصرف کرنا بے شک حق ہے اور وہ بیہودہ دلیل محض باطل۔ اصحاب مزارات دائرہ تکلیف میں نہیں ہیں۔ وہ اس وقت محض احکام تکوینیہ کے تابع ہیں سینکڑوں ناحفاظیاں لوگ مسجدوں میں کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل تو قادر مطلق ہے کیوں نہیں روکتا۔ حاضران مزار مہمان ہوتے ہیں مگر عورتیں ناخواندہ مہمان ہیں۔[۱]

یہی سوال ایک اور موقع پر کیا جاتا ہے :۔

عرض : حضور اجمیر شریف میں خواجہ صاحب کے مزار پر عورتوں کا جانا جائز

---

۱ : احکام شریعت : اول : ۹۰

ہے یا نہیں ؟

ارشاد : غنیۃ میں ہے۔ یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور کس قدر صاحبِ قبر کی جانب سے جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے۔ لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔ سوائے روضۂ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔ وہاں کی حاضری البتہ سنتِ جلیلہ عظیمہ قریب الواجبات ہے۔ قرآنِ عظیم نے اسے مغفرتِ ذنوب کا تریاق بتایا :

﴿ولوأنهم إذ ظلموا أنفسهم جاؤك فاستغفروا الله و استغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما﴾

خود حدیث میں ارشاد ہے : من زار قبري وجبت له شفاعتي.

"جو میرے مزار کریم کی زیارت کو حاضر ہوا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی"۔

دوسری حدیث میں ہے :۔من حج ولم يزرني فقد جفاني.

"جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا بے شک اس نے مجھ پر جفا کی"۔

ایک تو یہ ادنیٰ واجب دوسرے قبولِ توبہ، تیسرے دولتِ شفاعت حاصل ہونا، چوتھے سرکار ﷺ کے ساتھ معاذ اللہ جفا سے بچنا۔ یہ عظیم اہم امور ایسے ہیں جنہوں نے سب سرکاری غلاموں اور سرکاری کنیزوں پر خاک بوسی آستانِ عرش نشان لازم کر دی۔ بخلاف دیگر قبور و مزارات کے کہ وہاں ایسی تاکیدیں مفقود اور احتمال مفسدہ موجود، اگر عزیزوں کی قبریں ہیں بے صبری کرے گی، اولیاء کے مزار ہیں تو محتمل کہ بے تمیزی سے بے ادبی کرے یا جہالت سے تعظیم میں افراط جیسا کہ معلوم و مشاہد ہے۔ لہٰذا ان کے لئے طریقہ اسلم احتراز ہی ہے۔

بدریاء در منافع بے شمار است
اگر خواہی سلامت برکنار است [1]

---

[1] : الملفوظ : دوم : ۱۴۴

تعزیہ داری میں لہوولعب سمجھ کر جانا، بندر نچانا، ریچھ کا تماشا، مرغوں کی پالی دیکھنا

عرض :۔ تعزیہ داری میں لہوولعب سمجھ کر جائے تو کیسا ہے ؟

ارشاد :۔ نہیں جانا چاہیے، ناجائز کام میں جس طرح مال و جان سے مدد کرے گا یونہی سواد بڑھا کر بھی مدد گار ہو گا۔ ناجائز بات کا تماشا دیکھنا بھی ناجائز ہے، بندر نچانا حرام ہے، اس کا تماشا دیکھنا بھی حرام۔ در مختار و حاشیہ علامہ طحطاوی میں ان مسائل کی تصریح ہے، آج کل لوگ ان سے غافل ہیں، متقی لوگ جن کو شریعت کی احتیاط ہے، ناواقفی سے ریچھ یا بندر کا تماشا یا مرغوں کی پالی دیکھتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس سے گنہ گار ہوتے ہیں۔ ۱

مرد کو چوٹی رکھنا

عرض :۔ مرد کو چوٹی رکھنا جائز ہے یا نہیں ؟ بعض فقیر رکھتے ہیں ؟

ارشاد :۔ حرام ہے حدیث میں فرمایا :۔

لعن المتشبهين من الرجال بالنساء و المتشبهات من النساء بالرجال

"اللہ کی لعنت ہے مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت رکھیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت پیدا کریں۔" ۲

---

۱ : الملفوظ : دوم : ۱۱۶ ۲ : الملفوظ : دوم : ۱۱۰

کتا پالنا، کبوتر پالنا، بٹیر بازی، مرغ بازی، شکرا، باز پالنا

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ کتا پالنا جائز ہے یا نہیں ؟ اور کبوتر پالنا بلا اڑانے کے و بٹیر بازی و مرغ بازی و شکرا، باز پالنا اور ان سے شکار پکڑوانا اور کھانا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ شکرا و باز پالنا درست ہے اور ان سے شکار کرانا اور اس کا کھانا بھی درست ہے، قولہ تعالیٰ ﴿**و ما علمتم من الجوارح**﴾ یہ ضرور ہے کہ شکار غذا یا دوا یا کسی نفع کی غرض سے ہو محض تفریح و لہو لعب نہ ہو ورنہ حرام ہے یہ گنہ گار ہو گا اگرچہ ان کا مارا ہوا جانور جبکہ وہ تعلیم پا گئے ہوں اور بسم اللہ کہہ کر چھوڑا ہو حلال ہو جائے گا۔

بٹیر بازی، مرغ بازی اور اسی طرح ہر جانور کا لڑانا جیسے لوگ مینڈھے لڑاتے ہیں، لال لڑاتے ہیں یہاں تک کہ حرام جانوروں مثلاً ہاتھیوں، ریچھوں کا لڑانا بھی سب مطلقاً حرام ہے کہ بلاوجہ بے زبانوں کی ایذا ہے۔ حدیث میں ہے۔

نهى رسول الله ﷺ عن التحريش من البهائم .

"رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کے لڑانے سے منع کیا"[1]

کبوتر پالنا جبکہ خالی دل بہلانے کے لئے ہو اور کسی امر ناجائز کی طرف مؤدی نہ ہو جائز ہے اور اگر چھتوں پر چڑھ کر اڑائے کہ مسلمانوں کی عورتوں پر نگاہ پڑے یا ان کے اڑانے کو کنکریاں پھینکے جو کسی کا شیشہ توڑیں، کسی کی آنکھ پھوڑیں، یا پرائے کبوتر پکڑے یا ان کا دم بڑھانے اور اپنا تماشا ہونے کے لئے دن بھر انہیں بھوکا اڑائے، جب اترنا چاہیں نہ اترنے دے تو ایسا پالنا حرام ہے۔ در مختار میں ہے :۔

و يكره (إمساك الحمامات) و لو في برجها (إن كان يضر بالناس) بنظر أو جلب (فإن كان يطيرها فوق السطح مطلقا على عورات المسلمين،

---

[1]: أخرجه أبوداؤد و الترمذي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما. و قال الترمذي حسن صحيح۔

و يكسر زجاجات الناس برمية تلك الحمامات منع أشد المنع، فإن لم يمتنع ذبحها المحتسب) و أما الاستنساس فمباح (باختصار)

صحیح بخاری وغیرہ میں عبداللہ بن عمر اور صحیح ابن حبان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہم سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :۔

دخلت النار امرأة في هرة ربطتها فلم تطعمها تأكل من خشاش الأرض.

''ایک عورت دوزخ میں گئی ایک بلی کے سبب کہ اسے باندھ رکھا تھا، نہ آپ کھانا دیا نہ چھوڑا کہ زمین کے چوہے وغیرہ کھالیتی''۔

ابن حبان کی حدیث میں ہے۔

فهي تنهش قبلها و دبرها:

''وہ بلی دوزخ میں اس عورت پر مسلط کی گئی ہے کہ اس کا آگا پیچھا دانتوں سے نوچ رہی ہے''۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو جانور پالو دن میں ستر بار اسے دانہ پانی دکھاؤ نہ کہ گھنٹوں، پہروں بھوکا پیاسا رکھو، اور نیچے آنا چاہے تو آنے دو۔ علماء فرماتے ہیں : جانور پر ظلم کافرذمی پر ظلم سے سخت تر ہے اور کافرذمی پر ظلم مسلمان پر ظلم سے اشد ہے۔ کما في در المختار وغیرہ۔

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

الظلم ظلمات يوم القيامة .

''ظلم ظلمتیں ہوگا قیامت کے دن۔''

اور اللہ تعالی فرماتا ہے :۔

ألا لعنة الله على الظالمين.

سن لو اللہ کی لعنت ہے ظلم کرنے والوں پر۔

''کتا پالنا حرام ہے جس گھر میں کتا ہو اس میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا روز اس شخص کی نیکیاں گھٹتی ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :۔

لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب و لا صورة .

"فرشتے نہیں آتے اس گھر میں جس میں کتایا تصویر ہو"۔ ۱

اور فرماتے ہیں :۔

من اقتنى كلبا إلا كلب ماشية أو ضاريا نقص من عمله كل يوم قيراطان.

"جو کتاپالے گا، گلے کا کتایا شکاری، روزاس کی نیکیوں سے دو قیراط کم ہوں گے" ۲
تو صرف دو قسم کے کتے اجازت میں رہے۔ ایک شکاری جسے کھانے یادواد غیرہ منافع صحیح کے لئے شکار کی حاجت ہو، نہ شکار تفریح کہ وہ خود حرام ہے۔ دوسرا وہ کتا جو گلے یا کھیتی یا گھر کی حفاظت کے لئے پالا جائے جہاں حفاظت کی سچی حاجت ہو ورنہ اگر مکان میں کچھ نہیں کہ چور لیں یا مکان محفوظ جگہ ہے کہ چور کا اندیشہ نہیں، غرض جہاں یہ اپنے دل سے خوب جانتا ہو کہ حفاظت کا بہانہ ہے، اصل میں کتے کا شوق ہے وہاں جائز نہیں، آخر آس پاس کے گھر والے بھی اپنی حفاظت ضروری سمجھتے ہیں، اگر بے کتے کے حفاظت نہ ہوتی تو وہ بھی پالتے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالی کے حکم میں حیلے نہ نکالے کہ وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے۔ ۳

۱:رواه أحمدو الشيخان و الترمذي و النسائي و إبن ماجة عن أبي طلحة رضي الله تعالى عنه

۲:رواه أحمد والشيخان و الترمذي و النسائي عن إبن عمر رضي الله تعالى عنهما

۳ :احکام شریعت :اول :۱۹۔۲۰

السلام علیکم کے جواب میں آداب عرض، تسلیمات بندگی یاماتھے پر ہاتھ رکھنااور جواب نہ دینا

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں چند اشخاص ایک جگہ بیٹھے ہیں اور ایک شخص نے آکر کہا السلام علیکم !اس کے جواب میں انہوں نے کہا آداب عرض یا تسلیمات یا بندگی یا ان میں سے ایک شخص نے اپنا ہاتھ ماتھے تک اٹھادیا اور منہ سے کچھ جواب نہ دیا پس فرض کفایہ اشخاص مذکورہ کے ذمہ سے اس صورت میں اٹھ گیا یا نہیں ؟

الجواب :۔

نہ ،اور سب گنہ گار رہے جب تک ان میں کوئی وعلیکم السلام یا وعلیک یا السلام علیکم نہ کہے کہ الفاظ مذکورہ بندگی، آداب، تسلیمات وغیرہ سلام سے نہیں، اور صرف ہاتھ اٹھادینا کوئی چیز نہیں جب تک اس کے ساتھ کوئی لفظ سلام نہ ہو۔ ردالمحتار میں ظہیریہ سے ہے۔

لفظ السلام في المواضع كلها السلام عليكم بالتنوين و بدون هذين كما يقول الجهال لا يكون سلاما.

أقول: فلا يكون جوابا لأن جواب السلام ليس إلا بالسلام، أما وحده أو بزيادة الرحمة و البركات لقوله تعالى:

﴿ إذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أو ردوها﴾

إن ما اخترعوا من الألفاظ أو الاجتزاء بالإيماء إما أن يكون تحية أو لا على الثانى عدم براة الذمة ظاهر، لأن المأمور به التحية و على الأول

ليس عين السلام وهو ظاهر، ولا أحسن منه، فإن المخترع لا يمكن أن يكون أحسن من الموارد فخرج عن كلا الوجهين، و بقي الواجب الكفائي على كل عين.

مرقاۃ میں ہے : قد صح بالأحاديث المتواترة معنى أن السلام باللفظ سنة و جوابه واجب.

حدیث میں ہے :رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :۔

لیس منا من تشبه بغيرنا لا تشبهوا باليهود ولا بالنصارى، فإن تسليم اليهود الإشارة بالأصابع، و تسليمُ النصارىٰ الإشارة بالأكف.

"ہمارے گروہ سے نہیں جو ہمارے غیروں کی شکل بنے نہ یہود سے مشابہت کرو، نہ نصاریٰ سے کہ یہود کا سلام انگلی سے اشارہ ہے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلی سے اشارہ۔"[1]

---

[1]: رواه الترمذي عن عبد الله بن عمر ررضی الله تعالى عنهما
احکام شریعت :۲۳-۲۴

لمبے بالوں کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی سید صاحب سر پر بال اس طرح رکھے کہ وہ کاکل یا گیسو کہے جا سکیں، تو ایسے بال ان سید صاحب کو بڑھانے جائز ہیں یا نہیں ؟ سنا گیا ہے کہ امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گیسو تھے جو شانوں پر لٹکتے تھے۔

الجواب :۔ شانوں تک گیسو جائز ہیں بلکہ سنت سے ثابت ہیں، اور شانوں سے نیچے بال کرنا عورتوں سے خاص اور مرد کو حرام ہے۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ المتشبھین بالنساء.[1]

1: احکام شریعت حصہ اول : ص ۷۱

بال بڑھانا اور دلیل حضرت گیسو دراز سے پکڑنا

عرض :۔ اکثر بال بڑھانے والے لوگ حضرت گیسو دراز کو دلیل لاتے ہیں۔

ارشاد :۔ جہالت ہے۔ نبی ﷺ نے بکثرت احادیث صحیحہ میں ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں سے مشابہت پیدا کریں، اور ان عورتوں پر جو مردوں سے، اور تشبہ کے لئے ہر بات میں پوری وضع بنانا ضرور نہیں، ایک ہی بات میں مشابہت کافی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک عورت کو ملاحظہ فرمایا کہ مردوں کی طرح کندھے پر کمان لٹکائے جارہی ہے۔ اس پر یہی فرمایا کہ ان عورتوں پر لعنت جو مردوں سے تشبہ کریں۔

ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے ایک عورت کو مردانہ جوتا پہنے دیکھا اس پر یہی حدیث روایت فرمائی کہ مردوں سے تشبہ کرنے والیاں ملعون ہیں، جب صرف جوتے یا کمان لٹکانے میں مشابہت موجب لعنت ہے تو عورتوں کے سے بال بڑھانا اس سے سخت تر موجب لعنت ہوگا کہ وہ ایک خارجی چیز ہیں اور یہ خاص جزو بدن ، تو شانوں سے نیچے گیسو رکھنا حکم احادیث صحیحہ ضرور موجبِ لعنت ہے ، اور چوٹی گندھوانا اور زیادہ، اور اس میں مباف ڈالنا اس سے سخت تر، حضرت سیدی محمد گیسو دراز قدس سرہ نے تشبہ نہ کیا تھا، ایک گیسو محفوظ رکھا تھا، اور اس کے لئے ایک وجہ خاص تھی کہ اکابر علماء واجلہ سادات سے تھے، جوانی کی عمر تھی، سادات کی طرح شانوں تک گیسو رکھتے تھے کہ اس قدر شرعاً جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے۔ ایک بار سرِ راہ بیٹھے تھے، حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمتہ اللہ علیہ کی سواری نکلی، انہوں نے اٹھ کر زانوئے مبارک پر بوسہ دیا، حضرت خواجہ نے فرمایا سید! فروتر ک سید اور

نیچے بوسہ دو۔ انہوں نے پائے مبارک پر بوسہ لیا، انہوں نے فرمایا سید فروترک، انہوں نے گھوڑے کے سم پر بوسہ دیا، ایک گیسو کہ رکاب مبارک میں الجھ گیا وہیں رہا اور رکاب سے سم تک بڑھ گیا۔ حضرت نے فرمایا: سید فروترک، انہوں نے ہٹا کر زمین پر بوسہ دیا گیسو رکاب سے جدا کر کے حضرت تشریف لے گئے، لوگوں کو تعجب ہوا کہ ایسے جلیل سید اتنے بڑے عالم نے زانو پر بوسہ دیا اور حضرت راضی نہ ہوئے اور نیچے بوسہ دینے کا حکم فرمایا، انہوں پائے مبارک کو بوسہ دیا اور نیچے کو حکم فرمایا، گھوڑے کے سم کو بوسہ دیا اور نیچے کو حکم فرمایا یہاں تک کہ زمین پر بوسہ دیا۔

یہ اعتراض حضرت گیسو دراز نے سنا تو فرمایا:

لوگ نہیں جانتے کہ میرے شیخ نے ان چار بوسوں میں کیا عطا فرمایا؟ جب میں نے زانوئے مبارک پر بوسہ دیا، عالم ناسوت منکشف ہو گیا، جب پائے اقدس پر بوسہ دیا، عالم ملکوت منکشف ہو گیا، جب گھوڑے کے سم پر بوسہ دیا، عالم جبروت منکشف تھا، جب زمین پر بوسہ دیا، لاہوت کا انکشاف ہو گیا۔

اس ایک گیسو کو کہ ایسی نعمت کی یادگار تھا اور اسے ایسی تجلیٔ رحمت نے بڑھا دیا تھا، نہ ترشوایا۔ اسے تشبہ سے کیا علاقہ؟ عورتوں کا ایک گیسو بڑا نہیں ہوتا نہ اتنا دراز اور اس کے محفوظ رکھنے میں یہ راز۔ اس کی سند حضرت ابو محذورہ کا فعل ہے جب آنحضور ﷺ نے طائف فتح فرمایا۔ اذان ہوئی۔ بچوں نے اس کی نقل کی، ان میں ابو محذورہ بھی تھے۔ ان کی آواز بہت اچھی تھی۔ حضور نے ان کو بلایا، سر پر دستِ مبارک رکھا اور مؤذن مقرر فرمایا۔ ماں نے برکت کے لئے پیشانی کے ان بالوں کو محفوظ کر لیا جس وقت بال کھولے جاتے تھے تو زمین پر آجاتے اسے بھی تشبہ سے کچھ علاقہ نہیں۔ ۱

۱: الملفوظ حصہ دوم: ص ۱۲۷۔ ۱۲۸

طواف قبر و بوسہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بوسہ دینا قبر اولیاء کرام اور طواف کرنا گرد قبر کے اور سجدہ کرنا تعظیماً ازروئے شرع شریف موافق مذہب حنفی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔

بلاشبہ غیر کعبہ معظّمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیرِ خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسۂ قبر علماء کو اختلاف ہے، اور احوط منع ہے۔ خصوصاً مزارات طیبہ اولیاء کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ فاصلہ سے کھڑا ہو، یہی ادب ہے۔ پھر تقبیل کیونکہ متصور ہے؟ یہ وہ ہے جس کا فتوی عوام کو دیا جاتا ہے اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے، **لکل مقام مقال، و لکل مقال رجال، و لکل رجال مجال، لکل مجال منال، نسئال الله أحسن المآل**۔[1]

ا: احکام شریعت: سوم: ۱۵۰

قبر کا اونچا بنانا

عرض :۔ قبر کا اونچا بنانا کیسا ہے ؟

ارشاد :۔ خلاف سنت ہے، میرے والد ماجد، میری والدہ ماجدہ، میرے بھائی کی قبریں دیکھئے ایک بالشت سے اونچی نہ ہونگی۔ ۱

قبرستان میں مردہ کے ساتھ مٹھائی وغیرہ لیجانا

عرض :۔ مردے کے ساتھ مٹھائی قبرستان میں چیونٹیوں میں کے ڈالنے کے لئے لے جانا کیسا ہے ؟

ارشاد :۔ ساتھ لے جانا روٹی کا جس طرح علمائے کرام نے منع فرمایا ہے ویسے ہی مٹھائی ہے اور چیونٹیوں کو اس نیت سے ڈالنا کہ میت کو تکلیف نہ پہنچائیں، یہ محض جہالت ہے اور یہ نیت نہ بھی ہو تو بھی جائے اس کے مساکین صالحین پر تقسیم کرنا بہتر ہے (پھر فرمایا) مکان پر جس قدر چاہیں، خیرات کریں، قبرستان میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ اناج تقسیم ہوتے وقت بچے اور عورتیں وغیرہ غل مچاتے ہیں مسلمانوں کی قبروں پر دوڑتے پھرتے ہیں۔ ۲

۱: الملفوظ : سوم : ۱۰۲   ۲: احکام شریعت : دوم : ۱۴۵، الملفوظ : دوم : ۲۳

مردہ کے نام کا کھانا

مسئلہ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مردہ کے نام کا کھانا جو امیر وغریب کو کھلاتے ہیں، کس کو کھانا چاہیے اور کس کو نہیں ؟

الجواب :۔

مردہ کا کھانا صرف فقراء کے لئے ہے عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے۔ غنی نہ کھائے۔ کما فی فتح القدیر و مجمع البرکات۔

اسقاط

عرض :۔ اسقاط کی حالت میں چند سیر گندم اور قرآن عظیم دیا جاتا ہے، اس میں کل کفارہ ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟

ارشاد :۔ جتنی قیمت قرآن عظیم کی بازار میں ہے اتنے کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔

1 : احکام شریعت : دوم : ۸۹   2 : احکام شریعت : دوم : ۱۴۵

ماہ صفر کے اخیر چہار شنبہ کی رسومات

سوال ہوتا ہے کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ صفر کے اخیر چہار شنبہ کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس روز حضرت محمد ﷺ نے مرض سے صحت پائی تھی۔ بنابر اس کے اس روز کھانا و شرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور جنگل کی سیر کو جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس مختلف جگہوں میں مختلف معمولات ہیں، کہیں اس روز کو نحس و مبارک جان کر گھر کے پرانے برتن گلی توڑ ڈالتے ہیں اور تعویذ و چھلہ چاندی کے اس روز کی صحت بخشی جناب رسول اللہ ﷺ میں مریضوں کو استعمال کراتے ہیں۔ یہ جملہ امور بربنائے صحت پانے رسول اللہ ﷺ عمل میں لائے جاتے ہیں لہذا اصل اس کی شرع میں ثابت ہے کہ نہیں؟ اور فاعل عامل اس کا بربنائے ثبوت یا عدم مرتکب معصیت ہوگا یا قابل ملامت و تادیب؟

الجواب:۔

آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحت یابی حضور سید عالم ﷺ کا کوئی ثبوت، بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارکہ ہوئی اس کی ابتدا اسی دن سے بتائی جاتی ہے اور ایک حدیث مرفوع میں آیا ہے:۔

آخر أربعا من الشهر يوم نحس مستمر۔

اور مروی ہوا، ابتدائی ابتلائے سیدنا ایوب علی نبینا و علیہ الصلوۃ اسی دن تھی، اور اسے نحس سمجھ کر مٹی کے برتن توڑ دینا گناہ و اضاعت مال ہے۔ بہر حال یہ سب باتیں بے اصل و بے معنی ہیں۔ ا

ا: احکام شریعت: اول: ۱۱۰، ۱۱۱

پیر سے پردہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ :۔

(۱) پیر سے پردہ ہے یا نہیں ؟

(۲) ایک بزرگ عورتوں سے بغیر حجاب کے حلقہ کراتے ہیں اور حلقہ کے بیچ میں بزرگ صاحب بیٹھتے ہیں توجہ ایسی دیتے ہیں عورتیں بیہوش ہو جاتی ہیں ، اچھلتی کودتی ہیں اور ان کی آواز مکان سے باہر سنائی دیتی ہے ، ایسا بیعت ہونا کیسا ہے ؟

الجواب :۔

۱ : پیر سے پردہ واجب ہے جبکہ محرم نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲ : یہ صورت محض خلاف شرع و خلاف حیاء ہے ، ایسے پیر سے بیعت نہ چاہئے ۱

۱ : احکام شریعت : اول : ۱۰۹

میلاد خواں کے ساتھ امرد

استفسار کیا جاتا ہے کہ میلاد خواں کے ساتھ اگر امرد شامل ہوں، یہ کیسا ہے؟

فرماتے ہیں : نہیں چاہئے۔۱

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آیات اور سُوَر کا معکوس پڑھنا

عرض :۔ بعض وظائف میں آیات اور سورتوں کا معکوس کر کے پڑھنا لکھا ہے۔

ارشاد :۔ حرام اور اشد حرام، کبیرہ اور سخت کبیرہ قریب کفر ہے، یہ تو در کنار سورتوں کی صرف ترتیب بدل کر پڑھنا، اس کی نسبت تو عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کیا ایسا کرنے والا ڈرتا نہیں کہ اللہ اس کے قلب کو الٹ دے، نہ کہ آیات کو بالکل معکوس کے مہمل بنا دینا۔۲

۱: احکام شریعت : دوم : ۱۴۳، الملفوظ : سوم : ۲۰ ۲: الملفوظ : سوم : ۲۸

صوفیٔ بے علم

فرمایا: صوفیائے کرام فرماتے ہیں:

"صوفی بے علم مسخرہ شیطان است"۔ وہ جانتا ہی نہیں شیطان اسے اپنی باگ ڈور پر لگالیتا ہے، حدیث میں ارشاد ہوا:

المتعبد بغير فقه كالحمار في الطاحون.

"بغیر فقہ کے عابد بننے والا ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا" کہ محنت شاقہ کرے اور حاصل کچھ نہیں۔ پھر فرمایا بغیر علم کے صوفی کو شیطان کچے دھاگے کی لگام ڈالتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے، بعد نماز عصر شیاطین سمندر پر جمع ہوتے ہیں، ابلیس کا تخت بچھتا ہے شیاطین کی کارگزاری پیش ہوتی ہے، کوئی کہتا ہے اس نے اتنی شرابیں پلائیں کوئی کہتا ہے کہ اس نے اتنے زنا کرائے۔ سب کی سنیں، کسی نے کہا اس نے آج فلاں طالب علم کو پڑھنے سے باز رکھا، یہ سنتے ہی تخت پر سے اچھل پڑا اور اس کو گلے سے لگالیا اور کہا أَنْتَ أَنْتَ تو نے کام کیا، تو نے کام کیا، اور شیاطین یہ کیفیت دیکھ کر جل گئے کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے کام کئے ان کو کچھ نہ کہا اور اس کو اتنی شاباش دی۔

ابلیس بولا تمہیں نہیں معلوم جو کچھ تم نے کیا سب اسی کا صدقہ ہے، اگر علم ہوتا تو وہ گناہ نہ کرتے۔ ا

بتاؤ وہ کونسی جگہ ہے جہاں سب سے بڑا عابد رہتا ہے مگر وہ عالم نہیں اور وہاں ایک

ا الملفوظ، سوم: ۳۱۔۳۰

عالم بھی رہتا ہو، انہوں نے ایک مقام کا نام لیا، صبح کو قبل طلوعِ آفتاب شیاطین کو لئے ہوئے اس مقام پر پہنچا اور شیاطین مخفی رہے اور یہ انسان کی شکل بن کر رستہ پر کھڑا ہو گیا، عابد صاحب تہجد کی نماز کے بعد نمازِ فجر کے واسطے مسجد کی طرف تشریف لائے، رستہ میں ابلیس کھڑا ہی تھا، سلام علیکم، وعلیکم السلام، حضرت! مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے، عابد صاحب نے فرمایا: جلدی پوچھو مجھے نماز کو جانا ہے۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹی شیشی نکال کر پوچھا اللہ تعالی قادر ہے کہ ان سماوات وارض کو اس چھوٹی سی شیشی میں داخل کر دے؟ عابد نے سوچا اور کہا کہاں آسمان وزمین اور کہاں یہ چھوٹی سی شیشی؟ بولا بس یہی پوچھنا تھا، تشریف لے جایئے اور شیاطین سے کہا دیکھو میں نے اس کی راہ ماردی، اس کو اللہ کی قدرت پر ہی ایمان نہیں، عبادت کس کام کی؟

طلوعِ آفتاب کے قریب عالم صاحب جلدی کرتے ہوئے تشریف لائے۔ اس نے کہا السلام علیکم، وعلیکم السلام، مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے، انہوں نے فرمایا پوچھو جلدی پوچھو، نماز کا وقت کم ہے۔ اس نے وہی سوال کیا، فرمایا: ملعون تو ابلیس معلوم ہوتا ہے، ارے وہ قادر ہے کہ یہ شیشی تو بہت بڑی ہے اس ایک سوئی کے ناکے کے اندر اگر چاہے تو کروڑوں آسمان اور زمین داخل کر دے۔ إن الله على كل شي قدير۔

عالم کے تشریف لے جانے کے بعد شیاطین سے بولا دیکھا، یہ علم ہی کی برکت ہے۔

ا: الملفوظ: سوم: ۳۲

گن کیا اڑانا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ گن کیا اڑانا جائز ہے یا نہیں ؟اور اس کی ڈور لوٹنا درست ہے یا نہیں اگر اس کی لوٹی ہوئی ڈور سے کپڑا سلوا کر نماز پڑھے تو اس کی نماز میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا ؟

الجواب:

گن کیا اڑانا لہو ولعب ہے اور لہو ناجائز ہے۔

حدیث میں ہے : **کل لھو المسلم حرام الا فی ثلاث.**

لوٹنا نہبی ہے نہبی حرام ہے۔ نھی رسول اللہ ﷺ عن النھبی۔

"رسول اللہ ﷺ نے لوٹنے سے منع فرمایا" لوٹی ہوئی ڈور کا مالک اگر معلوم ہو تو فرض ہے اسے دے دی جائے، اگر نہ دی جائے اور بغیر اس کی اجازت کے اس سے کپڑا سیا تو اس کپڑے کا پہننا حرام ہے، اور اسے پہن کر نماز مکروہ تحریمی ہے، جس کا پھیرنا واجب ہے۔ الخ ا

ا: احکام شریعت حصہ اول : ۱۸

فاتحہ، گیارہویں کا طریقہ

فرماتے ہیں :-

"فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے، جو کچھ قرآن مجید، درود شریف سے ہو سکے پڑھ کر ثواب نذر کرے اور ہمارے خاندان کا معمول یہ ہے کہ سات بار درود غوثیہ پھر ایک بار الحمد شریف، و آیۃ الکرسی، پھر سات بار سورہ اخلاص، پھر تین بار درود غوثیہ، درود غوثیہ یہ ہے :-

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد معدن الجود و الکرم و علی آله و بارك و سلم .ا

ایک اور موقع پر اسی سوال کے جواب میں فرمایا :-

"مسلمانوں کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے و غیرہ کے ساتھ پہنچاتے ہیں۔ عرف میں اسے فاتحہ کہتے ہیں کہ اس میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ اولیائے کرام کو جو ایصال ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔ سورۂ فاتحہ و آیۃ الکرسی اور تین بار یا سات بار یا گیارہ بار سورہ اخلاص اول آخر ۳۔ ۳بار درود شریف پڑھیں، اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کرے کہ الٰہی! میرے اس پڑھنے (اور اگر کھانا کپڑے وغیرہ بھی ہوں تو ان کا بھی نام شامل کرے اور اس پڑھنے اور ان چیزوں کے دینے پر) جو ثواب مجھے عطا ہوا، اسے میرے عمل کے لائق نہ

ا: احکام شریعت : اول : ۱۵۷

دے، اپنے کرم کے لائق عطا فرما اور اسے میری طرف سے فلاں ولی اللہ مثلاً حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں نذر پہنچا اور ان کے آبائے کرام اور مشائخ عظام و اولاد و امجاد و مریدین و محبین اور میرے ماں باپ اور فلاں فلاں اور سیدنا آدم علیہ السلام سے روز قیامت تک جتنے مسلمان ہو گزرے ہیں یا موجود ہیں یا قیامت تک ہوں گے سب کو"۔ا

ا: احکام شریعت حصہ اول: ۶۷

سوئم کی فاتحہ کے چنوں کا حکم

سوال :۔ کیا حکم ہے علمائے اہل سنت کا اس مسئلہ میں کہ چنوں پر جو سوئم کی فاتحہ کے قبل کلمہ طیبہ پڑھا جاتا ہے، ان کے کھانے کو بعض شخص مکروہ جانتے ہیں، اور کہتے ہیں قلب سیاہ ہوتا ہے، آیا یہ صحیح ہے ؟ اگر صحیح ہے تو ان کو کیا کرنا چاہیے ؟ اسی طرح فاتحہ کے کھانے کو جو عام لوگوں کی ہوتی ہے کہتے ہیں۔ ایک موضع میں ان سوئم کے پڑھے ہوئے چنوں کو مسلمان اپنا اپنا حصہ لیکر مشرک چماروں کو دے دیتے ہیں، وہاں بھی یہی رواج ہمیشہ سے چلا آتا ہے لہذا ان کلمہ طیبہ پڑھے ہوئے چنوں کو مشرک چماروں کو دینا چاہیۓ یا نہیں ؟

الجواب :۔

یہ چیزیں غنی نہ لے فقیر لے اور وہ جو ان کا منتظر رہتا ہے، ان کے ملنے سے خوش ہوتا ہے، اس کا قلب سیاہ ہوتا ہے، مشرک یا چمار کو ان کا دینا گناہ، گناہ، گناہ۔ فقیر لیکر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں اور لے لیئے ہوں تو مسلمان فقیر کو دیدے، یہ حکم عام فاتحہ کا ہے، نیاز اولیائے کرام طعامِ موت نہیں وہ تبرک ہے، فقیر و غنی سب لیں جبکہ مانی ہوئی نذر بطور نذر شرعی نہ ہو، شرعی نذر پھر غیر فقیر کو جائز نہیں۔

فاتحہ کا طریقہ کوئی ایک ضروری نہیں

سوال:۔ عمرو اگر فاتحہ کھانے پر اور قبروں پر ہر دو جگہ اول تین بار قل بعد سورہ فاتحہ بعد سورہ بقرہ کا پہلا رکوع پڑھ کر ثواب حضور پر نور محمد رسول اللہ ﷺ و حضرت غوث پاک قدس سرہ کو ثواب بخشے تو جائز ہے یا نہیں اور زید فرماتے ہیں کہ کھانے پر دوسری طرح سے فاتحہ پڑھنا چاہئے آیا اگر ایک ہی طرح سے فاتحہ عمرو پڑھتا ہے تو درست ہے یا نہیں اور اس کا ثواب بزرگان دین اور اہل قبور کو پہنچتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ زید کا قول غلط ہے، فاتحہ ایصالِ ثواب ہے، جس طرح ہو درست ہے، کھانے پر کوئی دوسرا طریقہ ہو قبر پر اور تعین کہیں نہیں۔ ہاں ایک بات یہاں واجب اللحاظ ہے، سوال میں حضور اقدس ﷺ و حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے لئے ثواب بخشنا لکھا ہے، یہ لفظ بہت بے جا ہے، بخشنا بڑوں کی طرف سے چھوٹوں کو ہوتا ہے، یہاں نذر کرنا کہنا چاہے یعنی سرکاروں میں ثواب نذر کرے۔ ا

ا: فتاوی افریقہ از فاضل بریلوی ' مطبوعہ بریلی : ۱۶۰

بزرگوں کے اعراس میں افعالِ شنیعہ

عرض :۔ حضور! بزرگانِ دین کے اعراس میں جو افعال ناجائز ہوتے ہیں ان سے ان حضرات کو تکلیف ہوتی ہے؟

ارشاد :۔ بلاشبہ ، اور یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے بھی توجہ کم فرمادی ورنہ پہلے جس قدر فیوض ہوتے تھے وہ اب کہاں؟ ۱

☆☆☆☆☆

امام ضامن کا پیسہ

عرض :۔ امام ضامن کا جو پیسہ باندھا جاتا ہے اس کی کوئی اصل ہے؟

ارشاد :۔ کچھ نہیں۔ ۲

۱: الملفوظ : سوم : ۵۹ ۲: الملفوظ : سوم : ۵۸

شادی کے گانے باجے

عرض :۔ حضور نوشہ کا وقتِ نکاح سہرا باندھنا نیز باجے گاجے سے جلوس کے ساتھ نکاح کو جانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

ارشاد :۔ خالی پھولوں کا سہرا جائز ہے اور یہ باجے جو شادی میں رائج و معمول ہیں، سب ناجائز و حرام ہیں۔ ۱

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عورتوں کا بغیر محرم کے حج کو جانا

عرض :۔ حضور! ایک بی بی تنہا حج کرنا چاہتی ہیں اور سفر خرچ قلیل اور خود علیل، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

ارشاد :۔ عورت کو بغیر محرم حج کو جانا جائز نہیں۔ ۲

۱: الملفوظ : اول : ۵۰ ۲: الملفوظ : اول : ۱۳۸

تاش وشطرنج

مسئلہ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔ تاش وشطرنج کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ دونوں ناجائز ہیں اور تاش زیادہ گناہ وحرام کہ اس میں تصاویر بھی ہیں :۔

ومسألة الشطرنج مبسوطة فی الدر وغیرها من الخطر و الشهادات و الصواب إطلاق المنع كما أوضحه فی رد المحتار. و الله أعلم. [1]

1: احکام شریعت ، حصہ سوم : ۱۴۹

خیرات کی چیزیں اوپر سے پھینکنا اور لوگوں کا ان کو لوٹنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل لوگ خیرات اس قسم کی کرتے ہیں کہ چھتوں اور کوٹھوں پر سے روٹیاں اور ٹکڑے روٹیوں کے اور بسکٹ وغیرہ پھینکتے ہیں اور صدہا آدمی ان کو لوٹتے ہیں، ایک کے اوپر ایک گرتا ہے بعض کے چوٹ لگ جاتی ہے اور وہ روٹیاں نیچے زمین میں گر کر پاؤں سے روند جاتی ہیں بلکہ بعض اوقات غلیظ نالیوں میں بھی گرتی ہیں اور رزق کی سخت بے ادبی ہوتی ہے اور یہی حال شربت کا ہے کہ اوپر سے آبخوروں میں وہ لوٹ مچائی جاتی ہے کہ آدھا آبخورہ بھی شربت کا باقی نہیں رہتا اور تمام شربت گر کر زمین پر بہتا ہے ایسی خیرات اور لنگر جائز ہے یا بوجہ رزق کی بے ادبی کے گناہ ہے۔

الجواب:۔

یہ خیرات تو نہیں شر ور و سیئات ہے۔ نہ ارادہ وجہ اللہ کی یہ صورت ہے بلکہ دکھاوے کی اور وہ حرام ہے، اور رزق کی بے ادبی اور شربت کا ضائع کرنا گناہ ہیں۔ ۱

۱: احکام شریعت : ۶۲

رافضیوں کی مجلس میں جانا،
مرثیے سننا، سیاہ کپڑے وغیرہ پہننا

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ رافضیوں کی مجلس میں مسلمانوں کا جانا اور مرثیہ سننا ان کی نیاز کی چیز لینا خصوصاً آٹھویں محرم کو جبکہ ان کے یہاں حاضری ہوتی ہے کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ محرم میں بعض مسلمان ہرے رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں اور سیاہ کپڑوں کی بابت کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ جانا اور مرثیہ سننا حرام ہے، ان کی نیاز کی چیز نہ لی جائے ان کی نیاز نیاز نہیں، اور وہ غالباً نجاست سے خالی نہیں ہوتی کم از کم ان کے ناپاک قلتین کا پانی ضرور ہوتا ہے اور وہ حاضری سخت ملعون ہے اور اس میں شرکت موجبِ لعنت، محرم میں سیاہ اور سبز کپڑے علامت سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے خصوصاً سیاہ کہ شعار رافضیانِ لئام ہے۔[1]

1: احکام شریعت : اول : 71

عشرہ محرم میں دن کو روٹی نہ پکانا، جھاڑو نہ دینا، شادی بیاہ نہ کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وخلیفہ مرسلین مسائل ذیل میں :۔

ا۔ بعض اہل سنت وجماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو دیتے ہیں، کہتے ہیں بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔

۲۔ ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔

۳۔ ماہ محرم میں کوئی شادی بیاہ نہیں کرتے۔

۴۔ ان ایام میں سوائے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کسی کی نیاز فاتحہ نہیں دلاتے ہیں، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب :۔

پہلی تین باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے اور چوتھی بات جہالت ہے، ہر مہینے میں ہر تاریخ ہر ولی کی نیاز اور ہر مسلمان کی فاتحہ ہو سکتی ہے۔ ا

ا : احکام شریعت : اول : ۱۷

خاتونِ جنت کا قیامت میں
برہنہ سر و برہنہ پا آنا

خاتونِ جنت بتول زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی نسبت یہ بیان کرنا کہ روز محشر وہ برہنہ سر و پا ظاہر ہونگی اور امام حسین و امام حسن رضی اللہ تعالی عنہما کے خون آلودہ اور زہر آلود کپڑے کاندھے پر ڈالے ہوئے اور نبی ﷺ کا دندان مبارک جو جنگ احد میں شہید کیا گیا تھا، ہاتھ میں لئے ہوئے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں گی اور عرش کا پایہ پکڑ کر ہلائیں گی اور خون کے معاوضہ میں امت عاصی کو بخشوائیں گی صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :

یہ سب جھوٹ اور افتراء اور کذب اور گستاخی اور بے ادبی ہے۔ مجمعِ اولین و آخرین میں ان کا برہنہ سر تشریف لانا جن کو برہنہ سر کبھی آفتاب نے بھی نہ دیکھا؟ وہ کہ جب صراط پر گزر فرمائیں گی زیرِ عرش سے منادی ندا کرے گا: "اے اہل محشر! اپنے سر جھکالو اور اپنی آنکھیں بند کرلو کہ فاطمہ بنتِ محمد ﷺ گزر فرماتی ہیں، پھر وہ نورِ الٰہی ایک برق کی طرح ستر ہزار حوریں جلو میں لئے ہوئے گزر فرمائے گا۔[۱]

۱: احکام شریعت: دوم: ۸۲

بچوں کے سر پر اولیاء کے نام کی چوٹی رکھنا

اور اگر وہ مقصود جو بعض جاہل عورتوں میں دستور ہے کہ بچے کے سر پر بعض اولیائے کرام کے نام کی چوٹی رکھتی ہیں اور اس کی کچھ میعاد مقرر کرتی ہیں، اس میعاد تک کتنے ہی بار بچے کا سر منڈے وہ چوٹی بر قرار رکھتی ہیں، پھر میعاد گزار کر مزار پر لے جاکر وہ بال اتارتی ہیں تو یہ ضرور محض بے اصل وبدعت ہے۔ ا

ا: فتاوی افریقہ : ۲۸

داستانِ امیر حمزہ اور عمر و عیار

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ داستان امیر حمزہ میں جو عمر و عیار کا ذکر ہے یہ عمر و کون ہیں اور ان کی نسبت اس لفظ کا اطلاق کیسا ہے ؟

الجواب :-

سیدنا عمرو بن عمر ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہیں۔ فیضی بے فیض نے جب داستان حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھڑی، اس میں جہاں صدہا کار ناشائستہ و اطوار نابائستہ مثلاً مہر نگار، دختر نوشیرواں پر فریفتہ ہو کر راتوں کو اس کے محل پر کمند ڈال جانا اور معاذ اللہ صحبتیں گرم رکھنا، عمِ مکرم حضور پر نور سید عالم ﷺ اسد اللہ واسد رسولہ سیدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت کے یونہی ہزار ہا شہد پن اور مسخرگی کے بیہودہ جتن ان صحابی جلیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب منسوب کر دیئے، اور انہیں معاذ اللہ عیار زود و طرار کے لقب دیکر بہ حیلہ داستان جاہل بیچارے تبرائی بنائے، یہ اس مردک کی ناپاک بے باکی اور بے باک ناپاکی اور خدا اور سول پر سخت جرأت تھی، مسلمانوں کو ان شیطانی قصوں خصوصاً ان ناپاک لفظوں سے احتراز لازم ہے۔[۱]

۱: احکام شریعت : سوم : ۲۱۴۔۲۱۵

بعد وصال

خواب میں کسی بزرگ کی تعلیم کا معیار

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو بزرگ عالمِ حیات میں اپنے معتقدوں کو تعلیم دیتے ہیں، اگر بعد وصال کے بھی خواب میں تعلیم کریں تو اس پر یعنی خواب کی باتوں پر شرع کی رو سے چلنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ اچھے خواب پر عمل خوب ہے، اور اچھا وہ کہ موافق شرع ہو۔ ۱

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت علی مرتضٰی کا لال کافر کو مارنے کا واقعہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لال کافر کو مارا اور وہ بھاگا اور ہنوز زندہ ہے، آیا اس کی خبر حدیث سے ہے اور کب تک زندہ رہے گا اور پھر ایمان لائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ بے اصل ہے۔ ۲

ا۔۲: احکام شریعت: دوم: ۹۲

مختلف درختوں اور طاقوں میں شہید مردوں کا تصور ان کی فاتحہ اور ان سے مرادیں مانگنا

مسئلہ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت اس صورت میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں اور فلانے طاق میں شہید مرد رہتے ہیں، اور اس درخت اور اس طاق کے پاس جاکر ہر جمعرات کو فاتحہ شیرینی اور چاول وغیرہ پر دلاتے ہیں، ہار لٹکاتے ہیں، لوبان سلگاتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں اور ایسا دستور اس شہر میں بہت جگہ واقع ہے، کیا شہید مردان درختوں اور طاقوں میں رہتے ہیں اور یہ اشخاص حق پر ہیں یا باطل پر؟

الجواب :۔

یہ سب واہیات وخرافات اور جاہلانہ حماقات وبطالات ہیں ان کا ازالہ لازم۔

ما أنزل الله بها من سلطان ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم۔[1]

۱: احکام شریعت : اول : ۳۲

قبر کے سرہانے اجرت پر تلاوت کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ بعد دفن کر دینے میت کے حافظ قرآن کو اس کی قبر پر واسطے تلاوت سوم تک یا کچھ کم و بیش بٹھاتے ہیں اور حافظ اپنی اجرت لیتے ہیں پس اس طرح کی اجرت دیکر قبروں پر پڑھوانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب :۔ تلاوتِ قرآن عظیم پر اجرت لینا دینا حرام ہے اور حرام پر استحقاق عذاب ہے نہ کہ ثواب۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ حافظ کو اتنے دنوں کے لئے معین داموں پر کام کاج کے لئے نوکر رکھ لیں اور پھر اس سے کہیں ایک کام یہ کرو کہ اتنی دیر قبر پر پڑھ آیا کرو، یہ جائز ہے۔ ۱

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

افیون کی تجارت

علمائے اسلام و مفتیان اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ افیون کی تجارت اور اس کی دکان کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔

افیون کی تجارت دوا کے لئے جائز ہے اور افیونی کے ہاتھ بیچنا ناجائز ہے لأن المعصیة تقوم بعینه و کل ما کان کذلك کره بیعه کما فی تنویر الأبصار. ۲

۱: احکام شریعت: اول: ۶۳ ۲: احکام شریعت: دوم: ۱۰۹

محفل میلاد میں قیام کا حقیقی سبب

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے قیامِ میلاد شریف اگر مطلقاً ذکر خیر کی وجہ سے کیا جاتا ہے تو اول وقت سے کیوں نہیں کیا جاتا ؟ اس لئے کہ اول سے ذکر خیر ہی ہوتا ہے اور اگر اس خیال سے کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ رونق افروز ہوتے ہیں تو کیا حضور ﷺ اول وقت سے رونق افروز ہوتے ؟ اگر ہوتے ہیں تو ابتدائے مجلس مبارک قیام ہی سے کیوں نہیں ہوتا اور اگر نہیں کیا تو **فظهر فولد** ﷺ ہی کے وقت جلوہ افروز ہوتے اور تا قیام تشریف فرما رہتے اور فورا لوگوں کے بیٹھتے ہی تشریف لے جاتے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا آنا لوگوں کے قیام و نیز میلاد خواں کے **فظهر فولد** کہنے پر موقوف ہے، کیا زید کا یہ کہنا لغو ہے یا نہیں ؟ اور اس کا کافی جواب کیا ہے ؟

الجواب :۔ زید کی یہ سب حماقتیں جہالتیں سفاہتیں ہیں، مہمل و لایعنی شقوق اپنی طرف سے ایجاد کئے اور جو وجہ حقیقی ہے اس کی طرف اسے ہدایت نہ ہوئی، تعظیم ذکر اقدس مثل تعظیم ذاتِ انور ہے (ﷺ) تعظیمِ ذات باختلاف حالات مختلف ہوتی ہے معظم کے قدوم کے وقت قیام کیا جاتا ہے اور اس کے حضور کے وقت باادب اس کے سامنے بیٹھنا تعظیم ہے ذکر شریف میں بھی ذکرِ قدوم کی تعظیم قیام سے ہے، اور باقی وقت کی تعظیم باادب قعود ہے۔ (احکام شریعت : دوم : ۹۶)

ا : یاد رہے کہ اس سے مقصود روح کائنات ﷺ کی روحانیت مقدسہ اور نورانیت منورہ کی ہر جگہ موجودگی سے انکار ہرگز نہیں ہے، وہ مسلہ اپنی جگہ برحق ثابت اور علمائے اہل سنت بالخصوص فاضل بریلوی کے نزدیک مسلمہ ہے، اس سے صرف اس جاہلانہ نظریے کی تغلیط مقصود ہے کہ قیام شاید اسی لئے کیا جاتا ہے کہ حضور انور کی اس وقت تشریف آوری ہوتی ہے۔ (فاروق القادری)

روزِ قیامت

ہر مسلمان کی قبر براق بھجوانے کی روایت

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے شبِ معراج براق پر سوار ہوتے وقت اللہ تعالیٰ سے وعدہ لیا ہے کہ روزِ قیامت جبکہ سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے ہر ایک مسلمان کی قبر پر اسی طرح ایک ایک براق بھیجوں گا جیسا کہ آج آپ کے واسطے بھیجا گیا ہے۔

الجواب :۔

بے اصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ا

ا: احکام شریعت : دوم : ۸۲

کبوتر اڑانا، پالنا، مرغبازی، بٹیر بازی، کن کیابازی کرنا، اور ایسے لوگوں کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کبوتر اڑانا اور پالنا اور مرغ بازی، بٹیر بازی، کن کیابازی، اور فروخت کرنا کنکیا اور ڈور اور مانجھا جائز ہے یا ناجائز؟ اور ان لوگوں سے سلام علیک کرنا اور سلام کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :۔

کبوتر پالنا جائز ہے جبکہ دوسروں کے کبوتر نہ پکڑے اور کبوتر اڑانا کہ گھنٹوں انہیں اترنے نہیں دیتے، حرام ہے اور مرغ یا بٹیر کا لڑانا حرام ہے، ان لوگوں سے ابتداء سلام نہ کی جائے، جواب دے سکتے ہیں، واجب نہیں، کنکیا اڑانے میں وقت و مال کا ضائع کرنا ہوتا ہے یہ بھی گناہ ہے اور گناہ کے آلات کنکیا ڈور بیچنا بھی منع ہے اصرار کریں تو ان سے بھی ابتداء بہ سلام نہ کی جائے۔[1]

1: احکام شریعت : سوم :۱۵۶

سچے مجذوب کی پہچان

عرض: حضور! سچے مجذوب کی کیا پہچان ہے؟

ارشاد: سچے مجذوب کی پہچان یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ کا کبھی مقابلہ نہ کرے گا۔ حضرت سیدی موسیٰ سہاگ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ مشہور مجاذیب سے تھے، احمد آباد میں مزار شریف ہے، میں زیارت سے مشرف ہوا ہوں، زنانہ وضع رکھتے تھے، ایک بار قحط شدید پڑا، بادشاہ و قاضی واکابر جمع ہو کر حضرت کے پاس دعا کے لئے گئے، انکار فرماتے رہے کہ میں کیا دعا کے قابل ہوں۔ جب لوگوں کی آہ وزاری حد سے گزری، ایک پتھر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ کی چوڑیوں کی طرف لائے اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر فرمایا: مینہ بھیجئے یا اپنا سہاگ لیجئے!

یہ کہنا تھا کہ گھٹائیں پہاڑ کی طرح اُمڈیں اور جل تھل بھر دیئے۔

ایک دن بازار میں جا رہے تھے، ادھر سے قاضی شہر کہ جامع مسجد کو جاتے تھے، نے انہیں دیکھ کر امر بالمعروف کیا کہ یہ وضع مردوں کو حرام ہے، مردانہ لباس پہنئے اور نماز کو چلئے، اس پر انکار و مقابلہ نہ کیا، چوڑیاں اور زیور اور زنانہ لباس اتارا اور مسجد کو ساتھ ہو لئے، خطبہ سنا جب جماعت قائم ہوئی اور تکبیر تحریمہ کہی اللہ اکبر سنتے ہی ان کی حالت بدلی۔

فرمایا: اللہ اکبر! میرا خاوند حی لا یموت ہے کہ کبھی نہ مرے گا اور یہ مجھے بیوہ کیے دیتے ہیں۔ اتنا کہنا تھا کہ سر سے پاؤں تک وہی سرخ لباس تھا اور وہی چوڑیاں، اندھی تقلید کے طور پر ان کے مزار کے بعض مجاوروں کو دیکھا کہ اب تک بالیاں کڑے جوشن پہنتے ہیں، یہ گمراہی ہے، صوفی صاحبِ تحقیق اور ان کا مقلد زندیق۔ ۱

۱: الملفوظ حصہ دوم: ۱۰۹

سچے وجد کی پہچان

عرض :۔ سچے وجد کی پہچان کیا ہے ؟

ارشاد :۔ یہ کہ فرائض وواجبات میں مخل نہ ہو، حضرت سید ابوالحسن احمد نوری پر وجد طاری ہوا تین شبانہ روز گزر گئے، حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالی عنہ کے ہم عصر تھے، کسی نے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ حالت عرض کی، فرمایا نماز کا کیا حال ہے ؟ عرض کی نمازوں کے وقت ہوشیار ہو جاتے ہیں اور پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، فرمایا : الحمد للہ ان کا وجد سچا ہے۔ اس کے بعد فرمایا : عقل تک نماز باقی ہے، کسی وقت میں معاف نہیں۔ رمضان شریف کے روزے حالت سفر میں یا مرض میں کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، اجازت ہے کہ قضاء کرے، اسی طرح زکوۃ صاحب نصاب پر اور حج صاحبِ استطاعت پر فرض ہے لیکن نماز سب پر بہر حال فرض ہے، یہاں تک کہ کسی حاملہ عورت کے نصف بچہ پیدا ہو لیا ہے اور نماز کا وقت آگیا تو ابھی نفساء نہیں ہے۔ حکم ہے کہ گڑھا کھودے یا دیگ پر بیٹھے اور اس طرح نماز پڑھے کہ بچے کے تکلیف نہ ہو یا بیمار ہے، کھڑے ہونے کی طاقت نہیں، تو جتنی دیر ممکن ہو قیام فرض ہے اگر چہ اسی قدر کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہہ لے اور بیٹھ جائے، اگر بیٹھ بھی نہ سکے تو لیٹے لیٹے اشاروں سے پڑھے، حضور ﷺ نماز کی کثرت فرماتے یہاں تک کہ پائے مبارک سوج جاتے۔ صحابہ کرام عرض کرتے حضور! اس قدر تکلیف کرتے ہیں ؟ مولا تعالیٰ نے حضور کو ہر طرح کی معافی عطا فرمائی ہے۔ فرماتے : أفلا أكون عبدا شكورا " تو کیا میں کامل شکر گزار بندہ نہ بنوں ؟" یہاں تک کہ رب عزوجل نے خود ہی بکمالِ محبت ارشاد فرمایا : ﴿ طٰهٰ ما أنزلنا عليك القرآن لتشقى ﴾ " اے چودھویں رات کے چاند! ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو، " غرض نماز مرتے وقت تک معاف نہیں، رب عزوجل فرماتا ہے ﴿ واعبد ربك حتى يأتيك اليقين ﴾ (الملفوظ : دوم : ۱۰۹)

اعراس میں

جب تک مزامیر ہوں شامل نہ ہونا چاہیے

عرض :۔ حضور بزرگانِ دین کے اعراس پر مزامیر ہوتے ہیں جب تک مزامیر ہوں اس وقت تک نہ جائے، اور مزامیر کے بعد قل میں شریک ہونے کے واسطے جاسکتا ہے یا نہیں ؟

ارشاد :۔ جاسکتا ہے ،امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب بلوائیوں نے بلوہ کیا، تمام مدینہ منورہ میں ان کا شور تھا، امیر المؤمنین کے مکان کو گھیرے ہوئے تھے، نماز بھی وہی پڑھاتے تھے ،سوال ہوا کہ ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے یا نہیں ؟ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جب برائی کریں تو ان سے علیٰحدہ رہو اور جب بھلائی کریں تو ان کے شریک ہو۔ ا

اگر صاحبِ سجادہ بد مذہب ہو

عرض :۔ حضور اگر صاحب سجادہ بد مذہب ہو۔

ارشاد :۔ اگر صاحبِ سجادہ کے پاس جانا چاہتے ہیں تو نہ جائیے اور صاحب مزار کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں تو جائیے۔

ا۔۲ : الملفوظ : سوم : ۶۔۷

نعرہ یارسول اللہ، یا علی مشکل کشا

یاولی اللہ کی حقیقت

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کہنا یارسول اللہ، یاولی اللہ کا جائز ہے یا نہیں ؟ اور مدد چاہنا پیغمبران اور ولی اللہ سے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو یا مشکل کشا علی وقت مصیبت کے کہنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ جائز ہے جبکہ انہیں بندۂ خدا اور اس کی بارگاہ میں وسیلہ جانے اور انہیں باذن الٰہی ﴿ و المدبرات أمرا﴾ سے مانے اور اعتقاد کرے کہ بے حکم خدا ذرہ نہیں ہل سکتا اور اللہ عزوجل کے دیئے بغیر کوئی ایک حبہ نہیں دے سکتا ایک حرف نہیں سن سکتا، پلک نہیں ہلا سکتا اور بیشک سب مسلمانوں کا یہی اعتقاد ہے، اس کے خلاف کا ان پر گمان محض بدگمانی و حرام ہے اور ایسے سچے اعتقاد کے ساتھ ندا کرنا بلاشبہ جائز ہے۔ جامع ترمذی شریف وغیرہ کی حدیث میں ہے خود سید عالم ﷺ نے ایک نابینا کو یہ دعا تلقین فرمائی کہ نماز کے بعد یوں کہے :

یامحمد إني أتوجه بك إلى ربي في حاجتي هذه ليقضى لي.

"یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اپنی حاجت میں منہ کرتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو"، اور بعض روایات میں ہے لتقضى لي یارسول اللہ! تاکہ حضور میری یہ حاجت پوری فرمادیں۔ ان نابینا نے بعد نماز یہ دعا کی فوراً آنکھیں کھل گئیں۔

طبرانی وغیرہ کی حدیث میں ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں حضرت عثمان بن حنیف صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دعا ایک صحابی یا تابعی کو بتائی، انہوں نے بعد نماز یونہی ندا کی کہ یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اس حاجت میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہوں، ان کی حاجت بھی پوری ہوئی۔

علماء ہمیشہ اسے قضائے حاجت کے لئے لکھتے آئے۔ نیز حدیث میں ہے:

إذا أراد عوناً فلينادِ أعينوني يا عباد الله!

"جب استعانت کرنا اور مدد لینا چاہے تو یوں پکارے میری مدد کرو اے اللہ کے بندو!"

فتاوی خیریہ میں ہے:

قولهم يا شيخ عبد القادر نداء فما الموجب لحرمته.

"یا شیخ عبدالقادر کہنا نداء ہے۔ اس کی حرمت کا سبب کیا ہے؟" ۱

۱: احکام شریعت: اول: ۲، ۳

مرد کو سونا، چاندی، پیتل، کانسہ وغیرہ کی انگوٹھی، بٹن یا گھڑی پہننا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سونے چاندی پیتل کانسہ وغیرہ کی انگوٹھی یا بٹن یا گھڑی کی زنجیر مرد کو پہننا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :-

چاندی کی انگوٹھی ایک نگ کی ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی مرد کو پہننا جائز ہے اور دو انگوٹھیاں یا کئی نگ کی ایک انگوٹھی یا ساڑھے چار ماشہ خواہ زائد چاندی کی اور سونے کانسے پیتل لوہے تانبے کی، مطلقاً ناجائز ہیں، گھڑی کی زنجیر سونے کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی ممنوع ہے اور جو چیزیں ممنوع کی گئی ہیں ان کو پہن کر نماز اور امامت مکروہ تحریمی ہیں۔ا

ا: احکام شریعت : دوم :۱۰۱

سونے چاندی کی گھڑیاں رکھنا یا سیم وزر کے چراغ میں بغرضِ اعمال فتیلہ روشن کرنا

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چاندی سونے کی گھڑیاں رکھنا یا سیم وزر کے چراغ میں بغرض اعمال فتیلہ روشن کرنا جس سے روشنی لینا کہ مقصود متعارف چراغ ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ قوتِ عمل وسرعت اثر تنبیہ مؤکلات مقصود ہوتی ہے جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔

دونوں ممنوع ہیں علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں :۔

قال العلامة ألواني المنهى عنه استعمال الذهب و الفضة إذا الأصل في هذا الباب قوله عليه السلام: هذان حرامان على أمتي حل لأناثهم.

و لما بين أن المراد عن قوله حل لأناثهم ما يكون حليا لهن بقي ما عداه على حرمته سواء استعمل بالذات أو بالواسطة اه، أقره العلامة نوع و أيده بإطلاق الحديث الوارد فى هذا الباب أه أبو السعود و منه تعلم حرمة استعمال ظروف فناجين القهوة، و الساعات من الذهب و الفضة اه.

علامہ شامی رد المحتار میں ان تصریحاتِ علامہ طحطاوی کو ذکر کے فرماتے ہیں ”و هو ظاهر“ اسی میں ہے :۔

الذى كله فضة يحرمه استعماله بأي وجه كان، كما قدمناه، و بلامس بالجدرله أحرم إيقاد العود فى مجمرة الفضة، و مثله بالأولىٰ ظروف فنجان

القهوة،و الساعة، و قدرة التبناك التی یوضع فیها الماء، و إن کان لایمسها بیده، و لا یضمه لأنه استعمال فیما صنعت له.

اور یہ عذر کہ چراغ استصباح یعنی روشنی لینے کے لئے ہوتا ہے اور یہاں اس نیت سے مستعمل نہیں تو جواز چاہیے۔ لما في در المختار أن هذا إذا استعملت ابتداء فيما صنعت له بحسب متعارف الناس و إلا كراهة مقبول ہے کہ اولا عند التحقیق مطلق استعمال ممنوع ہے اگرچہ خلافِ متعارف هو لإطلاق الحديث و الأدلة كما مر کٹوراپانی پینے کے لئے بنتا ہے اور رکابی کھانا کھانے کو، پھر کوئی نہ کہے گا کہ چاندی سونے کے کٹورے میں پانی پینایا اس کی رکابی میں کھانا کھانا جائز ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں :۔

ما ذكره في الدر من إناطة الحرمة بالاستعمال فيما صنعت له عرفا فيه نظر، فإنه يقتضي أنه لو شرب أو اغتسل بآنية الدين أو الطعام أنه لا يحرم مع ذلك استعمال بلاشبهة داخل تحت إطلاق المتون و الأدلة الواردة في ذلك الخ.

ثانیا : استصباح چراغ خانہ سے مقصود ہوتا ہے، یہ چراغ اس غرض کے لئے بنتا ہی نہیں اور جس غرض کے لئے بنتا ہے اس میں استعمال قطعا متحقق، تو استعمال فيما وضع له موجود ہے اور حکمِ تحریم سے مفر مفقود، ہاں اگر سونے کا ملمع یا چاندی کی قلعی کرلیں تو کچھ حرج نہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں :۔

أما التموية الذي لايخلص فلا بأس به بالإجماع لأنه ستهلك فلا عبرة ببقائه لو نا. والله أعلم.[1]

1: احکام شریعت : سوم : ۱۹۰۔۱۹۱

میت کے روز عورتوں کا جمع ہونا اور شادی کی طرح کئی دن ان کا وہاں ٹھہرنا اور کھانے پینے پان چھالیہ کا اہل میت پر بار ڈالنا

مسئلہ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر بلادِ ہند میں یہ رسم ہے کہ میت کے روز وفات سے اس کے اعزہ واقارب واحباب کی عورات اس کے یہاں جمع ہوتی ہیں اس اہتمام کے ساتھ جو شادی میں کیا جاتا ہے، پھر کچھ دوسرے دن اکثر تیسرے دن واپس آتی ہیں، بعض چالیسویں تک بیٹھتی ہیں، اس مدت اقامت میں عورات کے کھانے پینے، پان چھالیاں کا اہتمام اہل میت کرتے ہیں جس کے باعث ایک صرف کثیر کے زیربار ہوتے ہیں، اگر اس وقت ان کا ہاتھ خالی ہو تو قرض لیتے ہیں، یوں نہ ملے تو سودی نکلواتے ہیں، اگر نہ کریں تو مطعون وبدنام ہوتے ہیں، یہ شرعاً جائز ہے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب :۔

سبحان اللہ! اے مسلمان یہ پوچھتا ہے یا کیا یوں پوچھ کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں، سخت وشنیع خرابیوں پر مشتمل ہے، اولاً یہ دعوت خود ناجائز وبدعت شنیعہ وقبیحہ ہے، امام احمد اپنی مسند اور ابن ماجہ سنن میں بہ سند صحیح حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی :۔

> كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنع الطعام من النياحة.
>
> "ہم گروہ صحابہ اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرانے کو مردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے"۔

جس کی حرمت پر متعدد حدیثیں ناطق۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں :۔

یکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت لأنه شرع فی السرور، لا في الشرور، و هی بدعة مستقبحة.

"اہل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنا منع ہے کہ شرع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بدعت شنیعہ ہے"۔

اسی طرح علامہ شرمبلانی نے مراقی الفلاح میں فرمایا:۔

یکره الضیافة من أهل المیت لأنها شرعت في السرور، لا فی الشرور، و هی بدعة مستقبحة.

فتاویٰ خلاصہ، فتاویٰ سراجیہ، فتاویٰ ظہیریہ، فتاویٰ تاتارخانیہ اور ظہیریہ سے خزانۃ المفتین کتاب الکراہیہ اور تاتارخانیہ سے فتاویٰ ہندیہ میں بالفاظ متقاربہ ہے:۔

و اللفظ للسراجیة: لایباح اتخاذ الضیافة عند ثلاثة أیام في المصیبة اهـ. زاد في الخلاصة لأن الضیافة یتخذ عند السرور.

"غمی میں یہ تیسرے دن کی دعوت جائز نہیں کہ دعوت تو خوشی میں ہوتی ہے"

فتاویٰ امام قاضی خان کتاب الحظر والاباحہ میں ہے:۔

یکره اتخاذ الضیافة في أیام المصیبة لأنها أیام تأسف فلا یلیق بها مایکون للسرور.

"غمی میں ضیافت ممنوع ہے کہ یہ افسوس کے دن ہیں تو جو خوشی میں ہوتا ہے ان کے لائق نہیں"۔

تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے:۔

لابأس لجلوس المصیبة إلی ثلاث من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط و الأطعمة من أهل المیت.

"مصیبت کے لئے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہ کیا جائے جیسے مکلف فرش بچھانے اور میت والوں کی طرف سے کھانے"۔

امام بزازی وجیز میں فرماتے ہیں:۔

یکره اتخاذ الطعام في الیوم الأول و الثالث و بعد الأسبوع.

"یعنی میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں، سب مکروہ و ممنوع ہیں"۔

علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں :۔

أطال ذلك في المعراج و قال هذه الأفعال كلها للسمعة و الرياء، فيحترز عنها.

"یعنی معراج الدرایہ شرح ہدایہ نے اس مسئلہ میں بہت کلام طویل کیا اور فرمایا کہ یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں، ان سے احتراز کیا جائے"۔

جامع الرموز آخر الکراهة میں ہے :۔

يكره الجلوس لمصيبة ثلاثة أيام أوائل في المسجد، و يكره اتخاذ الضيافة في هذه الأيام و كذا كلها كما في خيرة الفتاوىٰ.

"یعنی تین دن یا کم تعزیت لینے کے لئے مسجد میں بیٹھنا منع ہے اور ان دنوں میں ضیافت بھی ممنوع اور اس کا کھانا بھی منع جیسا کہ خیرۃالفتاوے میں تصریح کی"۔

کشف الغطاء میں ہے :۔

"ضیافت نمودن اہل میت و اہل تعزیت را و پختن طعام برائے آنہا مکروہ است باتفاق روایات چہ ایشاں را بہ سبب اشتغال، بہ مصیبت استعداد و تہیہ آں دشوار است"۔

اسی میں ہے :۔

"پس آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل مصیبت طعام را در سوم و قسمت نمودن آں میان اہل تعزیت و اقران غیر مباح و نامشروع است و تصریح کردہ بداں در خزانہ چہ شرعیت ضیافت نزد سرور ست نہ نزد شرور"۔

ثانیاً :۔ غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا اور نابالغ بچہ ہوتا ہے یا بعض ورثاء موجود نہیں ہوتے، نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے جب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے۔ اللہ عزو جل فرماتا ہے :﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمىٰ ظلما إنما يأكلون في بطونهم نارا و سيصلون سعيرا﴾

مالِ غیر میں بے اذن تصرف کرنا خود ناجائز ہے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾
خصوصاً نابالغ کا مال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ خود اسے، نہ اس کے باپ، نہ اس کے وصی کو لأن الولاية للنظر لا للضرر على الخصوص، اگر ان میں کوئی یتیم ہوا تو آفت سخت تر ہے۔ والعیاذ باللہ الخ

ثالثاً: یہ عورتیں کہ جمع ہوتی ہیں افعال منکرہ کرتی ہیں مثلاً چلا کر رونا، پیٹنا، بناوٹ سے منہ ڈھانکنا، الی غیر ذلک۔ اور یہ سب نیاحت ہے اور نیاحت حرام ہے، ایسے مجمع کے لئے میت کے عزیزوں دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی: قال الله تعالیٰ ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ نہ کہ اہل میت کا اہتمام طعام کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے تو اس مجمع ناجائز کے لئے ناجائز تر ہوگا۔

رابعاً: اکثر لوگوں کو اس رسمِ شنیع کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ تکلیف کرنی پڑتی ہے یہاں تک کہ میت والے بیچارے اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس میلہ کے لئے کھانا پان چھالیاں کہاں سے لائیں اور بارہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے، ایسا تکلف شرع کو کسی امرِ مباح کے لئے بھی زنہار پسند نہیں نہ کہ ایک رسمِ ممنوع کیلئے، پھر اس کے باعث جو دقتیں پڑتی ہیں خود ظاہر ہیں، اگر قرض سودی ملا تو حرام خالص ہو گیا اور معاذ اللہ لعنت الٰہی سے پورا حصہ ملا، اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ قطعاً ایسی رسوم شنیعہ جن سے ان کے دین و دنیا کا ضرر ہے ترک کر دیں اور طعن بیہودہ کا لحاظ نہ کریں الخ۔ (احکام شریعت: سوم ۱۹۱ تا ۱۹۳)

اگرچہ صرف ایک دن یعنی پہلے ہی روز عزیزوں ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میت کے لئے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور باصرار انہیں کھلائیں مگر یہ کھانا صرف اہل میت ہی کے قابل ہونا سنت ہے اس میلے کے لئے بھیجنے کا ہرگز حکم نہیں اور ان کے لئے بھی فقط روزِ اول کا حکم ہے آگے نہیں، کشف الغطاء میں ہے: مستحب است خویشاں و ہمسایہ ہائے میت را کہ اطعام کنند طعام را برائے اہل وے کہ سیر کند ایشاں را یک شبانہ روز الحاح کنند تا بخورند و در خوردن غیر اہل میت ایں طعام را مشہور آن ست کہ مکروہ است۔ (احکام شریعت: سوم: ۱۹۴)

فرضی مزارات بنانا، انہیں اپنے کشف کا نتیجہ قرار دینا اور ان پر عرس کرنا

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے ایک قبر فرضی اور مصنوعی جس کا پہلے سے کوئی وجود نہ تھا بنوا کر یہ بات مشہور کی کہ اس قبر میں امروہہ کے زین العابدین تشریف لائے ہیں۔ مجھ کو خواب میں بشارت ہوئی ہے۔ ایسی روایات کاذبہ سے اس قبر کی عظمت لوگوں کے سامنے بیان کر کے قبر پرستی کی طرف بلانے لگا۔ حتی کہ اس میں اس کو کامیابی ہونے لگی اور بہت سی مخلوق اس طرف متوجہ ہو گئی۔ اس قبر پر چادریں اور مرغ اور بکری اور مٹھائیاں، روپیہ اور پیسہ چڑھانے لگے۔ اور اپنی مرادیں اور منتیں اس قبر سے مانگنے لگے اور زید اس آمدنی سے متمتع ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے واسطے شریعت کیا حکم لگاتی ہے۔ آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں۔ ایسا شخص فاسق وفاجر کافر ہے۔ کیا ایسے شخص کا نکاح باطل ہوتا ہے۔ کیا ایسے شخص کے جلسوں میں شریعت شرکت کی اجازت دیتی ہے۔ آیا ایسے شخص سے رشتہ قرابت رکھا جائے؟ نیز اس شخص کے متعلق بھی استفسار کیا جاتا ہے جو زید کے اس معاملہ سے خوش ہے اور اس کا ممد ومعاون اس معاملہ میں ہے یا ایک ایسا شخص ہے جو زید کو اس معاملہ سے باز لا سکتا ہے مگر ساکت ہے۔

الجواب :۔

قبر بلا مقبور کی زیارت کے لئے بلانا اور اس کے لئے وہ افعال کرنا گناہ ہے اور جب کہ وہ اس پر مصر ہے اور باعلان اسے کر رہا ہے تو فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور پھیرنی واجب، اس جلسہ زیارت قبر بے مقبور میں شرکت جائز نہیں۔ زید کے اس معاملہ سے جو خوش ہیں خصوصاًوہ جو ممد و معاون ہیں سب گنہ گار و فاسق ہیں :

قال تعالیٰ :﴿و لا تعاونوا على الإثم و العدوان ﴾

بلکہ وہ بھی جو باوصف قدرت ساکت ہے :

قال تعالی :

﴿كانوا لايتناهون عن منكر فعلوه لبئس ما كانوا يفعلون﴾

مگر ان میں سے کوئی بات کفر نہیں کہ اس سے نکاح باطل ہو سکے۔ قرابت اپنے اختیار کی نہیں کہ چاہے رکھی چاہے توڑ دی۔ یونہی مرد سے رشتہ کہ اختیاری رشتہ بذریعہ نکاح ہوتا ہے۔اس کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے،

قال الله تعالی:﴿ بيده عقدة النكاح ﴾

ہاں اپنی عزیز داری کا برتاؤ۔ اگر یہ سمجھیں کہ اس کے چھوڑنے سے اس پر اثر پڑے گا تو چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ باز آئے اور اگر سمجھیں کہ اسے قائم رکھ کر سمجھانا مؤثر ہوگا تو یوں کریں۔

فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل کا سا معاملہ کرنا ناجائز و بدعت اور خواب کی بات خلافِ شرع امور میں مسموع نہیں ہو سکتی۔ ۱

۱: فتاویٰ رضویہ : چہارم : ۱۱۵

عرس کرنے اور عرس کی نیاز کردہ شیرینی پر جنت کے وجوب کی خوشخبری کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے یہ دستور مقرر کر رکھا ہے کہ ہر ششماہی یا سالانہ یوم معین و تاریخ مقررہ پر اپنے پیر کا عرس ہوا کرے۔ لوگوں کو یہ کہتا ہے کہ جو شخص یہ عرس کرے اور عرس کی نیاز کردہ شیرینی کو کھائیگا اس پر بلاشبہ جنت مقام دوزخ حرام ہے۔ یہ کہنا شرعا کیا حکم رکھتا ہے ؟

الجواب :۔

یہ کہنا جزاف اور یاوہ گوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کس کا جنت مقام اور کس پر دوزخ حرام ہے۔ عرس کی شیرینی کھانے پر اللہ ورسول کا کوئی وعدہ ایسا نہیں ثابت جس کے بھروسہ پر حکم لگا سکیں تو یہ تقول علی اللہ ہوا اور وہ ناجائز ہے۔

قال اللہ تعالی: ﴿ اطلع الغیب أم اتخذ عند الرحمن عهدا ﴾

قال اللہ تعالی: ﴿أتقولون علی اللہ مالا تعلمون﴾ ۱

---

۱ : فتاوی رضویہ : چہارم ۲۱۹ـ ۲۲۰

پیران پیر کے نام سے بعض جگہ مزارات یا ان کے مزار کی اینٹ پر عرس کرنا وغیرہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے بعض جگہ مزار بنالیا گیا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے مزار کی اینٹ دفن ہے اس مزار میں ایسی جگہ جا کر عرس کرنا، چادر چڑھانا کیسا ہے۔ وہ قابلِ تعظیم ہے یا نہیں؟

الجواب: جھوٹا مزار بنانا اور اس کی تعظیم جائز نہیں۔ ۱

۱: فتاوی رضویہ: چہارم: ۱۱۶

مزارات پر فاتحہ کس طرح پڑھی جائے

سوال :۔ عرض ہے کہ بزرگوں کے مزار پر جائیں تو فاتحہ کس طرح سے پڑھا کریں اور فاتحہ میں کون سی چیز پڑھا کریں؟

الجواب :۔ مزارات شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ پر مواجہہ میں کھڑا ہو اور متوسط آواز میں باادب سلام کرے۔ السلام علیک یا سیدی ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ پھر درود غوثیہ تین بار، الحمد شریف تین بار، آیت الکرسی ایک بار، سورہ اخلاص سات بار، پھر درود غوثیہ سات بار اور وقت فرصت دے تو سورہ یٰسین اور سورہ ملک بھی پڑھ کر اللہ عزوجل سے دعا کرے کہ الٰہی اس قرأت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے نہ اتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اسے میری طرف سے اس بندہ مقبول کو نذر پہنچا۔ پھر اپنا جو مطلب جائز شرعی ہو اس کے لئے دعا کرے اور صاحبِ مزار کی روح کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے۔ پھر اسی طرح سلام کرکے واپس آئے۔ مزار کو ہاتھ نہ لگائے، نہ بوسہ دے، اور طواف بالاتفاق ناجائز ہے اور سجدہ حرام۔ ا

ا: فتاوٰی رضویہ: ۴: ۲۱۲

قبر میں تہبند، رومال، سرمہ، کنگھی رکھنا، چالیسویں پر پانی کا مٹکا بھر کر رکھنا، اس پر چادر ڈالنا، برادری کو دعوت فاتحہ میت میں شامل کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ کفن میں تہبند رومال، سرمہ کنگھی کم کرنا جائز نہیں بلکہ ہو تو بہتر ہے۔ اور ہر روز خوراک پر میت کے فاتحہ دلانا اور ہر جمعرات کو چند مسکین کو دعوت کر کے کھلانا اور چالیس یوم تک ہر روز فاتحہ دلانا جمعرات کو فقیروں کو کھلانا اور چالیسویں یوم کو گھڑے یا مٹکے میں پانی بھر کر اس پر چادر رکھتے ہیں۔ کچھ پکا کر فاتحہ دیتے ہیں اور اس کو روح نکالنا مکان سے قرار دیتے ہیں۔ اور جریس یعنی چاول میں شکر ڈال کر تقسیم کرتے ہیں اور حلوہ روٹی یہ جریس برادری میں تقسیم کیا جاتا ہے اور شب برأت و عرفہ تک اس میت کی فاتحہ الگ ہوتی ہے۔ بعد عرفہ شب برأت کے یعنی شب برأت کو شامل ہوتی ہے۔ اور برادری کو دعوت فاتحہ میں شامل نہ کریں تو بہت برا مانتے ہیں۔ یہ اس میں جو ناجائز ہوں علیحدہ تحریر فرمائی جائیں۔

الجواب

مرد کے لئے کفن کے تین کپڑے اور عورت کے لئے پانچ۔ ان کے سوا کفنی میں کوئی اور تہبند یا رومال دینا بدعت و ممنوع ہے۔ سرمہ کنگھی اگر فقیر کو بطور صدقہ دیں تو

ہرج نہیں اور کفن میں رکھنا حرام ہے۔ ہر روز ایک خوراک پر میت کی فاتحہ دلا کر مسکین کو دینا اور ہر پنج شنبہ کی رات چند مساکین کو کھلانا، چالیس روز تک ایسا ہی کرنا اور اگر ہو سکے تو سال بھر تک یا ہمیشہ کرنا۔ یہ سب باتیں بہتر ہیں اور اس طرح روح نکالنا محض جہالت و حماقت اور بدعت ہے۔ ہاں فاتحہ دلانا اچھا ہے۔ شکر چاول مساکین کو تقسیم کرنا خوب ہے۔ مگر برادری میں موت کے لئے نہ بانٹا جائے۔ عرفہ تک یا بعد تک اگر الگ ہمیشہ فاتحہ دیں تو حرج نہیں، شامل نہیں تو حرج نہیں۔ یہ سمجھنا کہ عرفہ تک الگ کا حکم ہے پھر شامل، یہ غلط و جہالت ہے۔ میت کی دعوت برادری کے لئے منع ہے اور ان کا برا ماننا حماقت۔ ہاں برادری میں جو فقیر ہوں انہیں دینا اور فقیر کے دینے سے افضل ہے۔ا

ا: فتاویٰ رضویہ: ۴: ۲۱۳

نمازجنازہ کی تکرار

نمازِ جنازہ کی تکرار ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے نزدیک تو مطلقاً ناجائزونامشروع ہے۔ مگر جب اجنبی غیراحق نے بلااذن وبلامتابعت ولی پڑھ لی ہو تو ولی اعادہ کر سکتا ہے۔ امام اجل برہان الملۃ والدین ابو بکر ہدایہ میں فرماتے ہیں :

إن صلى غير الولي و السلطان أعاد الولي إن شاء لأن الحق للأولياء، و إن صلى الولي لم يجز أن يصلي بعده لأن الفرض يتأدى بالأول والتنفل بهاغيرمشروع،لهذارأيناالناس تركوا من آخرهم الصلوة على قبر النبي صلى الله عليه وسلم وهو اليوم كما وضع .

"یعنی اگر ولی وحاکم اسلام کے سوااور لوگ نماز جنازہ پڑھ لیں تو ولی کو اعادہ کا اختیار کہ حق اولیاء کا ہے ،اور اگر ولی پڑھ چکا تواب کسی کو جائز نہیں کہ فرض تو پہلی نماز سے ادا ہو چکااور یہ نماز بطور نفل پڑھنی مشروع نہیں۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جہان کے مسلمانوں نے نبی ﷺ کے مزار اقدس پر نماز چھوڑ دی۔ حالانکہ حضور ﷺ آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے جس دن قبر مبارک میں رکھے گئے تھے۔"

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں :۔

لو كان مشروعا لما أعرض الخلق كلهم من العلماء و الصالحين و الراغبين فى التقريب إليه عليه الصلوة و السلام بأنواع الطرق عنه، فهذا دليل ظاهر عليه فوجب اعتباره.

"یعنی اگر نمازِ جنازہ کی تکرار مشروع ہوتی تو مزارِ اقدس پر نماز پڑھنے سے تمام جہان اعراض نہ کرتا جس میں علماء، صلحاء اور کئی بندے ہیں جو طرح طرح سے نبی ﷺ کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کی رغبت رکھتے ہیں۔"

اقول :۔ حاصل کلام یہ کہ نمازِ جنازہ جیسی قبل دفن ویسی بعد دفن قبر پر۔ لہذا اگر کوئی شخص بے نماز پڑھے دفن کر دیا گیا تو فرض ہے اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھیں جب تک ظن غالب رہے کہ بدن بگڑ نہ گیا ہوگا۔ اور نمازِ جنازہ ایک تو ہر مسلمان کا حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :

حق المسلم على المسلم خمس ذكر منها اتباع الجنائز .

دوسرے مقبول بندوں کی نماز میں وہ فضل ہے کہ پڑھنے والوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ ہم عنقریب انس بن مالک و عبد اللہ بن عباس و عبد اللہ بن جابر رضی اللہ تعالی عنہم سے متعدد احادیث ذکر کریں گے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ مومن صالح کو پہلا تحفہ یہ دیا جاتا ہے کہ جتنے لوگوں نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی سب بخش دیئے جاتے ہیں۔ اب اگر حق کا لحاظ کیجئے تو محمد رسول اللہ ﷺ کے حق کے برابر تمام جہان میں کس کا ہو سکتا ہے۔ اور اگر فضل کو دیکھے تو افضل المرسلین ﷺ کے نماز پڑھنے کے برابر کس مقبول پر نماز پڑھنی ہو سکتی ہے۔ ہاں! قبر پر نماز پڑھنے سے مانع یہ ہوتا ہے کہ اتنی مدت گزر جائے جس میں میت کا بدن سلامت ہونا مظنون نہ رہے۔ اسی کو بعض روایات میں دفن کے بعد تین دن سے تقدیر کیا اور صحیح یہ کہ کچھ معین نہیں جب سلامت و عدم سلامت مشکوک ہو جائے، نماز ناجائز ہو جائے گی۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں معاذ اللہ اس کا اصلاً احتمال نہیں۔ وہ آج بھی یقیناً ایسے ہی ہیں جیسے روز دفن مبارک تھے۔ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں :۔

إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء .

"بے شک اللہ نے زمین پر حرام فرمایا انبیاء کا جسم کھانا۔"

(رواہ احمد ' ابو داؤد، والنسائی وابن ماجہ وابن خزیمہ وابن حبان، والحاکم والدار قطنی وابو نعیم)

جب مانع مفقود اور مقتضی اس درجہ قوت سے موجود، تو اگر نمازِ جنازہ کی تکرار شرع میں جائز ہوتی تو صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک تمام جہان کے تمام علماء، اولیاء، صلحاء اور عاشقان مصطفے ﷺ کا اس کے ترک پر اجماع کیا معنی؟ جن میں لاکھوں بندے خدا کے وہ گزرے اور اب بھی ہیں جنہیں دن رات یہی فکر رہتی ہے کہ جہاں تک مل سکیں وہ طریقے بجالائیں کہ مصطفے علیہ السلام کی بارگاہ میں تقرب پائیں۔ لاجرم تیرہ سو برس کا یہ اجماع بھی دلیل ظاہر ہے کہ تکرار نمازِ جنازہ جائز نہیں۔ اس لئے مجبوراً سب باقی ماندہ کو اس فضل عظیم سے محروم رہنا پڑا۔

امام اجل نفسی وافی اور اس کی شرح کافی میں فرماتے ہیں :۔

لم يصل غيره بعده أى إن صلى الولي لم يجز لغيره أن يصلي بعده لأن حق الميت يتأدى بالفريق الأول وسقط الفرض بالصلوة الأولي فلو فعله الفريق الثاني لكان فضلا.

امام محمد بن حلبی ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں :۔

قال علماء نا إذا صلى علي الميت من له ولاية ذلك لا تشرع الصلوة ثانيا لغيره .

"ہمارے علماء نے فرمایا۔ جب میت پر صاحب حق نماز پڑھ چکے پھر اور کو اس پر نماز مشروع نہیں"۔

علامہ ابراہیم حلبی غنیۃ شرح منیہ میں فرماتے ہیں :۔

لايصلى عليه لئلا يؤدي الى تكرار الصلوة على ميت واحد فإنه غير مشروع .

"اس پر نماز نہ پڑھی جائے کہ ایک میت پر دوبار نماز نہ ہو کہ یہ نامشروع ہے"۔

درر شرح غرر اور مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:۔

الفرض يتأدى بالأولى و التنفل بها غير مشروع.

"فرض تو پہلی نماز سے ادا ہو گیا اور یہ نماز نفلی طور پر مشروع نہیں"۔

در مختار و فتح اللہ المعین میں ہے:۔

ليس لمن صلى عليهاأن يعيد مع الولي لأن تكرارها غير مشروع

"جو پہلے پڑھ چکا وہ ولی کے ساتھ بھی اعادۃ کا اختیار نہیں رکھتا کہ اس کا تکرار غیر مشروع ہے"۔

مراقی الفلاح میں ہے:۔

لا يعيد مع له حق التقدم من صلى مع غيره لأن التنفل بها غير مشروع .

"جو اور کے ساتھ پڑھ چکا، صاحبِ حق کے ساتھ نہ پڑھے کہ اس نماز میں نفل مشروع نہیں"۔

یونہی قدوری، ہدایہ، منیہ، وقایہ، نقایہ، وافی، کنز، غرر، اصلاح، المنتقی، تنویر، نور الایضاح ان بارہ اور ان کی غیر سب میں تصریح ہے کہ نماز جنازہ جب ایک بار ہو چکی، فوت ہو گئی۔[1]

1: فتاویٰ رضویہ: چہارم: ۳۵۔۳۶

نوٹ: فاضل بریلوی نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جو فتاوی رضویہ میں جہازی سائز کے صفحات میں صفحہ ۲۵ سے صفحہ ۵۲ تک چلا گیا ہے۔ انہوں نے حدیث، فقہ، عمل سلف صالحین، اس پر اعتراضات اور ان کے مدلل جوابات کی صورت میں قابل قدر تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔

غائبانہ نماز جنازہ

مذہب مہذب حنفی میں جنازہ غائب پر بھی محض ناجائز ہے۔ ائمہ حنفیہ کا اس کے عدمِ جواز پر بھی اجماع ہے۔ فتح القدیر، حلیہ، غنیۃ، شلبیہ، بحر الرائق میں ہے :

و شرط صحته إسلام الميت و طهارته، و وضعه أمام المصلي، فلهذا القيد لا تجوز على غائب.

"صحتِ نماز جنازہ کی شرط یہ ہے کہ میت مسلمان ہو، طاہر ہو، جنازہ نمازی کے آگے زمین پر رکھا ہو۔ اسی شرط کے سبب کسی غائب کی نماز جنازہ جائز نہیں"۔

متن تنویر الابصار میں ہے :۔

شرطها وضعه أمام المصلي.

"جنازہ کا نمازی کے سامنے حاضر ہونا شرطِ نماز جنازہ ہے۔"

برہان شرح مواہب الرحمٰن طرابلسی، نہر الفائق، شرنبلالیہ علی الدرر، خادمی، ہندیہ، ابو السعود، در مختار میں ہے :۔

شرطها حضوره فلا تصح على غائب

"جنازہ کا حاضر ہونا شرط نماز ہے۔ لہذا کسی غائب پر نماز جنازہ صحیح نہیں"۔

حضور پر نور سید یوم النشور بالمؤمنین رؤف رحیم علیہ و علی آلہ افضل الصلوات و التسلیم کو نماز جنازہ مسلمین کا کمال اہتمام تھا۔ اگر کسی وقت رات کی اندھیری یا دوپہر کی گرمی یا حضور کے آرام فرما ہونے کے سبب صحابہ نے حضور کو اطلاع نہ دی اور دفن کر دیا تو ارشاد فرماتے :۔

لا تفعلوا أدعوني لجنائزكم.

"ایسانہ کرو۔ مجھے اپنے جنازوں کے لئے بلالیا کرو۔"

(رواه إبن ماجه عن عامر بن ربيعه رضى الله تعالى عنه)

اور فرماتے:

لا تفعلوا لايموتن فيكم ميت ما كنت بين أظهركم إلا أذنتموني به فإن صلاتي عليه رحمة.

"ایسانہ کرو۔ میں جب تک تم میں تشریف فرما ہوں۔ ہر گز کوئی میت تم میں نہ مرے جس کی مجھے اطلاع نہ دو کہ اس پر میری نماز موجب رحمت ہے۔"

(رواه الإمام أحمد عن زيد بن ثابت رضى الله تعالى عنهما و رواه إبن حبان و الحاكم عن زيد بن ثابت رضى الله تعالى عنه فى حديث آخر)

اور مزید فرماتے ہیں:۔

"یہ قبریں اپنے ساکنوں پر تاریکی سے بھری ہیں میں اپنی نماز سے انہیں روشن فرمادیتا ہوں۔"

(رواه مسلم، و ابن حبان عن ابى هريره رضى الله عنه)

بااین ہمہ حالانکہ زمانۂ اقدس میں صدہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دوسرے مواضع میں وفات پائی۔ کبھی کسی حدیث صحیح صریح سے ثابت نہیں کہ حضور نے غائبانہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ کیا وہ محتاج رحمت والانہ تھے؟ کیا معاذاللہ حضور اقدس ﷺ کو ان پر رحمت وشفقت نہ تھی؟ کیا ان کی قبور اپنی نماز پاک سے پرنور نہ کرنا چاہتے تھے؟ کیا جو مدینہ طیبہ میں مرتے انہیں کی قبور محتاج نور ہوتیں اور جگہ اس کی حاجت نہ تھی۔ یہ سب باتیں بداہتہً باطل ہیں تو حضور اقدس ﷺ کا عام طور پر ان کا نماز جنازہ نہ پڑھنا۔ یہ روشن وواضح دلیل ہے کہ جنازہ غائب پر نماز نا ممکن تھی۔ ورنہ ضرور پڑھتے کہ مقتضی بکمال ونور موجود اور مانع مفقود۔ لاجرم نہ پڑھنا قصداً باز رہنا تھا اور جس امر سے مصطفیٰ علیہ السلام بے عذر مانع بالقصد احتراز فرمائیں وہ ضرور امر شرعی و مشروع نہیں ہو سکتا۔

احادیث میں

صلوۃ علی الغائب اور اس کی توجیہ

دوسرے شہر کی میت پر صلوٰۃ کا ذکر صرف تین واقعوں میں روایت کیا جاتا ہے واقعہ نجاشی، واقعہ معاویہ لیثی واقعہ امرائے موتہ رضی اللہ تعالی عنھم۔ ان میں اول، دوم بلکہ سوم کا بھی جنازہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے حاضر تھا تو نماز غائب پر نہ ہوئی بلکہ حاضر پر اور دوم و سوم کی سند صحیح نہیں اور سوم صلوۃ بمعنی نماز میں صریح نہیں۔ اگر فرض ہی کر لیجئے کہ ان تینوں واقعوں میں نماز پڑھی تو باوصف حضور کے اس اہتمام عظیم و موفور اور تمام اموات کے اس حاجت شدیدہ رحمت و نور قبور کے صدہا پر کیوں نہ پڑھی۔ وہ بھی محتاج حضور و حاجتِ سند رحمت و نور اور حضور ان پر بھی رؤف رحیم تھے۔ نماز سب پر فرض عین نہ ہونا اس اہتمام عظیم کا جواب نہ ہوگا۔ نہ تمام اموات کی اس حاجت شدیدہ کا علاج۔ حالانکہ حریص علیکم ان کی شان ہے۔ دو ایک کی دستگیری فرمانا اور صدہا کو چھوڑ دینا کب ان کے کرم کے شایان ہے۔ ان حالات و ارشادات کے ملاحظہ سے عام طور پر ترک اور صرف دو ایک بار وقوع خود ہی بتا دے گا کہ وہاں کوئی خصوصیت خاصہ تھی جس کا حکم عام نہیں ہو سکتا۔ حکم عام وہی عدم جواز ہے جس کی بنا پر عام احتراز ہے۔ واقعہ بیر معونہ ہی دیکھئے۔ مدینہ طیبہ کے ستر جگر پاروں محمد رسول اللہ ﷺ کے خاص پیاروں، اجلہ علمائے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنھم کو کفار نے دغا سے شہید کر دیا۔ مصطفی ﷺ کو ان کا سخت و شدید غم والم ہوا۔ ایک مہینہ کامل خاص نماز کے اندر کفار نابکار پر لعنت فرماتے رہے مگر ہرگز منقول نہیں کہ ان پیارے محبوبوں پر نماز پڑھی ہو۔ ؎ آخر ایں ترک وبایں مرتبہ بے چیزے نیست۔ اہل انصاف

کے نزدیک کلام تو اسی قدر سے تمام ہوا مگر ہم ان تینوں واقعات کا قدرے ذکر کرتے ہیں :۔

جب اصحمہ رضی اللہ تعالی عنہ بادشاہ حبشہ نے حبشہ میں انتقال کیا سید المرسلین ﷺ نے مدینہ طیبہ میں صحابہ کو خبر دی اور مصلی میں جاکر صفیں باندھ کر چار تکبیریں کہیں۔ صحابہ کرام سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا بھائی نجاشی مر گیا۔ اٹھو اس پر نماز پڑھو۔ پھر حضور کھڑے ہوئے۔ صحابہ نے پیچھے صفیں باندھیں، حضور نے چار تکبیریں کہیں۔ صحابہ کو یہی ظن تھا کہ ان کا جنازہ حضور کے سامنے حاضر ہے :۔

فصلینا خلفه و نحن لا نری إلا أن الجنازة قدامنا.

"ہم نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم یہی اعتقاد کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے موجود ہے"۔

امامِ واحدی نے اسباب نزول قرآن میں حضرت عبداللہ بن عباس سے ذکر کیا کہ فرمایا :

کشف للنبي ﷺ عن سریر النجاشي حتی رآه و صلی علیه.

"نجاشی کا جنازہ حضور اقدس کے لئے ظاہر کر دیا گیا تھا۔ حضور نے اسے دیکھا اور اس پر نماز پڑھی۔"

ثانیاً : نجاشی کا انتقال دار الکفر میں ہوا۔ وہاں ان پر نماز نہ ہوئی تھی۔ لہذا حضور اقدس ﷺ نے یہاں پڑھی۔ ۱

---

۱ : فتاویٰ رضویہ : چہارم : ۵۸ تا ۶۷

(اگر اس مسئلے کی مکمل تحقیق مطلوب ہو تو رسالہ "الهادی الحاجب عن جنازة الغائب" جو فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ نمبر ۵۸ سے ۶۷ تک پھیلا ہوا ہے ملاحظہ کیا جائے۔)

قبرستان میں جوتی پہن کر چلنا، چارپائی پر سونا، گھوڑا باندھنا

قبروں پر چلنے کی ممانعت ہے۔ نہ کہ جوتا پہننا کہ سخت توہین اموات المسلمین ہے۔ ہاں جو قدیم راستہ قبرستان میں ہو جس میں قبر نہیں اس پر چلنا جائز ہے اگرچہ جوتا پہنے ہو۔ قبروں پر گھوڑے باندھنا، چارپائی بچھانا، سونا، بیٹھنا سب منع ہے۔ ۱

قبر کیسی بنائی جائے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں قبر کا پختہ کرانا بہتر ہے یا نہ کرانا۔ اگر پختہ کرانا بہتر ہے تو اس کی تعمیر میں کن کن خاص اور ضروری باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ مثلاً طول، عرض، بلندی، اور صورت وغیرہ۔

الجواب

قبر پختہ نہ کرنا بہتر ہے اور کریں تو اندر سے کچا رہے، اوپر سے پختہ کر سکتے ہیں۔ طول و عرض موافق قبر میت ہو اور بلندی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو اور صورت ڈھلوان بہتر ہے۔ ۲

فتاویٰ رضویہ : ۴ : ۱۰۷ ۲ : فتاویٰ رضویہ : ۴ : ۱۰۱

میت کے سر میں کنگھی کرنا،
اس کے سر سے بال کاٹنا

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تو میت کے کنگھی کرنے سے منع فرمایا کہ اسے تکلیف ہوگی اور فرمایا :۔

علی ما تنصون میتکم

"کاہے پر اپنے مردے کے موئے پیشانی کھینچتے ہو؟"

دراور ردالمحتار میں ہے کہ :۔

"میت کے بالوں کو کنگھی کرنا، بالوں کو تراشنا اور اسے آراستہ کرنا درست نہیں۔"[۱]

۱: فتاوی رضویہ : ۴ : ۹، ۳۴

موت میں دعوت

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سوم ودہم وچہلم میت کے کھانا جو پکتا ہے اس کو برادری کو کھلائے اور خود جاکر کھائے تو جائز ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تین روز کے اندر میت کے گھر کا نہ کھائے، بعد کو جائز ہے یہ تفریق صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو وجہ مابہ الفرق ارشاد ہو۔

مقولہ :۔ **طعام المیت یمیت القلب.**

اگر مستند ہے تو اس کے معنی کیا ہیں؟

الجواب :۔ دہم وچہلم کا کھانا مساکین کو دیا جائے۔ برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کر کے کھلانا بے معنی ہے۔ کما في مجمع البرکات، موت میں دعوت ناجائز ہے۔ فتح القدیر وغیرہ میں ہے :۔

إنها بدعة مستقبحة لأنها شرعت في السرور لا في الشرور.

تین دن تک اس کا محمول ہے۔ لہٰذا ممنوع ہے۔ اس کے بعد بھی موت کی نیت سے اگر دعوت کرے گا، ممنوع ہے۔

یہ تجربہ کی بات ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جو طعامِ میت کے متمنی رہتے ہیں ان کا دل مر جاتا ہے۔ ذکر وطاعت الٰہی کے لئے حیات وچستی اس میں نہیں رہتی کہ وہ اپنے پیٹ کے لقمہ کے لئے موت مسلمین کے منتظر رہتے ہیں اور کھانا کھاتے وقت موت سے غافل اور اس کی لذت میں شاغل۔ ۱

۱: فتاویٰ رضویہ ج ۴، ۲۲۳

صحنِ مسجد میں دفن کرنا حرام ہے اور اسے ختم کرنا ضروری ہے

اگر صورت واقعہ یہ ہے کہ صحن مسجد میں بعد تعمیر مسجد وارثان بانی مسجد خواہ کسی نے قبریں بنالیں تو وہ قبریں محض ظلم ہیں اور ان کا باقی رکھنا ظلم ہے نہ کہ آئندہ قبروں کے لئے ایک حصہ بندی اور اس حجرہ مسجد اور صحن مسجد سے اور زمین شامل کرنا یہ سب ظلم اور حرام ہے۔ اور اس کا دفع کرنا فرض ہے۔ ا

میت کے غسل میں استعمال ہونیوالے گھڑے بدھنے

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گھڑے بدھنے میت کو غسل دینے کے بعد پھوڑ ڈالنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ گناہ ہے کہ بلاوجہ تضییع مال ہے کہ اگر وہ ناپاک بھی ہو جائیں تا ہم پاک کر لینا ممکن۔ حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں :۔

إن الله كره لكم ثلاثاقيل وقال، و كثرة السؤال، و إضاعة المال

"اللہ تعالیٰ تین باتیں تمہارے لئے ناپسند رکھتا ہے۔ فضول بک بک اور سوال کی کثرت اور مال کی اضاعت۔" (**رواه الشيخان و غيرهما**)

اگر یہ خیال کیا جائے کہ ان سے مردے کو نہلایا ہے تو ان میں نحوست آگئی تو یہ خیال اوہام کفارِ ہند سے بہت ملتا ہے۔ ۲

ا : فتاویٰ رضویہ : ۴ : ۱۱۴ ۲ : فتاویٰ رضویہ : ۴ : ۱۷۶

مسجد میں نماز جنازہ

صحیح یہ ہے کہ مسجد میں نہ جنازہ ہو نہ امام جنازہ نہ صف جنازہ، یہ سب مکروہ ہے۔ اسی طرح صحن مسجد یقیناً مسجد ہے۔ فقہاے کرام اسے مسجد صیفی یعنی گرمیوں کی مسجد اور مسقّف درجہ کو مسجد شتوی یعنی جاڑوں کی مسجد کہتے ہیں۔ اور نماز جنازہ مسجد میں مطلقاً مکروہ ہے کما فی التنویر و الدرر و غیرھما۔

☆☆☆☆☆☆☆

امانت کے طور پر دفن کرنا اور بعد میں میت دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حالت سفر میں لوگ اپنے مردوں کو امانت کے طور پر دفن کر دیتے ہیں۔ پھر مقررہ مدت کے بعد ان کی لاشیں مشرق سے مغرب یا شمال سے جنوب یا بر عکس منتقل کرتے ہیں۔ شرعاً یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ یہ فعل حرام ہے، دفن کے بعد قبر کشائی جائز نہیں۔ نیز دور دراز مقامات پر میت کا لے جانا بھی جائز نہیں۔

---

۱ : فتاویٰ رضویہ : چہارم : ۸۲۔۸۱ ۲ : فتاویٰ رضویہ : چہارم : ۱۱۶

گیارہویں شریف کا صحیح طریقہ

سوال :۔زید کو گیارہویں شریف کس طریقے سے کرنی چاہیے ؟ آیا اس کو دل میں یہ نیت یا خیال کرنا چاہیے کہ یہ کھانا اللہ تعالی کے لئے کرتا ہوں اور جو کچھ ثواب مجھ کو ملے گا، وہ ثواب گیارہویں والے میاں صاحب کو پہنچے۔ یا اس خیال اور نیت سے کرے کہ یہ کھانا میں گیارہویں شریف والے میاں صاحب کو کرتا ہوں وہ مجھ سے خوش اور راضی ہوں گے اور اللہ تعالی سے دعا کریں گے یا مجھ کو اس کا اچھا بدلہ دیں گے۔اس طریقہ سے ناجائز ہے یا جائز ہے ؟

۲ :۔ فاتحہ دینا کس طریقہ سے جائز ہے۔ کھانے کے اوپر سے دعا کریں گے۔ جائز ہے ناجائز۔ کس کھانے پر زید کو فاتحہ دینا ہے۔اس کو تناول کرنے کے بعد یعنی کھانا کھاچکنے کے بعد فاتحہ دینا جائز ہے یا ناجائز ؟

۳ :۔ زید کے پاس ایک شخص تین جگہ بتاشے لایا کہ ایک پر اللہ ورسول کی فاتحہ دے دو۔ دوسری جگہ یوسف علیہ السلام کی۔ تیسری جگہ میاں صاحب کی۔بعد فاتحہ کے ان بتاشوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر جائز ہے تو کس طریقہ سے کرنا اور پینا چاہئے اور کیا نیت ہونا چاہیے ؟

الجواب

یہ دو طریقے نہیں بلکہ ایک ہی طریقہ ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کے لئے ہونے کے یہ معنی نہیں کہ خود یہ کھانا حضور کے واسطے ہے بلکہ ثواب ہی مراد اور قطعاً ان کی رضا جوئی اور ان سے حسنِ جزا اور نیک دعا کی طلب ان میں سے کوئی بات شرعاً ممنوع نہیں۔

۲ :۔ کھانے پر فاتحہ جائز ہے۔ قبل کھانے کے بھی اور بعد بھی۔ اور قبل دینے میں ایصالِ ثواب میں تعجیل ہے اور تعجیل خیر خیر ہے۔

۳ :۔ فاتحہ بمعنی ایصالِ ثواب ہے اور اللہ عزوجل کے نام کی فاتحہ ہونا بے معنی ہے۔ وہ ثواب سے پاک و منزہ ہے۔ باقی یہ تین متفرق فاتحہ ہونے نے بتاشوں کو کیوں ناجائز کر دیا؟

۴ :۔ نیت ایصالِ ثواب کی ہو اور ریاء وغیرہ کو دخل نہ ہو اور اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ شربت کریں اور عرض کریں کہ الٰہی یہ شربت تروتیح روحِ پاک حضرت امام کے لئے ہے۔ اس کا ثواب انہیں پہنچا اور ساتھ فاتحہ وغیرہ پڑھیں تو اور افضل۔ پھر مسلمانوں کو پلائیں اور من واذیٰ سے بچیں۔ ۱

۱: فتاویٰ رضویہ : ۲ : ۲۲۷

خطبہ جمعہ میں وعظ و نصیحت پر مشتمل اردو اشعار یا قصائد وغیرہ پڑھنا

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبۂ جمعہ میں جو اردو قصائد متضمن وعظ و نصیحت پڑھے جاتے ہیں۔ یہ شرعا کیسا ہے؟ اور عوام کا یہ عذر کہ عربی ہماری سمجھ میں نہیں آتی لہذا اردو کی ضرورت ہے قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ امر خلافِ سنت ہے۔ متوارثہ مسلمین ہے اور سنت متوارثہ کا خلاف مکروہ۔ قرناً فقرناً اہل اسلام میں ہمیشہ خالص عربی میں خطبہ، معمول و متوارث رہا ہے اور متوارث کا اتباع ضرور ہے۔ در مختار میں ہے:۔

توارثه المسلمون فوجب إتباعهم.

زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بحمد للہ ہزار ہا بلادِ عجم فتح ہوئے ہزاروں عجمی حاضر ہوئے مگر کبھی منقول نہیں کہ انہوں نے ان کی غرض سے خطبہ غیر عربی میں پڑھا ہو۔ یا اس میں دوسری زبان کا خلط کیا ہو۔

وكل ما وجد مقتضيه عينا مع عدم المانع ثم تركوا لدل على أنهم كفو اعنه فكان أدناه الكراهة.

عوام کا یہ عذر یہ جب صحابہ کرام کے نزدیک لائق نہ تھا۔ اب کیوں مسموع ہونے لگا۔ بات یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے علم سیکھنا سب پر واجب کیا ہے عوام کہ نہیں سمجھتے۔ سبب یہ ہے کہ نہیں سیکھتے، تو قصور ان کا ہے نہ کہ خطیب کا۔ آخر عوام قرآن مجید بھی تو نہیں سمجھتے۔ کیا ان کے لئے قرآن اردو میں پڑھا جائے۔ [1]

---

[1]: فتاویٰ رضویہ : ۴ : ۷۱۵

محمد نبی، احمد نبی، نبی جان، محی الدین، نظام وغیرہ نام رکھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ بعض اشخاص اس طرح نام رکھتے ہیں۔ تاج الدین، محی الدین، نظام الدین، علی جان، نبی جان، محمد جان، محمد نبی، محمد یٰسین، محمد طٰہٰ، غفور الدین، غلام علی، غلام حسین، غلام غوث، غلام جیلانی ہدایت علی، پس اس طرح کے نام رکھنا جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب

محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد ﷺ پر بے شمار درودیں۔ یہ الفاظ کریمہ جناب حضور ﷺ ہی پر صادق اور حضور ﷺ ہی کو زیبا ہیں۔ افضل صلوات اللہ واجل تسلیمات اللہ علیہ وعلی آلہ۔ دوسرے کے لئے یہ نام رکھنا حرام ہیں کہ ان میں حقیقۃً ادعائے نبوت نہ ہونا مسلم ورنہ کفر خالص ہوتا۔ مگر صورت ادعا ضرور ہے اور وہ بھی یقیناً حرام و محظور ہے۔ اور یہ زعم کہ اسلام میں معنیٰ اول ملحوظ نہیں ہوتے نہ شرعاً مسلم نہ عرفاً مقبول۔

احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بکثرت اسماء جن کے معنی اصلی کے لحاظ سے کوئی برائی تھی تبدیل فرمادیئے۔ جامع ترمذی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے:۔

إن النبي ﷺ كان يغير الإسم القبيح.

"حضور ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ برے نام کو بدل دیتے۔"

سنن ابوداؤد میں ہے:۔

نبی ﷺ نے عاصی وعزیز وعتلہ وشیطان وحکم وعراب وحباب وشہاب نام تبدیل

فرما دیئے۔ احرام کا نام بدل کر زرعہ رکھا، عاصیہ کا نام بدل کر جمیلہ رکھا، برہ کا نام بدل کر زینب رکھا۔

اگر اصلی معنی بالکل ساقط النظر ہیں تو فلاں نام اچھا فلاں برا ہونے کے کیا معنی اور تبدیلی کی کیا وجہ؟ مسمّٰی پر دلالت کرنے میں سب یکساں ہیں۔ معہذا انہی لوگوں سے پوچھ دیکھئے۔ کیا اپنی اولاد کا نام شیطان، ملعون، رافضی، خبیث خوک وغیرہ رکھنا گوارہ کریں گے؟ ہرگز نہیں تو قطعاً معنی اصلی کی طرف لحاظ باقی ہے۔ پھر کس منہ سے اپنے آپ اور اپنی اولاد کو نبی کہتے کہلواتے ہیں۔ کیا کوئی مسلمان اپنا یا اپنے بیٹے کا رسول اللہ، خاتم النبیین، یا سید المرسلین نام رکھنا روا رکھے گا۔ حاشا وکلا۔ پھر محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد کیوں کر روا ہوگا۔ یونہی نبی جان نام رکھنا نامناسب ہے۔ یونہی یٰسین و طٰہٰ نام رکھنا منع ہے کہ وہ اسمائے الٰہیہ واسمائے مصطفٰی ﷺ سے ایسے نام ہیں جن کے معنی معلوم نہیں۔ کیا عجب ان کے معنی وہ ہوں جو غیر خدا اور رسول میں صادق نہ آسکیں تو ان سے احتراز لازم۔ یونہی غفور الدین بھی سخت قبیح و شنیع ہے۔ غفور کے معنی ہیں مٹانے والا اور چھپانے والا۔ اللہ عزوجل غفور ذنوب ہے۔ یعنی اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے ذنوب مٹاتا، عیوب چھپاتا ہے تو غفور الدین کے معنی ہوئے، دین کا مٹانے والا۔ یہ ایسا ہوا جیسے شیطان کا نام رکھنا۔

نظام الدین، محی الدین، تاج الدین اور اسی طرح وہ تمام نام جن میں مسمّٰی کا معظم فی الدین بلکہ معظم علی الدین ہونا نکلے، جیسے شمس الدین، بدر الدین، نور الدین، فخر الدین، شمس الاسلام، محی الاسلام، بدر الاسلام وغیرہ۔ سب کو علمائے کرام نے سخت ناپسند رکھا اور مکروہ و ممنوع رکھا۔

اکابرِ دین قدست اسرارہم کہ امثال اسلامی مشہور ہیں۔ یہ ان کے نام نہیں القاب ہیں کہ ان مقامات رفیعہ تک وصول کے بعد مسلمانوں نے انہیں توصیفاً ان

القاب سے یاد کیا جیسے شمس الائمہ حلوائی، فخر الاسلام بزدوی، تاج الشریعہ، صدر الشریعہ، یونہی محی الحق والدین حضور پر نور سیدنا غوث اعظم، معین الحق والدین حضرت خواجہ غریب نواز، وارث النبی، سلطان الہند، حسن سجزی، شہاب الحق والدین عمر سہروردی، بہاء الحق والدین نقشبند، قطب الحق والدین بختیار کاکی، شیخ الاسلام فرید الحق والدین مسعود، نظام الحق والدین سلطان الاولیاء محبوب الٰہی، محمد نصیر الحق والدین چراغ دہلوی محمود وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

سترہ کے نام سائل نے پوچھے ہیں۔ ان میں یہی دس ناجائز و ممنوع ہیں، باقی سات میں حرج نہیں۔ ۱

۱: احکام شریعت : ۷۴۔۷۹

ہندو مسلم اتحاد کی بدعت

سوال :۔ خدمتِ والا میں گزارش ہے کہ براہِ کرم امورِ ذیل کا جواب مرحمت فرما کر خادم کی تسلی کریں؟

ا۔ مسائل خلافت اسلامیہ و ہجرت عن الہند کے متعلق مولوی عبدالباری فرنگی محلی و ابوالکلام وغیرہ نے جو کچھ آواز اٹھائی ہے یہ حدود اسلامیہ شرعیہ کے موافق ہے یا خلاف؟

۲ :۔ ہر لحاظ سے جناب والا کی خاموشی کن مصالح کی بناء پر ہے؟ اگر موافق ہے تو کیوں ان اصحاب کی تائید میں آواز نہیں اٹھاتے اور اگر خلاف ہے تو دوسرے مسلمانوں کو خطرناک ہلاکت سے کیوں نہیں روکا جاتا؟ جناب والا نے اپنے لئے کیا راہ تجویز فرمائی ہے؟

الجواب

مقصد بتایا جاتا ہے۔ اماکن مقدسہ کی حفاظت، اس میں کون مسلمان خلاف کر سکتا ہے، اور کاروائی کی جاتی ہے۔ کفار سے اتحاد، مشرک لیڈروں کی غلامی، عمر کے قرآن و حدیث کی تقلید والے حصے کو بت پرستی پر نثار کرنا، مسلمانوں کا قشقہ لگوانا، کافروں کی جے بولنا، رام لچھمن پر پھول چڑھانا، اور رامائن کی پوجا میں شریک ہونا۔ مشرک کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھا کر اس کی جے بول کر مرگھٹ کو لے جانا، کافروں کو مسجد میں لے جا کر مسلمانوں کا واعظ بنانا۔ شعائر اسلامی قربانی گاؤ کو کفار کی خوشامد میں بند کر دینا۔ ایک

ایسے مذہب کی فکر میں ہونا جو اسلام و کفر کی تمیز اٹھادے اور بتوں کے معبد پر اگ کو مقدس ٹھہرانا اور اسی طرح کے بہت اقوال، احوال، افعال جن کا پانی سر سے گزر گیا۔ جنھوں نے اسلام پر یکسر پانی پھیر دیا۔ کون مسلمان ان میں موافقت کر سکتا ہے۔ ان حرکاتِ خبیثہ کے رد میں فتوے لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں۔ اس سے زیادہ کیا اختیار ہے پاکی ہے اسے جو مقلب القلوب والابصار ہے۔ ۱

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :۔

تم نے دیکھا یہ حالت ہے ان لیڈر بننے والوں کے دین کی، کیسا کیسا شریعت کو بدلتے مسلتے، پاؤں کے نیچے کچلتے اور خیر خواہ اسلام بن کر مسلمانوں کو چھلتے ہیں۔ موالاۃ مشرکین ایک، معاہدہ مشرکین دو، استعانت ہمشرکین تین، مسجد میں اعلائے مشرکین چار۔ ان سب میں بلا مبالغہ یقیناً قطعاً لیڈروں نے خنزیر کو دنبے کی کھال پہنا کر حلال کیا ہے۔ دین الٰہی کو دیدہ دانستہ پامال کیا ہے اور پھر لیڈر ہیں، ریفارمر ہیں۔ مسلمانوں کے بڑے رہبر ہیں۔ جو ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائے مسلمان ہی نہیں۔ یعنی جب تک اسلام کو کند چھری سے ذبح نہ کرے، ایمان ہی نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اند کے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں جانتا ہوں کہ میرا کلام برا لگے گا اور حسبِ معمول تحقیق حق و اظہار احکام رب الانام کا نام گالیاں رکھا جائے گا۔ ۲

ایک اور موقع پر فرمایا :۔

جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری، وہ تمہیں ملیچھ جانیں، بھنگی جانیں، تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہو جائے۔

۱: احکام شریعت :۲: ۸۵ ۲: المحجۃ المؤتمنۃ: ۸۶۔۸۷

سودا بیچیں تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں، پیسے لیں تو دور سے، یا پنکھا وغیرہ پیش کر کے اس پر رکھوالیں۔ حالانکہ بحکم قرآن خود ہی نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس و مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ۔ جو تمہارے ماتھا رکھنے کی جگہ ہے وہاں ان کے ننگے قدم رکھواؤ۔ گندے پاؤں رکھواؤ۔ مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا۔ محبت مشرکین نے اندھا بہرا کر دیا۔ ان باتوں کا ان سے کیا کہنا جن پر حبك الشئ يعمي و يصم کا رنگ بھر گیا۔ سب جانے دو۔ خدا کو منہ دکھانا ہے یا ہمیشہ مشرکین ہی کی چھاؤں میں رہنا ہے۔ جواز تھا تو یوں کہ کوئی کافر۔۔۔۔۔۔ مثلاً اسلام لانے یا اسلامی تبلیغ سننے یا اسلامی حکم لینے کے لئے مسجد میں آئے یا اس کی اجازت تھی کہ خود سر مشرکوں، نجس بت پرستوں کو مسلمانوں کا واعظ بنا کر مسجد میں لے جاؤ۔ اسے مسند مصطفیٰ ﷺ پر بٹھاؤ۔ مسلمانوں کو نیچے کھڑا کر کے اس کا وعظ سناؤ۔ کیا اس کے جواز کی کوئی حدیث یا کوئی فقہی روایت تمہیں مل سکتی ہے۔ حاشا ثم حاشا۔ للہ انصاف! کیا یہ اللہ و رسول سے آگے بڑھنا شرعِ مطہر پر افترا گھڑنا، احکام الٰہی دانستہ بدلنا، سؤر کو بکری بتا کر نگلنا نہ ہوگا؟![1]

---

[1]: الحجۃ المؤتمنۃ: ۸۶۔۸۷

آداب مسجد

۱ :۔جب مسجد میں قدم رکھو تو پہلے سیدھا پھر الٹا اور واپسی پر اس کا عکس۔

۲ :۔ مسجد میں آتے وقت اعتکاف کی نیت **بسم الله دخلت و علیه توکلت و نویت سنة الاعتکاف** کر لو کہ اس عبادت کا بھی ثواب ملے گا ۔اور اس کے لئے روزہ شرط نہیں۔نہ کسی معین وقت تک بیٹھنا لازم جب تک بیٹھو گے معتکف رہو گے۔ جب باہر آئے اعتکاف ختم ہو گیا اور اس کے سبب مسجد میں پانی پینا یا مثلاً پان کھانا بھی جائز ہو گا۔

۳ :۔بغیر نیتِ اعتکاف کسی چیز کے کھانے کی اجازت نہیں۔بہت مساجد میں دستور ہے کہ ماہِ رمضان المبارک میں لوگ نمازیوں کے لئے افطاری بھیجتے ہیں۔وہ بلا نیت اعتکاف وہیں بے تکلف کھاتے پیتے اور فرش خراب کرتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔

۴ :۔ مسجد کے ایک درجے سے دوسرے درجے کے داخلے کے وقت سیدھا قدم بڑھایا جائے حتی کہ اگر صف بچھی ہو اس پر بھی پہلے سیدھا قدم رکھو۔اور جب وہاں سے ہٹو۔تب بھی سیدھا قدم فرش پر رکھو۔یا خطیب جب منبر پر جانے کا ارادہ کرے، پہلے سیدھا قدم رکھے اور جب اترے تو سیدھا قدم اتارے۔

۵ :۔وضو کرنے کے بعد اعضائے وضو سے ایک چھنیٹ پانی کی فرشِ مسجد پر نہ گرے۔

۶ :۔ مسجد میں دوڑنا یا زور سے قدم رکھنا جس سے دھمک پیدا ہو منع ہے۔

۷۔ مسجد میں اگر چھینک آئے تو کوشش کرو کہ آہستہ آواز نکلے ،اسی طرح کھانسی

كان النبي ﷺ يكره العطسة الشديدة في المسجد۔

اسی طرح ڈکار کو ضبط کرنا چاہیے اور نہ ہو تو حتی الامکان آواز دبائی جائے۔اگرچہ غیر مسجد میں ہو خصوصاً مجلس میں یا کسی معظم کے سامنے کہ بے تہذیبی ہے اور جماہی

میں آواز نکالنا تو کہیں نہ چاہئے اگرچہ غیر مسجد میں تنہا ہو کہ وہ شیطان کا قہقہہ ہے۔

۸ :۔ مسجد میں دنیا کی کوئی بات نہ کی جائے۔ ہاں اگر کوئی دینی بات کسی سے کہنا ہو تو قریب جا کر آہستہ سے کہنا چاہیے۔ نہ کہ ایک صاحب مسجد میں کھڑے ہوئے راہگیر سے جو سڑک پر کھڑا ہوا ہے چلا کر باتیں کر رہے ہیں۔ یا کوئی باہر سے پکار رہا ہے اور یہ اس کا جواب بلند آواز سے دے رہے ہیں۔

۹ :۔ تمسخر ویسے ہی ممنوع ہے اور مسجد میں سخت ناجائز۔ اور ہنسنا منع ہے۔ قبر میں تاریکی لاتا ہے۔ موقع سے تبسم میں ہرج نہیں۔

۱۰۔ فرشِ مسجد پر کوئی شے نہ پھینکی جائے بلکہ آہستہ سے رکھ دی جائے موسم گرما میں لوگ پنکھا جھلتے جھلتے پھینک دیتے ہیں یا لکڑی یا چھتری وغیرہ دور سے چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ اس کی ممانعت ہے۔ غرض مسجد کا احترام ہر مسلمان کا فرض ہے۔

۱۱ :۔ مسجد میں حدث منع ہے۔ ضرورت ہو تو باہر چلا جائے۔ لہٰذا معتکف کو چاہئے کہ ایامِ اعتکاف میں تھوڑا کھائے، پیٹ ہلکا رکھے، کہ قضائے حاجت کے سوا کسی وقت اخراجِ ریح کے لئے مسجد سے باہر نہ جانا پڑے۔

۱۲ :۔ قبلہ کی طرف تو پاؤں پھیلانا ہر جگہ منع ہے، مسجد میں کسی طرف نہ پھیلائے کہ خلافِ آدابِ دربار ہے۔ حضرت ابراہیم ادہم قدس سرہ مسجد میں تنہا بیٹھے تھے پاؤں پھیلا لیا۔ گوشہ مسجد سے ہاتف نے آواز دی۔ ابراہیم! بادشاہوں کے حضور میں یونہی بیٹھتے ہیں؟ معاً پاؤں سمیٹے اور ایسے سمیٹے کہ وقت انتقال ہی پھیلے۔

۱۳ :۔ مسجد میں یہاں کے کسی کافر کو آنے دینا سخت ناجائز اور مسجد کی بے حرمتی ہے۔ فقہ میں جواز ہے تو ذمی کے لئے اور یہاں کے کافر ذمی نہیں۔ کیا شدید ظلم ہے کہ وہ تم کو بھنگی کی طرح سمجھیں۔ جس چیز کو تمہارا ہاتھ لگ جائے اسے ناپاک جانیں۔ سودا دیں تو دور سے ڈال دیں۔ پیسے لیں تو الگ رکھوا لیں۔ حالانکہ ان کی نجاست پر قرآنِ کریم شاہد ہے۔ تم ان نجسوں کو مسجد میں آنے کی اجازت دو کہ اپنے ناپاک پاؤں تمہاری ماتھا رکھنے کی جگہ رکھیں۔ اپنے گندے بدنوں سے تمہارے رب کے دربار میں آئیں۔ اللہ ہدایت فرمائے۔ (الملفوظ حصہ دوم ص ۱۴۵ تا ۱۴۸)

اذان روافض

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اہل سنت و جماعت اس مسئلہ میں کہ بالفعل اہل تشیع نے اپنی اذان وغیرہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ کی نسبت کلمہ خلیفہ رسول اللہ بلا فصل کہنا اختیار کر لیا ہے۔ پس اہل سنت کو اس کلمہ کا سننا بمنزلہ سننے تبرا کے ہے یا نہیں اور اس کی انسداد میں کوشش کرنا باعث اجر ہو گی یا نہیں ؟

الجواب

یہ کلمہ مغضوبہ مبغوضہ مذکورہ سوال خالص تبرا ہے۔ اور اس کا سننا سنی کے لئے بمنزلہ تبرا سننے کے نہیں بلکہ حقیقۃً تبرا سننا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔

تبرا کے معنی اظہار برأت و بیزاری جس پر یہ کلمہ خبیثہ نہ کنایۃً بلکہ صراحتاً دال ہے، کہ اس میں بالتصریح خلافت راشدہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نفی ہے اور اس نفی کے معنی یہ ہر گز نہیں کہ وہ بعد حضور پر نور سید عالم ﷺ مسند نشین نہ ہوئے کہ ان کا حضور اقدس ﷺ کے بعد تختِ خلافت پر جلوہ فرمانا، فرمان واحکام جاری کرنا، نظم و نسق ملکِ اسلامیہ و تمام امورِ ملک و مال و رزم و بزم کی باگیں اپنے دست حق پرست لینا، وہ تاریخی واقعہ مشہور متواتر اظہر من الشمس ہے جس سے دنیا میں موافق مخالف یہاں تک کہ نصاریٰ و یہود و مجوس و ہنود کسی کو انکار نہیں۔ بلکہ ان محبانِ خدا و نائبانِ مصطفیٰ ﷺ سے روافض کو زیادہ عداوت کا مبنی یہی ہے۔ ان کے زعم باطل میں استحقاق خلافت حضرت مولیٰ کرم اللہ وجہہ الاسنی میں منحصر تھا۔ جب حکم الٰہی خلافت راشدہ اول ان تین سرادارانِ مؤمنین کو پہنچی روافض نے انہیں معاذ اللہ مولیٰ علی کا حق چھیننے والا ٹھہرایا الخ۔۔۔۔۔

كبرت كلمة تخرج من أفواههم أن يقولوا إلا كذبا.

تولا جرم لفظِ بلا فصل میں جو نفی ہے۔۔۔اس سے نفی لیاقت واستحقاق مراد تو اس محمل لفظ میں غضب و ظلم انکارِ حق اصرارِ باطل و مخالفتِ دین واختیار دینا وغیرہ غیرہ، ہزاروں مطاعن ملعونہ جو قوم روافض اپنے اعتقاد میں رکھتی اور زبان سے بکتی ہے سب دفعتاً موجود ہیں اور لائے نفی سے اپنی برأت وبیزاری کا کھلا اظہار، پھر تبرا اور کس چیز کا نام ہے۔۔۔ مجھے بتوفیق اللہ عز وجل یہاں یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ کلمات جو روافض حال نے سنیوں کی ایذار سانی کو اذان میں بڑھائے ہیں ان کے مذہب کے بھی خلاف ہیں۔ان کی حدیث و فقہ کی رو سے بھی اذان ایک محدود عبارت معدود کلمات کا نام ہے۔ جس میں یہ ناپاک لفظ داخل نہیں۔ ان کے نزدیک بھی اس اذان منقول میں اور عبارت بڑھانا ناجائز وگناہ اور اپنے دل سے ایک نئی شریعت نکالنا ہے۔ان کے پیشوا خود لکھ گئے کہ ان زیادتیوں کی موجد ایک ملعون قوم ہے جنہیں امامیہ بھی کافر جانتے ہیں ۔میں ان تینوں امور کی سندیں مذہب امامیہ کی معتبر کتابوں سے دوں گا۔

سند امر اول:

شرائع الاسلام مطبوعہ کلکتہ مطبع گلدستہ نشاط ۱۲۵۵ھ کے صفحہ ۳۴ پر ہے:

الأذان على الأشهر ثمانية عشر فصلا،التكبير أربع و الشهادة بالتوحيد ثم بالرسالة، ثم يقول حي على الصلوة، ثم حي على الفلاح، ثم حي على خير العمل، و التكبير بعده ، ثم التهليل، كل فصل مرتان .

ترجمہ :۔اذان مشہور تر قول پر اٹھارہ کلمے ہیں: تکبیر چار بار،اور گواہی توحید کی۔ پھر رسالت کی پھر حی علی الصلوۃ۔ پھر حی الفلاح۔ پھر حی علی خیر العمل۔اور ان کے بعد اللہ اکبر پھر لاالٰہ الااللہ ہر کلمہ دوبار۔

سند امر دوم:۔

شرائع الاسلام کی شرح مدراک میں ہے۔

الأذان سنة متلقاة من الشارع كسائر العبادات، فيكون الزيادة فيه تشريعا محرما كما يحرم زيادة أن محمدا واله خير البرية، فإن ذلك و إن كان من أحكام الإيمان إلا أنه ليس من فصول الأذان.

"اذان ایک سنت ہے جسے شارع نے تعلیم فرمایا، مثل اور عبادتوں کے تواس میں کوئی لفظ بڑھانا اپنی طرف سے نئی شریعت ایجاد کرنا ہے اور یہ حرام ہے جیسے ان محمد او آلہ خیر البریہ کا بڑھانا حرام ہوا۔ اگرچہ یہ احکام ایمان سے ہے مگر اذان کے کلمات سے نہیں۔"

سند امر سوم :۔

شیخ صدوق شیعہ ابن بابویہ قمی کہ ان کے یہاں کے اکابر مجتہدین وارکان مذہب سے ہے کتا ب من لا یحضره الفقیه کے باب الآذان و الإقامة للمؤذنين میں لکھتا ہے :۔

روى أبوبكر الحضرمي و كليب الأسدى عن أبى عبد الله عليه السلام أنه حكى لهم الأذان، فقال الله أكبر الله أكبر، الله أكبر الله أكبر أشهد أن لا إله إلا الله أشهد أن لا إله إلا الله أشهد أن محمدا رسول الله، أشهد أن محمدا رسول الله، حي على الصلوة، حي على الصلوة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، حي على خير العمل، حي على خير العمل، الله أكبر الله أكبر لا إله إلاالله.

و قال مصنف هذا الكتاب: هذا هو الأذان الصحيح لا يزاد فيه و لاينقص منه، و المفوضة لعنهم الله، قد وضعوا أخبارا و زادوا فى الأذان محمدو آل محمد خير البرية مرتين، و في بعض رواياتهم: بعد أشهد أن محمدا رسول الله، أشهد أن عليا ولي الله مرتين، و منهم من روى بدل ذلك و أشهد أن عليا أمير المومنين حقا مرتين، و لا شك في أن عليا ولي الله، و أنه أمير المؤمنين حقا، و أن محمدا وآله صلوات الله عليهم خيرا لبرية، و لكن ليس ذلك في أصل الأذان و إنما ذكرت ذلك ليعرف بهذه الزيادة المتهمون بالتفويض المدلسون أنفسهم في حجتنا.

ترجمہ :۔ ابوبکر حضرمی وکلیب اسدی حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے راوی

کہ اس جناب نے ان کے سامنے اذان یوں کہہ کر سنائی: اللہ اکبر ۴۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ ۲۔ اشہد ان محمداً رسول اللہ ۲۔ حی علی الصلوۃ ۲۔ حی علی الفلاح ۲۔ حی علی خیر العمل ۲۔ اللہ اکبر ۲۔ لا الہ الا اللہ ۲۔

مصنف اس کتاب کا کہتا ہے کہ یہی اذان صحیح ہے۔ اس میں کچھ بڑھایا جائے نہ اس سے کچھ گھٹایا جائے۔ اور فرقہ مفوضہ نے کہ اللہ ان پر لعنت کرے کچھ جھوٹی حدیثیں اپنے دل سے گھڑیں اور اذان میں محمد و آل محمد خیر البریہ بڑھایا اور انہی کی بعض روایات میں اشہد ان محمداً رسول اللہ کے بعد اشہد ان علیاً ولی اللہ دو بار آیا۔ اور ان کے بعض نے ان کے بدلے اشہد ان علیاً امیر المؤمنین حقاً دو بار روایت کیا۔ اور اس میں شک نہیں کہ علی ولی ہیں، اور بے شک محمد ﷺ اور ان کی آل تمام جہان سے بہتر ہیں، مگر یہ کلمے اصل اذان میں نہیں۔ اور میں نے یہ اس لئے ذکر کر دیا کہ اس زیادتی کے باعث وہ لوگ پہچان لئے جائیں جو مذہب تفویض سے متہم ہیں۔ اور براہِ فریب اپنے آپ کو ہمارے گروہ (فرقہ امامیہ) میں داخل کرتے ہیں۔"

اگر بالفرض یہ کلمہ ملعونہ ان کی اذان مذہبی میں داخل ہوتا ہے اور ان کے یہاں روایات میں آتا ہے تو کہہ سکتے کہ صرف اہل سنت کا دل دکھانا مقصود نہیں بلکہ اپنی رسم مذہبی پر نظر ہے۔ اب کہ یقیناً ثابت کہ کلمہ مذکورہ ان کے مذہب میں بھی نہیں نہ صاحبِ شرع ﷺ سے اس کی روایت نہ حضرات ائمہ اطہار سے اس کی اجازت نہ ان کے پیشواؤں کے نزدیک اذان میں یہ ترکیب و کیفیت بلکہ خود انہی کی معتبر کتابوں میں تصریح کہ اذان میں صرف اتنا بڑھانا بھی حرام ہے کہ اشہد ان علیاً ولی اللہ۔ تو ایسی حالت میں اس کے بڑھانے کو ہرگز کسی رسمِ مذہبی کی ادا پر محمول نہیں کر سکتے۔ بلکہ یقیناً سوا اس کے کہ اہل سنت کو آزار دینا، ان کا دل دکھانا اور ان کی توہین مذہبی کرنا مد نظر ہے اور کوئی غرض نہیں۔ (الادلۃ الطاعنہ)

☆☆☆☆☆

اشاریہ

الف

ب

ز

س

ش

ص

ط

ظ

ع

ق

ک

گ

م

ن

و

ی